جنوری و اپریل ۱۹۲۸ء

اردو

جلد ۸ | حصہ ۲۹

جنوری سنہ ۱۹۲۸ع

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

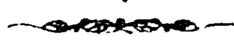
کا

سہ ماہی رسالہ

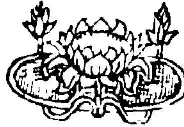
فہرستِ مضامین



سنہ ۱۲۶۱ھ کے مشاعرے کی تصویر



گزشتہ نمبر میں ناظرین نے سنہ ۱۲۶۱ھ کے مشاعرے کا حال پڑھا ہوگا۔ یہ مشاعرہ ہو بہو اورنگ‌آباد کالج کے سالانہ جلسے میں شب کے وقت اُسی شان سے کیا گیا جو اُس زمانے کی تہذیب اور وضعداری کے شایاں تھی۔ جن حضرات کو اِس عجیب و غریب تاریخی مشاعرے کی نقل مطابق اصل کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، اُن کے لطف خاطر کے لئے ہم نے مشاعرے کا فوٹو لے کر یہ بلاک بنوایا ہے۔ اس میں خاص طور پر یہ اهتمام کیا گیا تھا کہ ہر چیز اُسی زمانے کی ہو اور ہر شاعر اُسی حلیے اور لباس اور وضع قطع میں آے جو اصل میں تھی —



دہلی کا تاریخی مشاعرہ ۱۲۶۱ھ جو اورنگ آباد کالج کے
سالانہ جشن میں ہو بہو کیا گیا



برق (فضل الدین) تشنہ (غلام صمدانی) سالک (نذر علی درد) عارف (داج الدین) صہبائی (غلام ربانی) شیفتہ (محمد علی) آزردہ (منظور محمد)
مومن (نور الدین) غالب (عصمت اللہ) مرزا فخرو میر مشاعرہ (حافظ ساجد علی) ذوق (غلام طیب) داغ (شرف الحق) احسان
(غلام جیلانی) صابر (خجستہ اختر) ظہیر (نعمت علیخان) حیا (بشیر احمد) رسا (سید محمد) حضور (سید معظم) آزاد (حبیب احمد) نازنین
(عابد حسین بیگم) تصویر (عبد الرزاق) رقم (مقصود علی)

قدیم اُردو

بیجا پور کے اولیاءاللہ کا ایک شاعر خاندان

۳ - حضرت شاہ امین الدین اعلیٰ

(از اڈیٹر)

آپ شاہ برہان الدین جانم کے فرزند ہیں اور اپنے والد کی وفات کے بعد تولد ہوے - مادر زاد ولی سمجھے جاتے تھے اور اِن کی کرامات کے تذکرے کتابوں میں بہت پاے جاتے ہیں جو ہماری بحث سے خارج ہیں - اس پر سب تذکرہ نویسوں کو اتفاق ہے کہ یہ ولیٔ کامل اور مجذوب واصل تھے - اور با وجود جذب کمال اور محویت کے معارف و اسرار کی تلقین فرماتے تھے —

ارکان شرعی اور صوم و صلوٰۃ کے پابند نہ تھے - لکھا ہے کہ سید محمد بخاری جو اس زمانے کے بڑے عالم اور جامع شریعت و طریقت تھے، جب انھیں یہ اطلاع ملی تو وہ چند اور عالموں اور بزرگوں کے ساتھہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوے اور کہا کہ بزرگان دین باوجود شہود و استغراق اور محویت کے ارکانِ شرع کو ترک نہیں کرتے تھے، آپ کا یہ فعل مناسب اہل طریقت اور شایان اداب شریعت نہیں ہے - آپ نے یہ سنکر اپنے ایک خلیفہ کو شاہ پور کے تالاب کے وسط میں (جو اُس زمانے میں پانی سے لبریز رہتا تھا) مصلّیٰ بچھانے کے لئے فرمایا - اس نے حکم کی تعمیل کی اور آپ نے وہاں جاکر دوگانہ ادا کیا - سب علما حیران رہ گئے اور چپ چاپ چلے گئے - بعض نے اس روایت کو کسی قدر اختلاف سے بیان کیا ہے - لکھا ہے کہ ایک روز بیجاپور کے علما سکندر شاہ ثانی کی خدمت میں حاضر ہوے اور اس معاملے میں اس سے مدد کی درخواست کی - اس نے

یہ حکم جاری کیا کہ یا تو شاہ صاحب نماز پڑھیں ورنہ شرع کا حکم اُن پر جاری ہوگا - خادموں نے اس کی اطلاع حضرت کو ندی - اس کے بعد بادشاہ کا حکم ہوا کہ خادموں کو مجلس میں آنے کی اجازت ندی جاے اور شہر کے دکاندار کوئی چیز ان کو ندیں - آخر خادموں نے عاجز آکر عرض کی - فرمایا ' کل سے احکام شرع کی اتباع کروں گا ۔ سب تالاب کے کنارے حاضر رہیں - چنانچہ دوسرے روز بادشاہ اور تمام علما تالاب کے کنارے حاضر ہوے - آپ نے تالاب پر مصلی بچھانے کا حکم دیا - پھر آپ نے سب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جو صاحب میرے امام ہوں وہ تشریف لائیں - کسی نے جواب ندیا - آخر آپ نے تنہا دوگانہ ادا فرمایا —

آپ کے خلیفہ بہت سے ہوے ہیں - ان میں شاہ میراں جی سید حسن خدا نما (حیدر آبادی '' سیدخداوند خدانما , چچولی والے) اور قادر لنگا انکل کوتال (شاہ عبدالقادر لنگ دند , زیادہ مشہور ہیں —

وفات ۲۴- رمضان سنہ ۱۰۸۶ھ میں ہوی - مادۂ تاریخ ختم ولی ہوا ہے - اور ایک شاعر نے بھی تاریخ کہی ہے - مادۂ تاریخ کا شعر یہ ہے —

تاریخ در اسم و خطاب از ہاتفم آمد ندا
شاہ امین‌الدین علی فرد قطب‌الاولیا

دوسرے مصرعے سے تاریخ نکلتی ہے - تذکرۂ اولیاے دکن میں جو تاریخ وفات سنہ ۱۱۱۶ ہجری اور مادہ تاریخ ختم‌الولی (سنہ ۱۱۱۷ھ) لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے —

دکنی اُردو میں ان کا کلام کثرت سے ہے۔ جس کا ذکر اِن اوراق میں کیا جاتا ہے —

اِن کا جس قدر کلام مجھے ملا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے —

۱-قصیدہ درمدح حضرت شاہ برہان- نمونے کے لئے اس کے چند شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں - قصیدے کے عنوان میں یہ شعر ہے —

برہان بن میراں اُپر تن کفش جان صدقے کروں
احساں مقابل بھی نہیں منج تھا جے کچھ آگل دھروں

برہان حجت نام ہے ' در دین پیش اقدام ہے
اسرار حق با نام ہے ' برہان بن میراں اُپر
اکمل ولایت تج عطا ' ثابت ثبوت نافی خطا
جزعین حق دیگر فہ تھا ' برہان بن میران اُپر
علم لدن مقدور تج ' نکتے خفی مکشوف تج
اشکال مشکل حل تج ' برہان بن میراں اُپر

آخری شعر یہ ہے :—

آکھیں امیں خادم کہیں ' دم دم سرن کل برزمیں
مقبول ہو گفتار امیں ' برہان بن میراں اُپر

۲— کتاب محب نامہ (یا محبت نامہ) یہ نظم بھی قصیدے کے طرز میں ہے مگر عاشقانہ رنگ میں ہے - بعض اشعار ملاحظہ ہوں - قافیہ تو ایک ہی ہے لیکن ردیف کی پروا نہیں کی جو زبان سے نکل گیا وہی لکھ دیا —

تھرین نین تیرے ساحر ہوئے ہمون کوں
گمراہ کر بھلاوے قوس قزح بھون کوں
پیچوں بھریاں زلف تج موجوں تبے بحر سوں
ہر لہر پُر کرشمہ عشاق کے ربجن کوں
راہ صراط پُل جوں سر مانگ جو چھپی ہے
کاہکشاں سما پر محب بلا و نے کوں
سیما عرش علامت کُرسی مُکٹ سہاوے
روشن شمع منور پروانے جالنے کوں

دند ان مثال بجلیاں رخشاں کلام کرتیں
زہرہ دھرے نہ دیدہ خوبیں نجھاونے کوں
چاہ زنخ کا تیرا مانند حوض کوثر
مقتول ہیں جو تیرے انکار نے غسل کوں

اسی طرح سراپا بیاں کرنے کے بعد فرماتے ہیں—

تیرے قدم مبارک سوں سب ظہور جلوہ
قصد قدم کیا جب اول توں آونے کوں
فیضوں قدم کے تیرے پر نور ہر جہالت
اے صاحب جہالہ یہ فیض تج قدم کوں
چرخ فلک کواکب گرداں ہیں تج خدامت
ملزوم کرلئے ہیں سجدے ترے قدم کوں

آخر شعر یہ ہے :—

آکھیں امیں جے کچ اپنے قدر قیاسوں
بے باک باکہ سبتی بخشندہ ہے تو ہم کوں

۳- رمزالسالکیں یا رموزالسالکیں —

اس نظم میں وحدۃ اور نور و روح اور دل و نفس پر بحث کی ہے - ابتدا یوں کی ہے —

الله پاک منزہ ذات : اسوں صفتاں قایم سات
علم، ارادت، قدرت، بار : سنتا، دیکھتا، بولنہار
ہے صفت یہ جاں حیات : اس کوں ناہیں کد ممات
ایساں صفتاں سوں ہے ذات : جونکے چند ناچاند سنگھات

اس طرح وحدۃالوجود، فراق و وصال، فنا و بقا وغیرہ کے مسائل بیان کرتے چلے گئے ہیں - اسی ضمن میں ادنیٰ اور اعلیٰ عاشق اور نبوت اور ولایت کا فرق

یوں بیان کرتے ھیں :—

ادنیٰ عاشق اعلیٰ بوج ؛ یہ دو مقصود آکھوں تج

عاشق ادنیٰ جوں پتنگ ؛ اعلیٰ موم بتی کا رنگ

جوں پتنگا دیکھہ پڑتانا ؛ آپ جل کر ھوے فنا

ولے ولایت جوں پتنگ ؛ موم بتی یہ نبوت رنگ

یہ سب بوجھے اس کا سوز ؛ بوجھے مجاس شب اور روز

آخر تو ھے فنا نہات * ؛ اِس کی اُس کی یکھی بات

پتنگ دیوانا جلنے تھی ؛ نا سد جانے ملنے کی

قوی ولایت اُس کی ھوے ؛ جے تابع نبی برتے کوے

آخر کے اشعار یہ ھیں۔ اس میں کتاب کا نام اور اپنا تخلص دونوں آگئے ھیں۔

فاؤ رموز السالکیں ؛ سالک پھر دیکھہ لاؤ یقین

واصل سنکر ھوے فدا ؛ عاشق خود تھی ھوے جدا

عارف جے ھیں باعرفاں ؛ حیرت میں ڈوب ھوے حیراں

طالب سن کر اُنلا شوق ؛ اُمید راکھے حق کے ذوق

جسکوں اللہ دیوے راہ ؛ اسکوں دیوے سب سمجاہ +

بندا لوڑے اُمید وار ؛ حق کی درگاہ دیکھہ بچار

در اُمید میں پکڑیا تھاؤں ؛ ھردم جپیں اس کا ناؤں

حق کی راہ میں پکڑ یقیں ؛ کیوں فا اس کوں ھوے امیں

تمت اس تھی کیا تمام

حق تھی بولیا حق کلام

۴۔ ایک نظم وجود یہ ھے - جس میں روح اور وحدۃالوجود اور دیگر مسائل کا ذکر ھے بیچ میں کہیں کہیں بعض اشعار کی تشریح فارسی نثر میں کی ھے - اس کے

* نہایت   + سمجھا

چند اشعار یہ ہیں —

نفس کا دوڑ ناہی دستھار　　یو تو آ ہے نفس بیچار

نفس کو لیاؤ تو دھکے جاگا　　لائیں ذکر نہیں تو جاوے بھاگا

روح کو سہج من راکھیں رے　　ہور تلتل پیو کوں مانگیں رے

عقل ہوش دل کر رکھوال　　جے محبت نا تلے کس حال

روح کوں پادشاہ جان　　عقل روح کی ہے پر دھان

۵- ان کے علاوہ اور نظمیں بھی اسی مضمون کی ہیں، جن کی تفصیل غیر ضروری ہے —

اس قسم کی نظموں کے سوا دھرے بھی بہت سے ہیں- اور ہر دھرے کے ساتھ اس کی راگنی بھی لکھ دی ہے - اس سے ان کی موسیقی معلوم ہوتا ہے - یہ اس خاندان کی خاص صفت ہے - مثال کے طور پر ایک دھرا نقل کیا جاتا ہے —

مرنا ہار، جیونا بسار، جیونا ہار، مرنا بسار

سودہ سوریجن کی دیکھ بچار

لال سوریجن دیکھوں پاوے　　آپس میں دیکھ آپ گنواوے

من رانی حضرت قول بھاوے

لالن کی صورت ایہا نہ پاوے　　سب سوں بن سب سہج اُوگاوے

روپ اروپ چیتک سہاوے

جانم حال سوز بھراوے　　حق کے تواوں حق دولاوے

آکھے شاہ امین علی گیان ہراوے

بعض دھروں میں عربی الفاظ کثرت سے ہیں - مثلاً ـ

نبی پرکٹ ذات ظہور ہے　　معشوق حق اللہ نورعلی نور ہے

حقیقت حقائق ذات کہاں ہے　　صورت معنی ذوالجلال ہے

درود نبی پر شب معراج ہے ساری اُمتیوں نت جم کاج ہے
سبھوں پرشاھد ذات رحمان ہے آکھیں علی امین الدین گنج لسان ہے

لیکن ایسے دھرے کم ھیں —

۲- ایک بات نئی ان کے کلام میں یہ پائی جاتی ھے کہ بخلاف اپنے والد کے اُنھوں نے ریختے میں غزلیں بھی کہی ھیں - ایک غزل تو بالکل اُس زبان میں ھے جسے ابتدا میں ریختہ کہتے تھے' یعنی آدھا مصرع فارسی اور آدھا ھندی - چنانچہ ایک غزل کے ' جس کے عنوان پر خیال ریختہ لکھا ھے ' چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ھیں —

ضمیرم زار کاں دل یار منجسوں بات کرتا نہیں
بہ بینم راہ اے شہنشاہ یک تل آکے جاتا نہیں
نباشم جز تو اے رعنا منجے کی جالتا را جے
دلم پر خوں جگر فاسد تبھی تج مہر آتا نہیں
ز دستم رفت عناں صبر رھیا نا ھوش منج میرا
بیا اے ماہ ظلماتم دھرک دلکوں کی دیتا نہیں
چرا ایں قدر مستغنی ھوا تو منجھتے اے پیارے
ایا وقت کدام آید کہ منج تج بیچ پردا نہیں
محض فریاد می دارم کہ تج سنگ میل اچھنے کوں
امیں گوید بیاں ھجر بن ساتی نیارا نہیں

ایک دوسری غزل اور بھی ھے ' لیکن اس میں ریختے کی یہ ابتدائی شان نہیں پائی جاتی ؛ یعنی اس میں آدھی فارسی آدھی ھندی نہیں ھے - ردیف اس کی امین ھے مگر قافیے کی پوری پابندی نہیں کی - کہیں " کاجیں " ھے تو

کہیں " توں " ، کہیں " پرکار " ھے اور کہیں "باریک" وغیرہ۔ یا تو شاہ صاحب نے قافیہ بالکل اُڑا دیا ھے یا یہ ھے کہ کاتبوں نے ایک ھی بحر کی مختلف غزلوں کو ملا جلا دیا ھے - اس غزل کے بھی چندشعر نقل کئے جاتے ھیں —

(مطلع) دل بحر میں غواص ھو روح صدت کے کاجیں امیں
بے باہ در تس صدت میں نور جاں توں سمجیں امیں
گُر گیاں کے عرفان سوں سنبھال سینے چیر کر
موتی مزین ھات لیہ عرفان انگوں پر کار امیں
اس ذوق کی تمثیل کوں کس موکھہ سوں کیا کر کہوں
ناھر کسی زھرا تہاں نا آؤ کدسکتا امیں
بیچار دو وسواس سب پردا اھے تج اوس میں
مرداں حق تِن نام ھے جن پیم اوس پیتھا امیں
تہت کیا یک غزل میں ابیات خامی پنج دہ
مفہوم کر ستار ھو نا عیب جو ھونا امیں

یہ پندرہ شعر کی غزل ھے، چنانچہ آخر شعر میں اس کا اظہار بھی کردیا ھے—

۷- شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ھیں - ایک چھوٹا رسالہ گفتار حضرت شاہ امین کے نام سے ھے جس میں تصوت کے بعض مسائل اور بعض اصطلاحات کی تشریح کی ھے - ایک دوسرا مختصر رسالہ گنج مخفی نام ھے اُس میں شاھد و شہود کی بحث ھے - نمونے کے لئے چند سطریں نقل کی جاتی ھیں —

الله تعالیٰ گنج مخفی کو عیاں کرنے چاھا تو اول اُس میں سوں یک نظر نکلی ، سو اُس سے امین دیکھہ ھوا ، امین شاھد کہتے ھیں یو دونوں ذات کے دو طور ھیں - ذات نے اپس کو دیکھا ، اُسے نظر کہتے ھیں - دیکھہ کر گواھی دیا تو اُسے شاھد کہتے ھیں- یہ تینوں مرتبے ذات کے ھیں —

حضرت شاہ امین کی زبان اپنے دادا شمس العشاق میرانجی اور اپنے والد شاہ برہان سے کسی قدر سادہ ہے - زبان کی خصوصیات وہی ہیں جو شاہ برہان کے ذکر میں اس سے پہلے بیان ہوچکی ہیں اور یہاں ان کی صراحت کی ضرورت نہیں۔ ان کے خاندان میں تالیف وتصنیف اور شاعری مدت تک قایم رہی اور ان کے بعض مرید بھی مؤلف اور شاعر ہوے ہیں - ان کا مختصر سا ذکر آیندہ کسی وقت کیا جائے گا۔



اساتذہ کی اصلاحیں

از

(جناب صفدر مرزا پوری صاحب)

——(منشی حیات بخش 'رسا' مرحوم)——

حضور احمد، حضور' مرادآبادی۔—

حضور اک دل ہے بتاؤ تو کس کس کو دوں صاحب
شوخی کو کرشمہ کو شرارت کو حیا کو

اصلاح: اک دل ہے مرے پاس بتاؤ تو کسے دوں
شوخی کو کرشمہ کو شرارت کو حیا کو

پہلا مصرع ترمیم کر کے لفظ "صاحب" پر یہ لکھدیا کہ متروک ہے —

حضور: واللہ حسینوں کی عجب داد ستد ہے
یہ گالیاں دے دے کے بھی لیتے ہیں دعا کو

اصلاح: واللہ حسینوں کی عجب داد ستد ہے
دشنام یہ دیتے ہیں تو لیتے ہیں دعا کو

اس اصلاح سے مصرعۂ ثانی کسی قدر صاف ہوگیا اور تقابل بھی ٹھیک رہا مگر میرے خیال میں "دعائیں لینا" محاورہ ہے۔ دعا کو لینا درست نہیں۔ جناب 'رسا' سے غالباً چوک ہوگئی—

حضور: کہتے ہیں کہ مرا ہے 'حضور' جگر افگار
جس وقت کہ سن لیتے ہیں نالوں کی صدا کو

اصلاح: کہتے ہیں کہ وہی ہے یہ 'حضور' جگر افگار
جس وقت کہ سن لیتے ہیں نالوں کی صدا کو

ظاہر ہے کہ اس تصرف سے پہلا مصرع کس قدر صاف ہوگیا —

حضور: جب سے سنا ہے گھر میں وہ پردہ نشیں نہیں
واللہ دم میں دم مرے اے ہمنشیں نہیں

اصلاح: جب سے سنا ہے گھر میں وہ زہرہ جبیں نہیں
واللہ دم میں دم مرے اے ہمنشیں نہیں

پہلے مصرع میں بجائے " پردہ نشیں " کے " زہرہ جبیں " بنایا اور یہ نوٹ لکھا " کہ اس مطلع میں صاف ایطا ہے۔ تعجب ہے کہ آپ نے خیال نہ فرمایا۔ کیا آپ اس مسئلہ کو ابھی سمجھے نہیں "—

حضور: رہ رہ کے تو مچلتی ہے کیوں ہجر یار میں
یہ ڈھنگ ترے کام کے جان حزیں نہیں

اصلاح: جاتی ہے ہجر یار میں تو مجکو چھوڑ کر
یہ ڈھنگ ترے کام کے جان حزیں نہیں

اصلاح کے بعد یہ نوٹ لکھا ہے - "حافظ صاحب جان کا مچلنا مجھے کچھہ پسند نہیں آیا"۔ اصلاحی مصرع سے شعر کسقدر بلند ہوگیا۔ اُستادانہ اصلاح ہے —

حضور: کیا جانو ابھی درد محبت کا مزا تم
جب آپ کا دل آے کسی پر تو خبر ہو

اصلاح: کیا جانیں ابھی آپ محبت کے مزے کو
جب آپ کا دل آے کسی پر تو خبر ہو

اصلاح کے بعد یہ نوٹ لکھا " پہلے مصرع میں تم اور دوسرے مصرع میں آپ

یہ شتر گربہ ہے اس لئے مصرعہ اولیٰ درست کیا گیا "—

حضور: برباد ہوے جس کی محبت میں ہم اُس نے
ہر گز یہ نہ پوچھا کبھی کیوں خاک بسر ہو

اصلاح: بر باد ہوے جس کی محبت میں ہم اُس نے
یہ بھی تو نہ پوچھا کیوں خاک بسر ہو

دوسرے مصرع کی ترمیم سے شعر میں لطف زبان کے علاوہ روانی و سلاست پیدا ہوگئی —

حضور پریوں کے بھی ہوش اُڑتے ہیں بس دیکھ کے جس کو
وہ تم اس عالم کے حسینوں میں بشر ہو

اصلاح پریوں کے بھی ہوش اُڑتے ہیں دیدار سے جن کے
عالم کے حسینوں میں نہیں تو وہ بشر ہو

دونوں مصرعوں کو درست کیا اور یہ نوٹ لکھا کہ " دوسرے مصرع میں " عالم " کا عین گرتا تھا اور پہلے مصرع میں " بس " کا لفظ زاید تھا " اصلاح سے دونوں عیب رفع ہوگئے —

حضور: مضطرب ہوکے گیا ہے کوئی اغیار کے گھر
ایک نقش کف پا سے یہ پتا چلتا ہے

اصلاح: مضطرب ہو کے گیا ہے کوئی گھر دشمن کے
ایک نقش کف پا سے یہ پتا چلتا ہے

اول مصرع میں "اغیار کے گھر" کاٹ کر "گھر دشمن کے" بنا یا اور یہ نوٹ لکھدیا " اغیار کا گھر ٹھیک نہ تھا اس لئے درستی کی گئی —

حضور: دل کی اُس وقت کی پھڑکن کا نہ پوچھو احوال
کوئی بچھڑا ہوا ارمان جو آملتا ہے

اصلاح: دل کے اُس وقت پھڑکنے کا نہ پوچھو عالم
کوئی بچھڑا ہوا ارمان جو آملتا ہے

پہلے مصرع میں " پھڑکن " کے بجاے پھڑکنے بنایا - کیونکہ پھڑکن کوئی چیز نہیں ھے اور بجاے " احوال " کے "عالم" کا لفظ لکھدیا - کیونکہ "احوال" کو فصحاے متاخرین نے متروک کردیا ھے —

حضور: سیہ قسمت تھا میں ایسا کہ ھاے سوگ میں میرے
حسینوں نے بھی تو اپنے کئے ھیں پیرھن کالے

اصلاح. سیہ قسمت تھا میں ایسا کہ میرے سوگ اور غم میں
حسینوں نے بھی تو اپنے کئے ھیں پیرھن کالے

اول مصرع کو ترمیم کرکے یہ نوٹ لکھا کہ " ھاے اتنا کھینچ کر غیر فصیح سا تھا " مؤلف کہتا ھے کہ حقیقت میں غیر فصیح بلکہ نا جایز ھے —

حضور: بچو اس آہ عالم سوز سے جلدی بچو ورنہ
یہی وہ کہ جس نے کر دئیے ھیں بن کے بن کالے

اصلاح: نہ پوچھو مجھ سے مری آہ عالم سوز کا عالم
یہی وہ کہ جس نے کردئیے ھیں بن کے بن کالے

پہلا مصرع کچھہ اُلجھا ھوا سا تھا اور اس " عالم سوز " سے یہ بھی نہ پتا چلتا تھا کہ اس سے اشارہ کس طرف ھے - مگر اصلاح میں " مری آہ عالم سوز " نے اس نقص کو رفع کرکے لطف زبان پیدا کردیا —

حضور: اب تو میں ھوں مبتلا جب تو کسی کو چاھے گا
تیری حالت بھی یونہی نوع دگر ھو جائے گی

اصلاح: " تیرا دل بھی مبتلا ھوگا اگر مری طرح
تیری حالت بھی یونھی نوع دگر ھوجائے گی

پہلے مصرع میں "چاھیگا" پوری طرح ادا نہیں ھوتا تھا اس لئے مصرع ترمیم کرکے اس سقم کو اُستاد نے نکال دیا —

حضور: بولے عابد کیا بتائیں کون ھیں ھم اے یزید
دل دکھے۔ لوٹتے ھوے۔ بچھڑے ھوے۔ چھوٹتے ھوے

اصلاح: بولے عابد کیا بتائیں کون ھیں ھم اے یزید
دل شکستہ۔ غمزدہ۔ بچھڑے ھوے۔ چھوٹتے ھوے

دوسرے مصرع میں " دل دکھے لوٹتے ھوے " کی جگہ دل شکستہ غمزدہ بنایا اور یہ نوٹ درج کیا ھے (" دکھے ") ایسے الفاظ بلا تشدید کہنا غیر فصیح ھے۔ دوسرے آپ نے لکھا ھے " لوٹتے ھوے " بجاے اس کے لٹتے ھوے چاھئے تھا، اس لئے ترمیم کی ضرورت ھوئی۔ ایسے الفاظ عندالضرورت بلا تشدید سنتا تو نہیں مگر جب ھی کہ شعر ھاتھ سے جاتا ھو —

نوٹ مؤلف :- ممکن ھے دھلی میں مشدد بولنا ھی فصیح ھو۔ مگر لکھنؤ میں بلا تشدید ھی فصیح ھے اور تمام شعرا کہتے ھیں۔ مثال میں ایک شعر بھی حضرت جلیل جانشین 'امیر' مینائی کا ھم لکھے دیتے ھیں —

درد مندان محبت کو دوا سے کیا غرض
اے مسیحا درد کا دل ھم دکھا سکتے نہیں

حضور : دل میں اُلفت کسی کی نہ کسی کا ھے فراق
ھم بڑے چین سے اب زیر زمیں سوتے ھیں

اصلاح : دل میں اُلفت کسی کی نہ ھمیں رنج فراق
چین سے بعد فنا اب زیر زمیں سوتے ھیں

دونوں مصرعوں کی ترمیم سے شعر میں صفائی پیدا ھوگئی —

حضور: دیکھ برباد نہ کر خانۂ دل کو ظالم
تیر آتے ھیں جو تیرے وہ یہیں رھتے ھیں

اصلاح: دیکھ برباد نہ کر خانۂ دل کو ظالم
جتنے ارمان ھیں تیرے وہ یہیں رھتے ھیں

دوسرے مصرع کی ترمیم سے شعر میں اور ترقی ہوگئی —

حضور: وہ کون ہے جسے مرے مرنے کا غم نہیں
لیکن قسم خدا کی تمہیں کچھہ الم نہیں

یہ نوٹ لکھکر شعر کو قلم زد کردیا " اس میں ایطا کا شبہ ہے غم و الم ایک ہی معنی رکھتا ہے " —

مؤلف - شبہ نہیں درحقیقت ایطا ہے —

حضور: دست دعا اُٹھے ہوے دیکھا تو یہ کہا
تو نامراد ہے تری قسمت میں ہم نہیں

اصلاح : اُٹھے جو مرے دست دعا ہنس کے یوں کہا
تو نامراد ہے تری قسمت میں ہم نہیں

اصلاح سے پہلے مصرے میں لطف زبان پیدا ہوگیا —

حضور: اللہ ! ناتوانی سے کیا حال ہوگیا
ہم اُٹھہ کے بیٹھہ جائیں اب اتنا بھی دم نہیں

لایق شاگرد نے پہلے مصرع پر یہ نوٹ لکھدیا ہے کہ مصرعۂ اولی میں لفظ " ناتوانی " کی (ی) دبتی ہے جس طرح رائے عالی ہو - قابل اُستاد نے لکھا ہے کہ رائے کو کیا دخل ہے فارسی کی (ی) گرانا دبانا ہرگز جایز نہیں ہے —

نوٹ مولف: شعرا کا اُصول ہے کہ فارسی کی (ی) اگر کسی ترکیب کے ساتھہ وابستہ ہو تو اُس کو گرانا جایز نہیں رکھتے - جیسے - جشن شاہی - غم و شادی وغیرہ - لیکن مفرد لفظ کی (ی) گرنا جایز رکھا ہے - سب سے پہلے ہم حضرت 'داغ' اُستاد جناب 'رسا' کا شعر پیش کرتے ہیں اس کے بعد اور اساتذہ کے اشعار بھی لکھے دیتے ہیں —

داغ : وہ بت کرے خدائی کی باتیں خدا کی شان
جو حرف پڑہ سکے نہ کلام مجید کا

قاسم : صبح فراق میں ہوئی قدر شب وصال
آیا ہے یاد پیری میں عالم شباب کا

ذوق : عجب نہیں ہے کہ آرایش زمانے سے
حنائی بیچتے ہوں تاک و چنار و بید انجیر

رند: اُجاڑا موسم گُل ہی میں آشیاں میرا
الہی ٹوٹ پڑے تجھہ پہ آسماں صیاد

جلال: وہ تم کو وصل میں کیا رونمائی میں دیتا
کہ جس کے دل سے اک ارماں تک نکل نہ سکا

اس نازک فرق کو ارباب نظر ہی خوب سمجھہ سکتے ہیں —

حضور . اب ظلم سے بھی ہاتھہ اُنھوں نے اُٹھا لیا
اللہ اُن کے جور کے قابل بھی ہم نہیں

اصلاح : اب تو اُنھوں نے ظلم سے بھی ہاتھہ اُٹھا لیا
اللہ اُن کے جور کے قابل بھی ہم نہیں

اُستاد نے اصلاح تو دی مگر غالب کے مشہور مصرع سے توارد ہوگیا . یہ شعر زبانوں پر ہے —

غالب: اب ستم سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

حضور. الزام سخت جانی کا مجھہ پر نہ لگا
ظالم اُسے تو دیکھہ کہ خنجر میں دم نہیں

اصلاح: کیوں سخت جاں کہتا ہے مجھہ نیم جان کو
ظالم اُسے تو دیکھہ کہ خنجر میں دم نہیں

یہ نوٹ لکھکر اُستاد نے پہلا مصرع بدلا - " جانی " کی (ی) دبتی تھی' مگر بےھنرمؤلف‌صفدر کو اس مصرع پر دو اعتراض ہیں کہ اول تو نیم جان اور سخت‌جان

میں اعلان نون درست نہیں کیونکہ یہ فارسی ترکیب سے اسم فاعل سماعی مرکب ہیں - دوسرے (ی) کا گرانا اس محل پر ناجایز نہیں جس کی مثالیں پیشتر ہم لکھہ چکے ہیں —

حضور: آج میخانے میں ہیں واعظ سالوس اُترے
دختر رز پہ طبعیت تو نہیں آئی ہے

اصلاح: روز میخانے میں واعظ کے قدم آے ہیں
دختر رز پہ طبعیت تو نہیں آئی ہے

پہلا مصرع کتنا نفیس بنایا گیا کہ شعر سحر سامری کا چلتا ہوا جادو بن گیا- اصل مصرعہ میں لفظ " سالوس " جس کے معنی مکار و فریبی کے ہیں غیر مانوس ہے- دوسرے " اترے " بے محل تھا —

حضور: اپنے کشتے ہی کو جب کر نہیں سکتا زندہ
کس مرض کی یہ دوا تیری مسیحائی ہے

اصلاح: تجھہ سے جب ترا ہی کشتہ نہیں ہوتا زندہ
کس مرض کی یہ دوا تیری مسیحائی ہے

لفظوں کے اُلٹ پھیر سے مصرع میں صفائی پیدا ہوگئی—

حضور: نگۂ ناز میں شوخی ہے قیامت کی بھری
جو ادا پائی ہے کافر نے غضب پائی ہے

اصلاح: نگۂ ناز کی شوخی نے مٹایا دل کو
جو ادا پائی ہے کافر نے غضب پائی ہے

اصلاح سے پہلا مصرع اور شوخ ہوگیا اور تعقید کا عیب بھی رفع ہوگیا —

حضور: جدھر دیکھو اُدھر اک شر برپا ہے دھائی سے
لڑائی سی لڑائی تم نے باندھی ہے خدائی سے

اصلاح: جدھر دیکھو ادھر اک حشر برپا ہے زمانے میں
لڑائی سی لڑائی تم نے باندھی ہے خدائی سے

اول مصرع میں " دھائی سے " یہ ٹکڑا حشو تھا اس کے بجائے " زمانے میں " بنادیا اور ایک مصرع بھی مطلع کے مصرع پر لکھدیا وہ یہ ہے —

گلا ہر اک کے لب پر ہے تمہاری کج ادائی کا

حضور: میں کیونکر کرنے بیٹھوں تم سے دشمن کے گلے شکوے
مجھے کیا کام دنیا کی بھلائی اور برائی سے

اصلاح بھلا میں اور گلہ تم سے عدو کی بے وفائی کا
مجھے کیا کام دنیا کی بھلائی اور برائی سے

" میں کیونکر کرنے بیٹھوں " اس پر لکھا ہے کہ یہ مذموم فقرے ہیں۔ غزل پر ایک نوٹ بھی ہے وہ بھی لکھا جاتا ہے —

حافظ صاحب ۔ تسلیم ۔ آپ کی دونوں غزلیں بھیجتا ہوں (میں کیونکر کرنے بیٹھوں) اس میں ایسا ذم کا پہلو ہے کہ اس کو وہ لوگ جو فصاحت کو مدنظر رکھکر دنیا کو اپنے اوپر ہنسواتے ہیں لکھا کرتے ہیں ۔ آپ کا یا آپ کے خاندان والوں کا یہ کام نہیں ہے ۔ خصوصاً آپ ایسے فصیح و لایق شاعر کا ۔ اُمید ہے کہ میں آیندہ آپ کے اشعار میں ایسی باتیں نہ دیکھوں گا ۔ " ساقیا " کی بابت صرف یہ جواب ہے کہ میں ہر ایک شاگرد کی لیاقت و حیثیت کے موافق اصلاح و مشورہ دیتا ہوں۔ ابھی یہ باتیں اُن سے کہنے کی نہیں ہیں۔ رفتہ رفتہ میں اُن کو منع کر دوں گا۔ علاوہ ازیں دلا۔ زاھدا —

محمد سعید۔ 'سعید' تری تیغ نظر آکر جو سینے میں نہاں ہوتی
نہ کرتی دل کو وہ بسمل تو کیوں لب پر فغاں ہوتی

صلاح: جو وہ تیغ نظر آکر نہ سینے میں نہاں ہوتی
تو کیوں بسمل یہ دل ہوتا تو کیوں لب پر فغاں ہوتی

شاگرد کے خیالات کو اُستاد نے اپنے لفظوں میں ادا کر کے مطلع کو درست کر دیا —

سعید: شہید ناز کا مقتل میں مجکو مرتبہ ملتا
مری گردن پہ جو شمشیر تری مہرباں ہوتی

اصلاح: شہید ناز کا مقتل میں مجکو مرتبہ ملتا
جو گردن پر مری شمشیر تری مہرباں ہوتی

دوسرے مصرع میں تعقید کا عیب تھا۔ اُسے لفظوں کے اُلٹ پھیر سے اُستاد نے دور کردیا —

سعید: شکایت تھی کسی کی اور نہ پھر شکوہ مقدر کا
مجھے صحبت کبھی اُس کی جو اے پیر مغاں ہوتی

اصلاح: شکایت تھی کسی کی اور نہ پھر شکوہ مقدر کا
کبھی تیری نظر سیدھی جو اے پیر مغاں ہوتی

دوسرے مصرع میں " صحبت" میں ذم کا پہلو پیدا ہوتا تھا اس لئے " کبھی تری نظر سیدھی " بنایا —

سعید: جان تک ہم نے تو تج دی عشق میں
اور کیا حالت ہو دیکھا چاہئے

اصلاح: جان تک ہم نے گنوادی عشق میں
اور کیا حالت ہو دیکھا چاہئے

پہلے مصرع میں " تج دی " سے " گنوادی " زیادہ فصیح ہے —

سعید: شیخ پھر میکدے میں گھس آیا
اُس پہ کہنے کا کچھ اثر ہی نہیں

اصلاح: شیخ پھر میکدے میں آ پہنچا
اُس پہ کہنے کا کچھ اثر ہی نہیں

پہلے مصرع میں " گھس آیا " یہ ٹکڑا مذموم تھا - اس لئے آپہلچھا بنا کر شعر سے اس عیب کو نکالا*—

———(سید بندہ کاظم 'جاوید' لکھنوی مرحوم)———

سید مجاور حسین عرف مجن صاحب 'تھنا' جانشین 'جاوید' مرحوم —

تھنا : کوئی ظاہر نہ کسی پر ہوا مرنے کا سبب
تیرا بیمار کچھہ اس طرح سے خاموش رہا

اصلاح: کبھی ظاہر نہ کسی پر ہوا مرنے کا سبب
تیرا بیمار کچھہ اس طرح سے خاموش رہا

پہلے مصرع میں بجائے "کوئی" کے " کبھی " بنادیا - جس سے بیماری کا طولانی ہونا بھی ثابت ہوگیا - اور وضاحت بھی ہوگئی —

تھنا : پوچھہ لیں دن سے مرا احوال مجھہ سے چارہ گر
شب ہوئی اور پھر وہی درد جگر ہونے لگا

اصلاح: پوچھنا ہو جس کو مرا حال دن سے پوچھہ لے
شب ہوئی اور پھر وہی درد جگر ہونے لگا

پہلے مصرع میں چارہ گر کی تخصیص اچھی نہ تھی- دوسرے لفظ " احوال " غیر فصیح تھا - جسے فصحاے متاخرین نے متروک کردیا ہے- اصلاح سے شعر میں صفائی ہی نہیں پیدا ہوئی بلکہ معنی میں بڑی ترقی ہوگئی- اُستادانہ اصلاح ہے —

تھنا : غش جو آیا ہے تو پھر دامن ہلا دو ایک بار
اور کیا لینے دو دنیا کی ہوا بیمار کو

اصلاح: غش جو آیا ہے تو پھر دامن ہلادو ناز سے
کچھہ تو کھالینے دو دنیا کی ہوا بیمار کو

---

* یہ اصلاحیں حضرت 'مضطری' لکھنوی کے ذریعہ سے مجھے کب ملیں تھیں کہ جب پہلا حصہ زیور طبع سے آراستہ ہوکر بازار ادب میں آچکا تھا - اب دوسرے حصے میں شکریہ کے ساتھہ درج کی جاتی ہیں —

مصرع اولیٰ میں " ایک بار " کچھه نه تھا اس لئے بجاے اُس کے " ناز سے" بنایا - اور مصرعۂ ثانی میں بجاے " اور " کے " کچھه تو " کا ٹکڑا کتنا پیارا اور با محل رکھدیا - جس سے زبان کا لطف اور بڑہ گیا —

تھنا : کس‌قدر جلدی مریض ھجر کا نکلا ھے دم
ھچکیاں دوچار آکر رہ گئیں بیمار کو

اصلاح . واہ کیا جلدی مریض ھجر کا نکلا ھے دم
ھچکیاں دوچار آکر رہ گئیں بیمار کو

پہلے مصرع میں " کس قدر " کو قلم‌زد کر کے "واہ کیا" بنا کر شعر میں صفائی پیدا کردی —

تھنا : ھجر میں فصل بہاری کا مزا ملتا ھے
دل کے زخموں کا یہ اک بار ھرا ھوجانا

اصلاح : ھجر میں فصل بہاری کا مزا ملتا ھے
دل کے زخموں کا ھوا کھا کے ھرا ھوجانا

مصرعۂ ثانی میں بجاے " یہ اک بار " کے " ھوا کھا کے " بنایا - فصل بہاری کی رعایت سے " ھوا کھا کے " خوب بنایا —

تھنا دیکھنا ھے جو اِسے وسعت میدان جنوں
کشش دل سے بڑ ھی جاتی ھے ھمت مری

اصلاح : دیکھنا ھے جو اِسے سرحد میدان جنوں
وسعت دل سے بڑ ھی جاتی ھے ھمت مری

دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ بدلے گئے پہلے مصرع میں‌بجاے "وسعت" کے " سرحد " اور دوسرے مصرع میں بجاے "کشش" کے "وسعت" بناکر شعر میں صفائی پیدا کردی —

تمنا : پھر آرزو ہو موت کی اتنا نہ دے فشار
ہم اے زمیں ستائے ہوئے آسماں کے ہیں

اصلاح : پھر آرزو ہو زیست کی اتنا نہ دے فشار
ہم اے زمیں ستائے ہوئے آسماں کے ہیں

پہلے مصرع میں "موت" کا لفظ بے معنی تھا کیونکہ جو مرچکا ہے وہ کیا موت کی آرزو کریگا اس لئے "زیست" کا لفظ بنایا گیا —

تمنا : کیوں روؤ کیوں دکھاؤ مرے دل کو بار بار
رھنے بھی دو وھیں پہ جو ناوک جہاں کے ہیں

اصلاح : کیوں کھینچو کیوں دکھاؤ مرے دل کو بار بارھا
رھنے بھی دو وھیں پہ جو ناوک جہاں کے ہیں

پہلے مصرع میں " روؤ " کے بجائے " کھینچو " بنا دیا کیونکہ دل دکھانے کے لئے یہاں کھینچنے ھی کی ضرورت تھی —

تمنا : تھم تھم کے آرھے ہیں جو جھونکے نسیم کے
ٹوٹے ہوئے نفس یہ کسی سخت جاں کے ہیں

اصلاح : تھم تھم کے آج آئے ہیں جھونکے نسیم کے
اُکھڑے ہوئے نفس یہ کسی ناتواں کے ہیں

پہلے مصرع میں " جو جھونکے " غیر فصیح تھا ۔ کیونکہ دوجیم یکجا ہوگئے تھے اس لئے " آج آتے ہیں جھونکے " بنایا ۔ دوسرے مصرع میں "ٹوٹے ہوئے" سے 'نفس' کے لئے 'اُکھڑے ہوئے' خوب ہے ۔ "سخت جاں" کا ٹکڑا بھی بے محل تھا اس لئے " ناتواں " بنایا —

تمنا : اے جوش گریہ حشر تلک اب نہ ہو کمی
میں رو کے چپ ہوا تو وہ پھر مسکرا دیا

اصلاح : اے جوش گریہ حشر تلک اب نہ ہو کبھی
میں رو کے چپ ہوا تھا کہ وہ مسکرا دیا

مصرعۂ ثانی میں تو ترمیم کرکے شعر میں روانی و سلاست پیدا کردی مگر مصرعۂ اولیٰ میں " تلک " بدستور رہنے دیا - جسے فصحاے متاخرین نے باتفاق رائے متروک کردیا - مگر بعض اساتذہ اب تک " تلک " کو جائز رکھتے ہیں —

مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی : اثر کیا ہے یہ آخر کو سوز باطن نے
کہ ایک آبلہ ہے دل میں لاکھ چھالوں کا

اصلاح : غضب کی آگ لگائی ہے سوز باطن نے
کہ ایک آبلہ ہے دل میں لاکھ چھالوں کا

پہلے مصرع میں " اثر کیا ہے یہ آخر کو " یہ ٹکڑا زبان اور محاورے سے کسی قدر گرا ہوا تھا اس لئے اُستاد نے " غضب کی اگ لگائی ہے " بناکر شعر میں لطف زبان پیدا کر دیا —

محشر : اِدھر سے ہم تری محفل میں جانے والے تھے
کہ اُس طرف سے ترا حکم سد باب آیا

اصلاح : کیا تھا عزم کہ در کھولیں لوگ زنداں کا
کہ اُس طرف سے ترا حکم سد باب آیا

پہلے مصرع کی ترمیم سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہو گیا " سدباب " اس ٹکڑے کا ثبوت اب ہوا —

محشر : بہت سے غیر بھی آے تھے بے بلاے ہوئے
مجھی پہ بزم میں ہر پھر کے کیوں عتاب آیا

اصلاح : بہت سے غیر بھی آے تھے بے بلاے ہوئے
مجھی پہ بزم میں کیوں آپ کو عتاب آیا

دوسرے مصرعے کی ترمیم سے شعر میں صفائی اور لطف زبان پیدا ہوگیا —

معشر : بتاؤں کس لئے غیروں کو راز کی باتیں
ہر ایک پوچھتا ہے مجھ سے کیا جواب آیا

اصلاح : لکھا جو ہے خط شوق اُن کو تو یہ عالم ہے
ہر ایک پوچھتا ہے مجھ سے کیا جواب آیا

پہلا مصرع بدل دیا گیا - کیونکہ المعنی فی بطن الشاعر کا مصداق تھا - اور جب تک پہلے مصرع میں خط کا ذکر نہ کیا جاتا تب تک دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا نہ ہوتا —

معشر : میانِ کنجِ لحد تیرے دم پہ کیا گزری
ہزار بار پکارا نہ کچھ جواب آیا

اصلاح : وہ آکے قبر پہ کہتے ہیں نیند ہے کیسی
ہزار بار پکارا نہ کچھ جواب آیا

پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو ربط نہ تھا اس لئے پہلا مصرع بدلا گیا اس اصلاح سے شعر میں جان آگئی —

معشر : اُسی کی یاد میں فرقت کی شب کٹی آخر
اُسی کو خواب میں دیکھا کبھی جو خواب آیا

اصلاح : اُسی کی یاد میں فرقت کی شب کٹی ساری
اُسی کو خواب میں دیکھا جو دن کو خواب آیا

پہلے مصرع میں بجائے " آخر " کے " ساری " بنایا - دوسرے مصرع میں " کبھی جو " اس ٹکڑے کو نکال کر " جو دن کو " بنایا - چونکہ پہلے مصرع میں شب کا ذکر ہے اس لئے دوسرے مصرع میں دن کی ضرورت تھی —

معشر : تمام رات وہ کل ساتھ غیر کے جاگے
تو میرے گھر میں سر شام ہی سے خواب آیا

اصلاح: تمام رات وہ کل ساتھہ غیر کے جاگے
جو آے گھر میں مرے سرشام ھی سے خواب آیا

پہلے مصرع کی مناسبت سے دوسرے مصرع کی ترمیم کی گئی - بالفرض پہلا مصرع یوں ھوتا " وہ ساری رات جو کل ساتھہ غیر کے جاگے" تو مصرعۂ ثانی میں ترمیم کی ضرورت نہ پڑتی —

محشر: غضب کی نیند یہ سوے ھیں رھروان عدم
کہ جاگتے ھی نہیں سر پہ آفتاب آیا

اصلاح غضب کی نیند یہ سوے ھیں خفتگان عدم
کہ جاگتے نہیں گو سر پہ آفتاب آیا

پہلے مصرع میں "رھروان عدم" سے " خفتگان عدم " یہ ٹکڑا زیادہ مناسب ھے- دوسرے مصرع میں بھی ترمیم کی گئی مگر ابھی دوسرا مصرع اور وضاحت چاھتا ھے —

محشر: غریب و بے کس و نا آشنا سمجھہ کے مجھے
ھماری لاش پہ رونے کو بس سحاب آیا

اصلاح: غریب و بے کس و نا آشنا سمجھہ کے ھمیں
ھماری لاش پہ رونے فقط سحاب آیا

پہلے مصرع میں " مجھے " اور دوسرے مصرع میں "ھماری" یہ شتر گربہ تھا اس لئے بجاے " مجھے " کے " ھمیں " بنا یا - اور مصرعۂ ثانی میں " بس " کا لفظ زاید تھا - اُسے قلم زد کر کے " فقط " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

محشر: لحد سے اُٹھہ کے چلو آج حضرت محشر
میان حشر سنا ھے وہ بے نقاب آیا

اصلاح: لحد سے اپنی چلوں اُٹھہ کے کیوں نہ اے محشر
سنا ھے آج وہ محشر میں بے نقاب آیا

اصلاح کے بعد گو دونوں مصرعوں میں محشر کی تکرار ھے مگر پھر بھی پہلے سے شعر بہت صاف ھوگیا —

محشر: وفور ھجر سے بڑھتا ھی جائیگا خیال اُن کا
رھیں وہ دور جتنے اُتنے ھی نزدیک ھیں دل سے

اصلاح: مجھے اے شام غم بڑھتا ھی جائیگا خیال اُن کا
رھیں وہ دور جتنے اُتنے ھی نزدیک ھیں دل سے

پہلے مصرع میں " وفور ھجر سے" اس ٹکڑے کو قلم زد کر کے " مجھے اے شام غم" کیا خوب بنا یا —

محشر جسے دیکھا جدھر دیوانہ اُس کو کردیا فوراً
پریشاں ھیں حسینان جہاں محشر ترے دل سے

اصلاح: تصدق یہ نگاھوں پر فدا آنکھوں پہ رھتا ھے
پریشاں ھیں حسینان جہاں محشر ترے دل سے

پہلا مصرع کچھہ اُلجھا ھوا تھا۔ سمجھہ میں نہیں آتا تھا کہ کسنے دیکھا اور کدھر دیکھا اور دیوانہ کس کو کردیا - اسی وجہ سے پورا مصرع بدلا گیا - اب مقطع بہت صاف ھوگیا —

محشر: جستجو میں دل غمگیں کے گیا تھا لیکن
میرے سینے سے ترا تیر پریشاں نکلا

اصلاح: جستجوے دل گم گشتہ میں آیا تھا مگر
میرے سینے اسے ترا تیر پریشاں نکلا

مصرعۂ اولیٰ میں " دل غمگیں " بےمحل تھا - اس لئے "دل گُم گشتہ" بنایا - دوسرا مصرع اسی کا محتاج تھا —

محشر: فصل گُل آگئی کیا باغ جہاں میں آمیں
اپنے گھر سے جو ھراک چاک گریباں نکلا

اصلاح: رونق افروز چمن کیا ہوئی پھر فصل بہار
اپنے گھر سے جو ہر اک چاک گریباں نکلا

مصرعۂ اولیٰ میں لفظ "آمیں" برائے بیت تھا - اس لئے پورا مصرع بدلا گیا جس سے شعر میں روانی و سلاست پیدا ہوگئی - اور معنی بھی صاف ہو گئے —

محشر: ایک ادنیٰ یہ تباہی دل پر درد کی تھی
جملہ بھی منہ سے جو نکلا تو پریشاں نکلا

اصلاح: عاشق زلف تھا کیا کوئی شریک محفل
ذکر بھی بزم میں نکلا تو پریشاں نکلا

اصلاح سے شعر کا رخ ہی بدل گیا اور اب شان ہی اور ہوگئی - گویا اُستاد نے دوسرا شعر کہدیا —

محشر: دشت وحشت میں بس اب وقت مدد ہے اے دل
جوشش شوق میں بے سر و ساماں نکلا

اصلاح: کوئی کانٹوں سے یہ کہدے کہ مبارک ہو تمہیں
گھر سے میں شوق میں پھر بے سر و ساماں نکلا

پہلا مصرع زرا سست تھا اُسے اُستاد نے چست کیا - دوسرے مصرع میں بھی ترمیم کی گئی - مگر وہ ' رند ' مرحوم کے مصرع سے ٹکرا گیا - ' رند ' مرحوم کا مصرع یہ ہے :—

گھر سے وحشت میں جو میں بے سر و ساماں نکلا

اکثر ایسے توارد ہوجاتے ہیں —

محشر: جھیلنا تری شب ہجر کا آساں نہ تھا
چادر شب سے رخ ماہ پریشاں نکلا

اصلاح . آج پھر بزم میں اُس رخ سے ھٹیں ھیں زلفیں
ابر تاریک سے پھر ماہ درخشاں نکلا

پہلے مصرع میں " تری شب ھجر " کا ٹکڑا تاریک تھا جسے اُستاد نے " رخ سے زلفیں ھٹاکر " روشن کردیا - دوسرے مصرع میں " چادر شب سے رخ ماہ " کے پریشاں نکلنے کا کوئی ثبوت نہ تھا اس لئے دونوں مصرعوں میں ترمیم کی گئی —

محشر
پھاڑ کر پھینک دیا تھا جو جنوں میں ھملے
دشت وحشت میں جو دیکھا تو وہ داماں نکلا

اصلاح
سچ ھے رحشت کا سبب ترک وطن ھوتا ھے
باغ سے پھول ھر اک چاک گریباں نکلا

پہلے مصرع میں کہا جاتا ھے " پھاڑ کر پھینک دیا تھا " اور دوسرے مصرع میں اُسی کو کہتے ھیں " داماں نکلا " جو شے پھینک دی گئی پھر اسکا اُسی پھینکنے والے کے پاس نکلنا ناممکن ھے - دوسرا نقص پہلے مصرع میں " جوجنوں " کا ٹکڑا تھا جس میں " دو جیم " جمع ھوگئے تھے - لہذا اُستاد نے شعر ھی دوسرا کہدیا - جو نہایت اچھا ھے - یہ بھی اساتذہ کا قاعدہ ھے کہ جب شعر لفظوں کی ترمیم سے درست نہیں ھوتا تو دوسرا شعر کہدیتے ھیں اور اُس کمی کو پورا کردیتے ھیں - مگر یہ طریقہ اساتذہ کا شاگردوں کے لئے کارآمد و مفید نہیں ھوسکتا —

محشر :
سرخرو سینۂ بسمل سے جو پیکاں نکلا
دل پکار اُٹھا مبارک ھو وہ ارماں نکلا

اصلاح :
رودئے زخم جو سینے سے وہ پیکاں نکلا
ھاتھہ خالی میرے گھر سے مرا مہماں نکلا

اصل مطلع بہت ھلکا تھا اس لئے دوسرا مطلع کہدیا گیا جو اس سے بہت غنیمت ھے —

محشر : ہوں عندلیب گلشن خیرالانام کا
اور نوحہ خواں حسین علیہ‌السلام کا

اصلاح : ہوں عندلیب گلشن خیرالانام کا
ہر شعر لاجواب ہے مرے سلام کا

مصرعۂ اولیٰ کو مصرعۂ ثانی سے ایسا ربط نہ تھا جیسا کہ اصلاح کے بعد پیدا ہو گیا —

محشر : گلشن میں بے سبب نہیں افسردگیٔ گل
ثابت ہے غم حسین علیہ السلام کا

اصلاح : سینے میں بے سبب نہیں افسردگیٔ داغ
ثابت ہے غم حسین علیہ السلام کا

پہلے مصرع میں بجائے "گلشن" کے "سینے" بنایا اور آخر میں بجائے "گل" کے "داغ" لکھدیا - جس سے شعر میں اور ترقی ہوگئی - اصلاح اسی کا نام ہے کہ ایک لفظ کی ترمیم سے شعر کا حسن دوبالا ہو جائے —

محشر : اے چرخ مصطفیٰ کے نواسے پہ یہ ستم
کیا مرتبہ نہ جانتا تھا تو امام کا

اصلاح : اے چرخ مصطفیٰ کے نواسے پہ ظلم و جور
رتبہ نہ جانتا تھا شقی کیا امام کا

پہلے مصرع میں بجائے "یہ ستم" کے "ظلم و جور" بنایا - اور مصرعۂ ثانی کی ترمیم سے شمر کی طرف ضمیر پھیر دی جو قاتل حضرت حسین علیہ‌السلام تھا اور مخاطب وہی چرخ رہا جو پہلے تھا - اصلاح سے شعر میں معنوی خوبیاں بڑھگئیں —

محشر : اُترے گلے سے نزع کے ہنگام کیا دوا
مشتاق ہو رہا ہوں میں کوثر کے جام کا

اصلاح : محشر نہ کس طرح سے پئے جاوں اشک غم
مشتاق ہو رہا ہوں میں کوثر کے جام کا

نزع کے وقت بالعموم حلق میں پانی ٹپکایا جاتا ھے - اُسی مناسبت سے پہلا مصرع ترمیم کیا گیا مگر" سے " زاید ھے —

لڈن صاحب بہار لکھنوی : چارہ گر مانا کہ بیرحم بہت تھے لیکن
تمنے کس دل سے نکلتے ہوے پیکاں دیکھا

اصلاح چارہ گر جو تھے وہ بیرحم بھی سفاک بھی تھے
تم نے کس دل سے نکلتے ہوے پیکاں دیکھا

مصرعۂ اولیٰ میں لفظ " سفاک " اُستاد نے ایسا برمحل لفظ رکھدیا کہ جس کی تعریف نہیں ہوسکتی - جس سے شعر میں لطافت اور پیدا ہوگئی —

بہار . نگاہ ناز کے تیروں نے حسرتوں سے کہا
جگر سے کہدو کہ دل کی زرا خبر لینا

اصلاح : نگاہ ناز کے تیروں سے حسرتوں نے کہا
جگر کے بعد زرا دل کی بھی خبر لینا

دونوں مصرعوں کی ایک ادنیٰ ترمیم سے شعر کا رخ ھی دوسرا ہوگیا اور روانی و سلاست کے علاوہ لطف زبان بڑہ گیا دوسرے مصرع میں " بھی " کا لفظ بھی قابل تعریف رکھا —

بہار : حنا کا رنگ چھپیگا یہ شوخیاں کیسی
زرا نہ خون میں تم اپنے ھاتھہ بھر لینا

اصلاح : حنا کا رنگ چھپیگا یہ شوخیاں کیسی
کہیں نہ خون میں تم اپنے ھاتھہ بھرلینا

مصرعۂ ثانی میں بجاے " زرا " کے " کہیں " بنا کر شعر میں فصاحت پیدا کردی —

بہار : بہار گر ہوں مگر ہے خزاں سے ربط مجھے
جو دل میں آئے تو کروٹ ادھر بھی کر لینا

اصلاح : بہار گو ہوں مگر ہے خزاں سے ربط مجھے
جو دل میں آئے تو منہ اس طرف بھی کر لینا

مصرعۂ ثانی میں " کروٹ ادھر بھی کر لینا " زبان نہ تھی - بلکہ کروٹ پھرنا - کروٹ پھیرنا - کروٹ بدلنا اور کروٹ لینا محاورہ ہے - اسی وجہ سے " منہ اس طرف بھی کر لینا " بنایا گیا —

سید وقارآغا عرت بنے صاحب اختر لکھنوی :

رن میں جو تیر کہ شبیر پہ چل جائیں گے
کام کرتے ہوے اپنا وہ نکل جائیں گے

اصلاح : رن میں جو تیر کہ مظلوم پہ چل جائیں گے
توڑ کر سینۂ شبیر وہ نکل جائیں گے

پہلے مصرع میں بجائے " شبیر " کے " مظلوم " بنایا - دوسرے مصرع میں " کام کرتے ہوے " مبہم تھا - اس لئے " توڑ کر سینۂ شبیر " بنا کر واضح کردیا —

اختر خلف خورشید لکھنوی :

مشک بھر کر کے جری بولا کہ اے نہر فرات
پیاسے آئے یونہیں پیاسے نکل جائیں گے

اصلاح : مشک بھر کر کہا عباس نے اے نہر فرات
پیاسے آئے ہیں تو پیاسے ہی نکل جائیں گے

مصرعۂ اولیٰ میں " بولا " کا الف گرتا تھا ، گو ناجایز تو نہ تھا مگر غیر فصیح ضرور تھا ، اس لئے مصرع میں ترمیم کی گئی - دوسرے مصرع کی ترمیم سے شعر اور صاف ہو گیا —

اختر : بولے شہ زینب مضطر سے کہ رہنا ہشیار
بچے کوزے لئے ہاتھوں میں نکل جائیں گے

اصلاح : بولے شہ زینب مضطر سے کہ رہنا ہشیار
بچے کوزے لئے خیمے سے نکل جائیں گے

مصرعۂ ثانی میں بجائے " ہاتھوں میں " کے " خیمے سے " بنایا کیونکہ یہ پتا نہ چلتا تھا کہ کہاں سے نکل جائیں گے —

اختر : دیکھو مکیں سے ہوتی ہے رونق مکان کی
مجنوں کے بعد دشت میں ویرانہ ہو گیا

اصلاح : سچ ہے مکیں سے ہوتی ہے رونق مکان کی
مجنوں کے بعد دشت میں ویرانہ ہو گیا

مصرع اولیٰ میں " دیکھو " بھرتی کا لفظ تھا - اس لئے بجائے اُس کے " سچ ہے " بنا دیا - دشت کو مکان کہنا نئی بات ہے - میری نظر سے اب تک نہیں گزرا —

اختر : چرچا ہر ایک جا ہے جوانی کی موت کا
افسوس میرا ذکر بھی افسانہ ہو گیا

اصلاح : چرچا ہر ایک جا ہے جوانی کی موت کا
دنیا میں میرا ذکر بھی افسانہ ہو گیا

مصرعۂ ثانی میں بجائے " افسوس " کے " دنیا میں " بنا کر شعر میں اور سلاست پیدا کردی -

نوٹ :- افسوس کہ بعض وقت کا کہا سچ ہوکر رہتا ہے - اسی کو اگن کہتے ہیں - افسوس کہ جناب اختر جوانی ہی میں نذر اجل ہوے - مجھ پر بھی ایک ایسا ہی واقعہ گزر چکا ہے وہ یہ کہ ایک مشاعرہ میں جو غالباً اختر ہی مرحوم کے کسی شاگرد کے مکان پر تھا میں نے یہ شعر پڑھا —

ہمارے جینے سے کیا یاس ہوگئی اُن کو
اُٹھا کے نبض سے کیوں ہاتھ رکھہ لیا دل پر

یہ شعر مشاعرے میں بہت مقبول ہوا اور مولانا 'رضا' و دیگر احباب موجودہ مشاعرے نےبار بار پڑھوایا اُس کےدوسرے ہی دن میں ریل کے پل سے اتفاقیہ گرپڑا اور بعینہ وہی حالت رہی جو شعر میں نظم کی گئی تھی - میں نے اس واقعہ کو اس لئے حوالۂ قلم کیا ہے کہ اور شعرا ایسے اشعار نظم کرنے سے احتراز کریں - اچھا اب اسی افسانے کے قافیہ میں ایک شعر اپنا بھی نذر ناظرین کرتا ہوں جس کی اکثر ارباب نظر نے بے انتہا مجھے داد دی —

کرتا ہوں ایک ایک سے اس انجمن کا ذکر
آنکھوں سے جس کو دیکھا تھا افسانہ ہوگیا

سید وجاہت حسین ممتازالافاضل و صدرالافاضل ' ناظم ' لکھنوی :—

ناظم: دئے ہیں اس قدر شبنم نے چھینٹے سرخ پھولوں کے
چھلک آیا لہو آخر کو رگ ہائے گُل تر سے

اصلاح: دئے ہیں اس قدر شبنم نے چھینٹے رنگ کھلنے کو
چھلک آیا لہو آخر کو رگ ہائے گُل تر سے

پہلے مصرع میں '' سرخ پھولوں کے '' کے بجائے ''رنگ کھلنے کو'' بنایا۔ جس سے چھینٹے دیئے جانے کا سبب بھی ظاہر ہوگیا - اور سرخ پھولوں کی شرط بھی اچھی نہ تھی - کیونکہ جب پھول قدرتی طور پر سرخ ہیں تو اب کون سی سرخی لہو بن کے چھلکی —

ناظم: سحر ہونے کو ہے نغمہ سرا ہے باغ میں بلبل
زمین باغ بھی شاداب ہے پھولوں کے بستر سے

اصلاح: سحر ہونے کو ہے نغمہ سرا ہے باغ میں بلبل
حسینانِ چمن اب اُٹھتے ہیں پھولوں کے بستر سے

دونوں مصرعوں میں " باغ " کی تکرار اُستاد کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی اس لئے ایک دلربا مصرع لگا دیا - اب پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو ربط پیدا ہوگیا —

ناظم : کسی کے عشق میں دل آبلہ شاید ہوا اُس کا
سنا ہے یہ کہ پانی بھی نکل آتا ہے پتھر سے

اصلاح : کسی کے عشق میں دل جل رہا ہے اس کا بھی شاید
کہ دیکھا شرر اکثر نکل آتے ہیں پتھر سے

پہلے مصرع میں دل کے آبلہ ہونے کا ثبوت نہ تھا- بلکہ " دل جل رہا ہے "اسی کی ضرورت تھی - دوسرا مصرع بھی پہلے مصرع کی مناسبت سے خوب بنایا گیا ہے - لایق شاگرد نے کہا تھا 'سنا ہے' قابل اُستاد نے اصلاح دی 'دیکھا'- دیکھنے اور سننے میں جو فرق ہے ظاہر ہے - شنیدہ کے بود مانند دیدہ - بے نظیر اصلاح ہے—

ناظم : فلک پر ہوئیں روشن جلد قندیلیں کواکب کی
بچھادے چاندنی کا فرش کھدو ماہ انور سے

اصلاح : فلک پر جلوہ گر ہوں جلد قندیلیں کواکب کی
بچھادے چاندنی کا فرش کھدو ماہ انور سے

پہلے مصرع میں " ہوئیں " غیر فصیح تھا - اس لئے بجا ے اُس کے " جلوہ گر ہوں " جس سے شعر اور روشن ہوگیا —

ناظم: بڑھا کعبے کا رتبہ اور بھی اِن کی عبادت سے
بتوں کے بھی جھکے سر کلمۂ الله اکبر سے

اصلاح: بڑھایا خوب رتبہ کعبے کا اِن کی عبادت نے
بتوں کے بھی جھکے سر نعرۂ الله اکبر سے

مصرعۂ اولیٰ میں " اور بھی" اچھا نہ تھا - اس لئے بجاے اُس کے " بڑھایا خوب رتبہ" بنایا- اور مصرعۂ ثانی میں "کلمۂ الله اکبر" کے بدلے "نعرۂ الله اکبر"

کی ترمیم سے جو ترقی شعر میں پیدا ہوگئی وہ ظاہر ہے —

سید علی نواب 'قدیم' لکھنوی :—

قدیم: ابھی سے کرتا ہوں تیر نظر کا میں عادی
خطر یہ ہے کہ وہ بت دل کا امتحاں نہ کرے

اصلاح: شب فراق میں کس سے کروں گا میں باتیں
نظر کے تیر سے وہ بت دل کا امتحاں نہ کرے

مصرعۂ اولیٰ میں اول تو "ابھی سے کرتا ہوں" اس ٹکڑے میں ذم کا پہلو تھا — دوسرے لفظ " عادی " اسم مفعول ہے یعنی جو یافتہ اور یہاں " عادی " فاعل کے معنوں پر نظم کیا گیا ہے جو غلط ہے اس لئے پہلا مصرع بدلا گیا چونکہ پہلے مصرع میں ' تیر نظر" کا ٹکڑا نظری ہوچکا تھا اس وجہ سے دوسرے مصرع میں "نظر کے تیر سے" بناکر شعر کو درست کردیا —

قدیم: نہ آہیں کھنچتی ہیں نا بیڑیاں سنبھلتی ہیں
خدا کسی کو اسیری میں ناتواں نہ کرے

اصلاح: جو دو قدم کبھی چلتے تھے وہ بھی ہے موقوف
خدا کسی کو اسیری میں ناتواں نہ کرے

مصرعۂ اولیٰ میں " نا " ساتھ اشباع کے غیر فصیح تھا اس لئے بالکل الگ کرکے نہایت پر اثر مصرع لگادیا —

قدیم : وہ کہہ رہے ہیں کہ ہجر کا مزا اسمیں
کسی سے کہدو ابھی ختم داستاں نہ کرے

اصلاح : تمہارا دل بھی بہلتا ہے اور مرا دل بھی
کسی سے کہدو ابھی ختم داستاں نہ کرے

پہلے مصرع میں "ہجر کا مزا اسمیں" یہ ٹکڑا اچھا نہ تھا اس لئے پورا مصرع بدل دیا گیا - اب شعر صاف ہوگیا —

قدیم: هر ایک پہ وار کرتے ہوے مہ‌لقا بڑھے
کیا تاب تھی جو کوئی اُدھر بزدلا بڑھے

اصلاح: لیکر زباں سے نام علی و خدا بڑھے
کیا تاب تھی جو کوئی اُدھر بزدلا بڑھے

قدیم: میداں دکھا کے گھوڑوں کو یہ مہ‌لقا بڑھے
کہتے تھے جبرئیل کہ مشکل کشا بڑھے

اصلاح: میداں دکھا کے گھوڑوں کو یہ مہ‌لقا بڑھے
رن یہ پکارتا تھا کہ مشکل کشا بڑھے

قدیم: غل فوج میں زباں پہ تھا ہر ذلیل کی
اب خیریت نہیں ہے پر جبرئیل کی

اصلاح. فقرہ یہی زباں پہ تھا ہر ذلیل کی
اب خیریت نہیں ہے پر جبرئیل کی

پہلے اور تیسرے مصرع میں قافیہ ایک ہی تھا۔ یعنی "مہ‌لقا" اس لئے پہلا مصرع ترمیم کیا گیا اور چوتھے مصرع میں بجاے "کہتے تھے جبرئیل" کے "رن یہ پکارتا تھا" بناکر مصرع کو اور چست کردیا۔ پانچویں مصرع میں " غل فوج میں زباں پہ تھا " اس کے عوض " فقرہ یہی زباں پہ تھا " بنایا کیونکہ غل کا زباں پر ہونا خلاف محاورہ تھا —

قدیم: چھپ چھپ کے بھاگے جاتے تھے میداں سے بد خصال
گھوڑوں کا تھا یہ حال کہ بھولے تھے اپنی چال

اصلاح: چھپ چھپ کے بھاگے جاتے تھے میداں سے بد خصال
گھوڑوں کا تھا یہ حال کہ بھولے تھے اپنی چال

قدیم: نام آوران فوج ہوے جب کہ پایمال
تھا شور یہ کہ آگیا دنیا پہ اب زوال

اصلاح :
قام آوران فوج ھوے گر کے پایمال
تھا شور یہ کہ آگیا دنیا پہ اب زوال

قدیم :
حیران سب تھے حوت دلوں پر پڑا ھوا
منہ دیکھتا تھا بھائی کا بھائی کھڑا ھوا

اصلاح :
تھا ان کی حرب و ضرب کا سکہ پڑا ھوا
منہ دیکھتا تھا بھائی کا بھائی کھڑا ھوا

اس بند کے تیسرے مصرع میں بجاے " جب کہ "، " گرکے بنایا " جس سے مصرع میں جان آگئی - پانچویں مصرع میں " حیران سب تھے خوت دلوں پر پڑا ھوا " اچھا نہ تھا - کیونکہ دلوں پر جمع کے ساتھہ پڑے ھوے ھونا چاھئے تھا - اس سقم کی وجہ سے پانچویں مصرع ترمیم کیا گیا ان دونوں اصلاحوں سے پورا بند لا جواب ھوگیا —

قدیم :
یہ سن کے شہ کے پاس گئے وہ نکو سیر
کی عرض اذن دیجئے یا شاہ بحرو بر
فرط قلق سے شاہ کا ٹکڑے ھوا جگر
لپٹا لئے گلوں سے بس اُن صفدروں کے سر
غم تازہ دے کے سینے میں ناسور کردیا
ننھے سے ھاتھہ جوڑ کے مجبور کردیا

اصلاح :
فرمایا دل کے زخم کو ناسور کردیا
ننھے سے ھاتھہ جوڑ کے مجبور کردیا

صرت پانچواں مصرع ترمیم کیا گیا جس سے یہ بند اور لطیف ھوگیا مگر چوتھے مصرع پر اُستاد کی نظر نہ پڑی " گلوں " سے نہ چاھئے - بلکہ بجاے جمع کے واحد کا استعمال اس محل پر ھوناچاھئے —

سید حسین بیتاب لکھنوی : کسی کے ھجر نے اتنا تو کردیا مجھے زار
گماں ھے تن لاغر کا تار بستر پر

اصلاح : کسی کے ھجر نے اتنا تو کردیا مجھے زار
کہ شک ھے اب تن لاغر کا تار بستر پر

مصرعۂ ثانی میں کاف بیانیہ کی ضرورت نے مصرع کی ترمیم پر اُستاد کو مجبور کیا کیونکہ بغیر اس کے مصرعۂ اولی کو مصرعۂ ثانی سے ربط نہیں پیدا ھوسکتا تھا —

بیتاب : تڑپ تڑپ کے گزاری ھے رات فرقت کی
گواھی دینگی جو شکنیں پڑی ھیں بستر پر

اصلاح : تڑپ تڑپ کے گزاری ھے رات فرقت کی
گواہ ھیں شکنیں جس قدر ھیں بستر پر

مصرعۂ ثانی میں لفظ " شکنیں " سکون کاف کے ساتھہ غیر فصیح تھا - اس لئے مصرع ترمیم کیا گیا —

بیتاب : جنازہ کشتۂ گیسو کا آج یوں اُٹھا
گندھا ھے پھولوں کا سہرا سیاہ چادر پر

اصلاح : جنازہ کشتۂ گیسو کا آج یوں اُٹھا
پڑا ھے پھولوں کا سہرا سیاہ چادر پر

جنازے پر سہرے کے باندھے جانے کو گندھنا نہیں کہتے بلکہ تاگے میں پھولوں کا پرویا جانا گندھنا کہلاتا ھے - اس لئے بجاے "گندھا ھے" کے "پڑا ھے" بنایا گیا —

بیتاب : ترچھی نظریں وہ نہیں اب ھیں اُٹھاتے اپنی
زخم اتنے ھیں پڑے دل میں کہ تعداد نہیں

اصلاح : ترچھی ھی نظروں سے وہ دیکھہ رھے ھیں اب تک
ٹکڑے کس دل کے کئے ھیں یہ انھیں یاد نہیں

بیتاب کے مصرعۂ اولیٰ میں تعقید تھی اور مصرعۂ ثانی میں لفظ " تعداد "
انتہا کے معنی میں بے محل صرف کیا گیا تھا - تیسرا ایک بہت باریک عیب جو
مشکل سے نظر آتا ہے یہ بھی تھا کہ اُٹھنے کے قبل نظر کو ترچھی یا سیدھی کچھ
نہیں کہہ سکتے انہیں عیوب پر نظر کر کے حضرت جاوید مرحوم نے پورا شعر بدل
دیا - جس کی کیا تعریف ہو سکتی ہے —

بیتاب : حلق مشتاق پر رکھو خنجر
دم نکلتا ہے اب لہو کی طرح

اصلاح : حلق مشتاق پر تو رکھ خنجر
دم نکل جائیگا لہو کی طرح

پہلے مصرع میں لفظ " رکھو " غیر فصیح تھا - مصرعۂ ثانی میں " دم نکلتا
ہے اب "یہ ٹکڑا اچھا نہ تھا اس لئے " دم نکل جائیگا " بنا یا - دونوں مصرعوں کی
ایک ادنیٰ ترمیم سے شعر زمین سے آسمان پر پہنچ گیا —

سید کاظم حسین 'هدت' لکھنوی :

هدت : کس سے چھوڑا نہیں جاتا ہے کسیکا دامن
کس سے رخصت کوئی ہنگام سحر ہو تا ہے

اصلاح : تارے چھپتے ہیں اُدھر شمعیں ادھر بجھتی ہیں
کس سے رخصت کوئی ہنگام سحر ہو تا ہے

مصرعۂ اولیٰ محض ترقی کے لئے ہنگام سحر کی رعایت مد نظر رکھ کے
بدلا گیا ورنہ هدت کا مصرع بھی بے عیب تھا —

نواب باقر علی خاں عرف نہن صاحب' راز 'لکھنوی :

راز : دیکھو نہ یوں خدا کے لئے منہ کو پھیر لو
دل پر گرے نہ برق کہیں اس نگاہ کی

اصلاح : دیکھو نہ یوں خدا کے لئے منہ کو پھیر لو
دل پر نہ گر پڑے کہیں بجای نگاہ کی

مصرعۂ ثانی میں لفظ " اس " زاید تھا - اس لئے مصرع ترمیم کیا گیا جس سے یہ عیب جاتا رہا —

راز : خوں خود تڑپ کے دامن قاتل میں بھر دیا
حاجت رھی نہ حشر میں مجکو گواہ کی

اصلاح : زخموں کا خون دامن قاتل میں بھر دیا
حاجت رھی نہ حشر میں مجکو گواہ کی

راز کے مصرعۂ اولی میں تین عیب تھے اول تو دو " ح " قریب قریب تھے جو مخل فصاحت تھے - دوسرے لفظ خوں بغیر عطف و اضافت اخفاے نون کے ساتھہ ناجایز تھا - تیسرے اپنے زخمی ھونے کا بھی ذکر ضرور ھونا چاھئے تھا، چنانچہ انھیں سب عیوب پر نظر کر کے بجاے " خوں خود " کے زخموں کا خون بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

منشی امین‌الدین خاں 'مفتوں' اجمیری

مفتوں : نزع میں مڑکر جودیکھا آپ تھے بالیں کے پاس
قد آدم میرے سر پر آفتاب آھی گیا

اصلاح : حشرکےدن بھی نہ‌خواب مرگ‌سےآنکھیں کھلیں
قد آدم میرے سر پر آفتاب آھی گیا

مفتوں نے چہرۂ معشوق کو آفتاب قرار دیا تھا، مگر شعر میں چہرہ کا ذکر نہ تھا اس وجہ سے اُستاد نے مصرعۂ اولی بدل دیا اور اب مراد اصلی آفتاب سے ھوگئی اور آفتاب بھی کون؟ آفتاب محشر - جو زمین سے قد آدم بلند ھوگا - اس اصلاح سے ایک نازک بات یہ بھی پیدا ھوگئی کہ خواب مرگ کی انتہا بھی ثابت کردی گئی

مفتون: سرگرانی یہ ھوی گر گر پڑے سوجھا کے پھول
تکتے تکتے دیدۂ نرگس میں خواب آھی گیا

اصلاح: کس قدر دلچسپ تھا حسن عروسان چمن
تکتے تکتے دیدۂ نرگس میں حواب آھی گیا

پہلے مصرع میں پھولوں کی سر گرانی کا ثبوت، نہ تھا دوسرے مصرعۂ ثانی سے ربط بھی نہ تھا - اس لئے ایک دلچسپ مصرع استاد نے لگا دیا جس سے شعر کا پایہ دیوار گلشن سے بھی اونچا نظر آنے لگا —

مولوی میرن صاحب 'وفا' لکھنوی :—

وفا: شعر گوئی میں وفا اس کا خیال اکثر رھے
چاھئے تقلید تم کو حضرت اُستاد کی

اصلاح: اے وفا جو سعر ھو صورت نما تصویر ھو
چاھئے تقلید تم کو حضرت اُستاد کی

مصرعہ اولیٰ میں " اس کا خیال اکثر رھے " یہ ٹکڑا اچھا نہ تھا - بلکہ ضرور رھے ھونا چاھئے تھا- دوسرے یہ کہ مصرعۂ اولیٰ سے مصرعۂ ثانی کو ربط بھی نہ تھا اس لئے اُستاد نے مصرع بدل دیا - اب یہ مقطع خوبصورت ھوگیا - صرف ایک " صورت نما " کے ٹکڑے نے اِسے حسین کردیا —

وفا: ابھی احباب تم زرا ٹھیرو
آکے میت کو وہ اُٹھاتے ھیں

اصلاح: ابھی احباب اک زرا ٹھیریں
آکے میت کو وہ اٹھاتے ھیں

لفظ " احباب " جمع ھے اور مصرعۂ اولیٰ میں " تم زرا ٹھیرو " واحد سے خطاب کیا جاتا ھے- اس وجہ سے بجائے "تم" کے "اک" اور "ٹھیرو" کی جگہ "ٹھیریں"

بنا کر شعر کو درست کردیا —

حکیم محمد علی "محزون" لکھنوی :—

محزون: جب مجکو دیکھہ لیتا ھے فرقت میں آپ کی
کہتا ھے آینہ کہ وہ صورت نہیں رھی

اصلاح: کس منہ سے اُس کے سامنے جاؤں فراق میں
کہتا ھے آینہ کہ وہ صورت نہیں رھی

مصرعۂ اولیٰ کی ترمیم سے شعر میں ترقی ھوگئی ورنہ مصرع حکیم محزون کا بھی بے عیب تھا —

سید محمد ناصح عرف ھدن صاحب 'ناصح' :—

ناصح ھجر میں کیوں نہ کلیجے سے لگائے رھوں میں
تھا کسی کے تہ سر وصل میں بازو اپنا

اصلاح: کیوں نہ مڑ مڑ کر شب ھجر میں دیکھوں ھر بار
تھا کسی کے تہ سر وصل میں بازو اپنا

اپنے ھی بازو کو کلیجے سے لگانا اچھا نہ تھا اس لئے مصرعۂ اولیٰ بدل دیا گیا - اب مڑ مڑ کے دیکھنے سے انتہاےٴشوق کا پتا چلتا ھے—

کاظم رضا عرف للن صاحب 'بہار' لکھنوی :—

بہار: گری جو برق جلا طور غش ھوے موسیٰ
بڑھی یہ آھوں میں تاثیر بے قراروں کی

اصلاح: گری جو برق جلا طور غش ھوے موسیٰ
حضور بات بھی کھوئی اُمیدواروں کی

مصرعۂ ثانی میں تعقید تھی - اس لئے دوسرا مصرع بدلا گیا - جس سے شعر میں ایک بات پیدا ھوگئی —

بہار: قبا پہن کے نہ آیا کرو ستاروں کی
گرے فلک کی نظر سے نہ قدر تاروں کی

اصلاح: قبا پہن کے نہ آیا کرو ستاروں کی
چھکتی جاتی ہے قسمت اُمیدواروں کی

مصرعۂ ثانی میں "قدر گرنا فلک کی نظر سے" جو نظم کیا گیا تھا وہ خلاف محاورہ تھا - قدر گھٹنا - قدر کم ہونا محاورہ ہے - اور نظر سے گرنا جو بولتے ہیں اس میں لفظ قدر کو شریک نہیں کرسکتے - مثلاً فلاں شخص فلاں شخص کی نظر سے گر گیا- یوں نہیں کہتے کہ فلاں شخص کی قدر فلاں شخص کی نظر سے گرگئی- دوسرا عیب یہ تھا کہ دونوں مصرعوں میں ایک ہی قافیہ ایک ہی معنی میں آنا خلاف فصاحت ہے - ہاں ایک ہی قافیہ میں دونوں مصرعے اُس حالت نظم کئے جاسکتے ہیں جب معنی میں اختلاف ہو - جیسے ایک مطلع حضرت 'جلیل' مدظلہ کا ہے :—

ہے لاکھ لاکھ شکر خدائے جلیل کا
جس نے در سخن سے بھرا منہ 'جلیل' کا

پہلے مصرع میں جلیل صفت ہے اور دوسرے مصرع میں اسم ہے - لہذا یہ جائز ہے - اُستاد 'جاوید' نے اِنہیں عیوب کو مٹانے کے لئے مصرعۂ ثانی بدلا اور خوب بدلا —

بہار: لو اور ہوگئی صورت تمہارے بسمل کی
کچھ انتہا بھی ہے آخر نظر کے واروں کی

اصلاح: اب اور ہوگئی صورت تمہارے بسمل کی
کچھ انتہا بھی ہے تیغ نظر کے واروں کی

مصرعۂ اولیٰ میں بجائے "لو" کے "اب" بنایا جس سے فصاحت پیدا ہوگئی - اور مصرعۂ ثانی میں "آخر نظر" یہ ٹکڑا اچھا نہ تھا - نہ خالی

نظر کے وار اچھے تھے - اس لئے " آخر نظر " کے بجائے " تیغ نظر " بنادیا کیونکہ وار کے لئے تیغ نظر ھی کی ضرورت تھی - ان دو ترمیموں سے یہ شعر نہایت ھی عمدہ ھوگیا * —

——— (آقائے سخن سید محمد عسکری وسیم خیرآبادی) ———

سیدنیاز احمدنیاز انسپکٹر پنشنر و سپرٹنڈنٹ پولیس ریاست بھوپال :

نالہ ھائے دل بیتاب نے میرے اے چرخ
قبر کی سرپہ اُٹھائی ھے زمیں دیکھہ لیا

اصلاح : نالہ ھائے دل بیتاب نے میرے اے حشر
قبر کی سر پہ اُٹھائی ھے زمیں دیکھہ لیا

حشر قبر میں موجود تھا اور چرخ دور - ایک لفظ کی ترمیم سے زمیں آسماں کا فرق ھوگیا —

نیاز برادر حضرت ریاض : حور فردوس بریں اسکو نہیں ملنے کی
میں نے زاھد کا خط لوح جبیں دیکھہ لیا

اصلاح : حور فردوس بریں اُس کے مقدر میں نہیں
میں نے زاھد کا خط لوح جبیں دیکھہ لیا

چونکہ مصرعۂ ثانی میں " لوح جبیں " کا ٹکڑا ھے اس لئے مصرعۂ اولیٰ میں بجائے " اُس کو نہیں ملنے کی " " اُس کے مقدر میں نہیں " خوب بنایا —

حکیم سید امیر احمداثیم خیرآبادی :

---

* یہ اصلاحیں ایک خاص طریقہ سے حاصل کی گئیں - میرے پاس کُل مسودے موجود ھیں - جس پر حضرت 'جاوید' کے قلم کی اصلاحیں - اور جس کی غزل ھے اُس کے قلم کی لکھی ھوئی غزلیں ھیں - ابھی ھزاروں اصلاحیں باقی ھیں جہاں تک میں انتخاب کر سکا کرلیں —

ادیم۔ فرط سجدہ سے ترا داغ جبیں دیکھ لیا
ہم نے زاہد گل فردوس بریں دیکھ لیا

اصلاح: داغ سجدا ترا بالائے جبیں دیکھ لیا
ہم نے زاہد گل فردوس بریں دیکھ لیا

پہلا مصرع اُلجھا ہوا تھا - اصلاح سے اُلجھن مٹ گئی - داغ سجدہ کو طنزاً گل فردوس بریں کہنا نئی تشبیہ ہے —

ادیم: ہائے بیتابیء قاتل نہیں دیکھی جاتی
کیوں اُسے اے نگۂ باز پسیں دیکھ لیا

اصلاح: مجھ سے بیتابیء قاتل نہیں دیکھی جاتی
تو نے کیوں اے نگۂ باز پسیں دیکھ لیا

اصلاح سے زاید الفاظ نکل گئے - پہلے مصرع میں بجائے "ہائے" کے "مجھ سے" اور دوسرے مصرع میں "کیوں اُسے" کو قلم زد کرکے "تو نے کیوں" بناکر شعر میں درد اور اثر پیدا کردیا —

سید خلیل احمد شمیم خیرآبادی:

جب تڑپ دل کی بڑھی سوئے زمیں دیکھ لیا
آہ جب کی طرف چرخ بریں دیکھ لیا

اصلاح: اشک جس وقت گرے سوئے زمیں دیکھ لیا
آہ جب کی طرف چرخ بریں دیکھ لیا

اس اصلاح سے زمیں و آسماں دونوں کا تقابل لطف دے گیا - بلاغت یہ کہ عاشق اپنے خیال میں یہ سمجھ کر کہ اشک کے گرنے سے زمیں کو کیا صدمہ پہنچا اور آہ کے کرنے سے آسماں کا کیا رنگ اُڑا - اُستادانہ اصلاح ہے —

شمیم: دیکھنے سے تری تصویر کے ہوش اپنے اُڑے
مر ہی جائیں گے اگر تجکو کہیں دیکھ لیا

اصلاح : دیکھنے سے تری تصویر کے بے خود ہوے ہم
مر ہی جائیں گے اگر تجکو کہیں دیکھہ لیا

بے خودی نمونۂ مرگ ہے - کیا خوب اصلاح دی —

شمیم : تیرے آئینے میں اک تجھہ سا حسیں دیکھہ لیا
اک نیا چاند ارے ماہ جبیں دیکھہ لیا

اصلاح تیرے آئینے میں اک اور حسیں دیکھہ لیا
ماہ رخ دیکھہ لیا ماہ جبیں دیکھہ لیا

پہلے مصرع میں " اک اور " دوسرے مصرع میں " ماہ رخ دیکھہ لیا " یہ دو ٹکڑے جواہر نگار ایسے رکھدئیے کہ " اک " کی تکرار بھی جاتی رہی اور مصرعۂ اولی میں " تجھہ سا " میں " سا " کا الف بھی دب رہا تھا وہ عیب بھی نکل گیا " اور دیکھہ لیا " کی تکرار سے لطف زبان دو بالا ہوگیا ایک ہی وقت میں دو برابر کے حسینوں کا دیکھنا اور پھر معشوق سے خطاب کس قدر شوخی اور نازک خیالی ہے —

شمیم : پھر نہ تو دیدۂ بسمل میں پلٹ کر آئی
تونے کیا اے نگۂ بازپسیں دیکھہ لیا

اصلاح : پھر نہ تو دیدۂ حیراں میں پلٹ کر آئی
تونے کیا اے نگۂ باز پسیں دیکھہ لیا

یہ شعر پہلے بھی ایک نشتر تھا جو اہل نظر کے دلوں میں اُترنے کے لئے کم نہ تھا مگر اب تو " دیدۂ حیراں " " دیدۂ بسمل " کو بھی اپنی آنکھوں میں لئے ہوے ہے - اور اُف " کیا دیکھہ لیا " کی کیا تشریح کی جائے - اہل ذوق ہی اس کا لطف اُٹھا سکتے ہیں —

شمیم : میں یہ سمجھا کہ یہی ہے دل پامال مرا
گُل افسردہ جو بالائے زمیں دیکھہ لیا

اصلاح : میں یہ سمجھا کہ یہ میرا دل پژمردہ ہے
گُل افسردہ جو بالائے زمیں دیکھہ لیا

" دل پژمردہ " کی اصلاح نے یہ بھی واضح کردیا کہ جس طرح شاخ گُل سے پھول مرجھا کر زمین پر آرھتا ہے اُسی طرح میرا دل پژمردہ ہے کہ مجھے چھوڑ کر یہاں آپڑا - اب شعر میں کتنا درد و اثر پیدا ہو گیا —

مولوی سید سعید احمد سعید خیر آبادی :

جس نے ایماں سے روئے شہ دیں دیکھہ لیا
اُس نے اللہ کو بے پردہ یہیں دیکھہ لیا

اصلاح : عاشقو جس نے جمال شہ دیں دیکھہ لیا
اُس نے اللہ کو بے پردہ یہیں دیکھہ لیا

مطلب اس مطلع کا یہ تھا کہ جس نے بحالت ایمان روے آنحضرت (صعلم) کا نظارہ کیا اس نے اللہ کو دیکھہ لیا بموجب حدیث (من رانی فقد رالحق) بادی النظر میں یہ " مومنو " کا مقام تھا - اس کی جگہ عاشقو رکھنا واقعی کمال اُستادی کی دلیل ہے —

سعید : زندگانی ہوئی فرھاد کو سخت اے پرویز
اُس نے شیریں کا جو حسن نمکیں دیکھہ لیا

اصلاح : زندگانی ہوئی فرھاد کو تلخ اے پر ویز
اُس نے شیریں کا جو حسن نمکیں دیکھہ لیا

سخت کا لفظ " کوھسار " کی رعایت سے رکھا تھا مگر " تلخ " کا لفظ شیریں کے مقابلے میں مزے کا ہے —

سعید : تیغ پر ابروئے جاناں کے قدم ہیں تیرے
بانکپن ہمنے ترا چین جبیں دیکھہ لیا

اصلاح : تیغ پر ابروئے قاتل کے قدم ھیں تیرے
بانکپن ھمنے ترا چین جبیں دیکھہ لیا

پہلے مصرع میں بجاے " جاناں " کے " قاتل " بنایا - واقعی تیغ ابرو اور چین جبیں قاتل ھی کے لئے زیبا ھیں —

سعید : شمس لوٹتا ھے ترے حکم سے پتھر بولے
دونوں عالم کو ترے زیر نگیں دیکھہ لیا

اصلاح : شمس لوٹا ترے فرمان سے پتھر بولے
دونوں عالم کو ترے زیر نگیں دیکھہ لیا

اس اصلاح نے لفظ " ھے " جو زاید تھا اُسے دور کر دیا - اب شعر حشو و زواید سے پاک ھو گیا —

سعید : بو سے دیتی ھیں تجھے قبر میں حوریں آکر
سر تبہ ھمنے ترا داغ جبیں دیکھہ لیا

اصلاح : بو سے لیتی ھیں تری آنکھوں سے حوریں آکر
مرتبہ مت کے ترا داغ جبیں دیکھہ لیا

آنکھوں سے بو سے لینا خوب بنایا کیونکہ چشم حور سے داغ کی شبہ بھی پیدا ھوگئی - اس اصلاح سے شعر نازک اور لطیف ھو گیا —

سعید : مثل بسمل ھے تپاں ترے اثر سے قاتل
رنگ قاتل نگۂ باز پسیں دیکھہ لیا

اصلاح : مثل بسمل ھے تپاں ترے اثر سے وہ بھی
رنگ قاتل نگۂ ناز پسیں دیکھہ لیا

چونکہ دونوں مصرعوں میں " قاتل " کی تکرار بد نما تھی اس لئے پہلے مصرع میں بجاے " قاتل " کے " وہ بھی " بنا دیا —

شیخ محمد صاحب شیخ اسسٹنٹ کلکٹر

شیخ: ذات احمد کا جو رتبہ تھا خدا کے نزدیک
شب معراج سر عرش بریں دیکھہ لیا

اصلاح: عرش والو شب معراج میں پاپوش حضور
بن گئی تاج سر عرش بریں دیکھہ لیا

اس اصلاح سے یہ شعر کس قدر بلند ہوگیا۔ سر عرش کے لئے تاج ہی ایک لفظ ہے —

شیخ: آگئی جان مری دل کی تمناؤں میں
رخ کسی کا جو دم باز پسیں دیکھہ لیا

اصلاح: آگئی جان مری مردہ تمناؤں میں
رخ کسی کا جو دم باز پسیں دیکھہ لیا

لفظ "مردہ" نے شعر میں ایک نئی روح پھونک دی "دل" کا لفظ بیکار تھا کیونکہ تمنائیں سوائے دل کے اور کہیں نہیں ہو سکتیں —

شیخ: اے حسیں نقش کف پائے حنائی سے ترے
رشک جنت بنی گلشن کی زمیں دیکھہ لیا

اصلاح: اے حسیں نقش کف پائے حنائی سے ترے
گُل زمیں بن گئی گلشن کی زمیں دیکھہ لیا

"گُل زمیں" کے ٹکڑے نے شعر میں اور حسن پیدا کردیا - گُل زمیں عمدہ زمین کو کہتے ہیں - اور صرف محل بھی یہی تھا —

بابو بدری پرشاد 'قمر' بی اے وکیل گورکھپور:

قمر: ماہ کو تم نے سر چرخ بریں دیکھہ لیا
جلوہ خود آکے دکھاتے ہیں حسیں دیکھہ لیا

اصلاح: مہر و مہ کو تم نے سر چرخ بریں دیکھہ لیا
جلوہ خود آکے دکھاتے ہیں حسیں دیکھہ لیا

"ماہ" واحد ہے اور دوسرے مصرع میں لفظ "حسیں" بصورت جمع واقع ہے

اس لئے پہلے مصرع میں "مہرومہ" بنا کر مطلع میں چار چاند لگادئے —

قہر: اب خدا ھی ھے جو دن خیر سے گزرے زاھد
صبح کو میں نے ترا داغ جبیں دیکھ لیا

اصلاح: اب خدا ھی ھے جو سجدہ ھو نصیب اُس در کا
صبح کو شیخ نے ترا داغ جبیں دیکھ لیا

چونکہ ذکر سجدہ پہلے مصرع میں ھے (داغ جبیں) دیکھنے کا اب لطف آگیا۔
صبح کی خصوصیت اس لئے ھے کہ شیخ صبح کو اُٹھتا ھے اور سجدۂ صبح فضیلت
رکھتا ھے - رندانہ خیال خوب ھے —

قہر: پھول کر پھر نہ تو جامے میں سمائے اپنے
کس نے تجکو نگۂ باز پسیں دیکھ لیا

اصلاح: پھول دامن میں جو تو لیکے گئی آنکھوں سے
کس نے تجکو نگۂ باز پسیں دیکھ لیا

"گُل بہ امن شدہ" حصول مراد کے معنی میں محاورہ ھے - آنکھوں سے جانا
بھی خوب ھے - غرض کہ اصلاح کا ایک ایک لفظ قابل داد ھے —

قہر: تم کھنچے بیٹھے تھے کھنچکر چلے آے مرے گھر
جذب کامل میں اثر ھے کہ نہیں دیکھ لیا

اصلاح: تھے بہت مجھسے کھنچے کھنچ کے چلے آے تم
کشش دل میں اثر ھے کہ نہیں دیکھ لیا

'قہر' کے مصرع اولیٰ سے اس کا پتہ نہ چلتا تھا کہ کس سے کھنچے بیٹھے تھے۔ اصلاح
سے صاف ھوگیا۔ "جذب کامل" سے "کشش دل" میں زیادہ لطف ھے —

قہر: دیکھکر آئینے میں عکس کو اپنے بولے
اے 'قہر' ھم نے نیا ماہ جبیں دیکھ لیا

اصلاح : دیکھکر آئینے میں عکس کو ھنسکر بولے
اے 'قمر' ہم نے نیا ماہ جبیں دیکھہ لیا

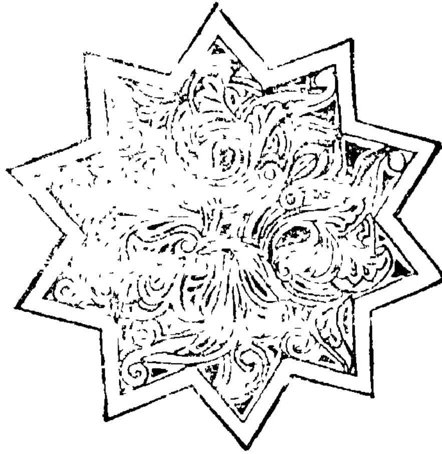
پہلے مصرع میں بجاے "اپنے" کے "ھنسکر" بنا کے مقطع کو اور شوخ کردیا —

'خوشتر' پروپرائٹر "تحفۂ خوشتر" :—

خوشتر: میں نے دل میں تجھے اے ماہ جبیں دیکھہ لیا
آنکھہ سے جلوۂ خورشید مبیں دیکھہ لیا

اصلاح: میں نے دل میں تجھے اے ماہ جبیں دیکھہ لیا
ذرے میں جلوۂ خورشید مبیں دیکھہ لیا

ایک زرا سے لفظ " زرہ " نے مطلع کو کس قدر بلند کردیا - اصلاح اسي کا نام ھے —



هندوستانی مصنفین
اور
اُن کی تصانیف

از
(گارساں دتاسی)

[اس رسالے کا ترجمہ مسز پکتھال نے انجمن کے لئے فرانسیسی سے انگریزی میں کیا اور انگریزی سے اردو میں کر کے شایع کیا جاتا ہے۔ گارساں دتاسی کو اُردو زبان سے جو ذوق تھا اور جو قابل قدر کام اُنھوں نے اُردو زبان وادب کے لئے کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ان کا ضخیم تذکرۂ شعرائے اُردو اور دوسری کتابیں اس کی شاہد ہیں - اڈیٹر۔]

سنسکرت جو قدیم آریوں کی زبان تھی ، ہندوستان کی جسے ویدوں میں سپت‌سندھو یعنی سات دریاؤں* والے ملک سے موسوم کیا گیا ہے کبھی عام زبان نہیں ہوی تھی۔ سنسکرت کے ڈراموں میں یہ خاص اور بڑے اشخاص کی زبان ہے۔ عورتیں اور عوام ایک دوسرے قسم کی بولی ' پراکرت ' استعمال کرتے تھے - پراکرت کے معنی غیر شایستہ اور سنسکرت کے معنی شایستہ کے ہیں † جیسا کہ بعض

---

* یعنی پانچ دریا پنجاب کے اور سندھ اور سرسوتی —

† ڈراما نویسی سے قبل بدھ مت کی تصانیف اور اشوک کے کتبے ایک قسم کی پراکرت ہی میں لکھے گئے تھے جو اُس وقت مقبول زبان تھی —

هندوستانی مصنفین نے ہم کو باور کرایا ہے*'پراکرت ہمیشہ دھلی میں بولی جاتی تھی اور 'بھاشا' یا 'بھاکا' یعنی دیسی زبان کہلاتی تھی - سنسکرت سی قوی اور غالب زبان نے اِس کو جلا دی اور " ھندوستانی زبان " (ھندی) کے نام سے موسوم ہوئی - یہ نام سنسکرت کو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا تھا †—

سنہ ۸۰۰ء کے آغاز ھی میں مسلمان ھندوستان میں فاتح کی حیثیت سے پہنچے- محمود غزنوی نے سنہ ۱۰۰۰ع کے لگ بھگ سب سے بڑھکر شاندار فتوحات حاصل کیں اور اُسی وقت سے شہروں میں ھندوستانی ' بھاکا ' میں تغیر واقع ھوا - چارسو سال بعد تیمور لنگ جو قوم کا مغل تھا‡' ھندوستان میں داخل ھوا' دھلی کو فتح کیا اور زبردست سلطنت کی بنیادیں ڈالدیں جس کو آخرکار بابر نے سنہ ۱۵۰۵ع میں مستحکم کیا - اُس وقت ھندوستانی زبان (ھندی) فارسی زبان میں بالکل گُھل مل گئی جس میں عرب فاتحوں کے تسلط اور مذھب کی بدولت بے شمار عربی الفاظ داخل ھوگئے تھے اور اس عجیب وغریب آمیزش سے ھندوستان ساسانی اور سامی لہروں کا سنگم بن گیا جو ایک قسم کی نہایت غیر معمولی لسانی ترکیب ہے$—

---

* " باغ و بہار " اور " آثارالصنادید " کے دیباچوں کا حوالہ دیا جاسکتا ھے —

† البتہ بعض عرب مصنفین نے بول چال کی زبان اور تحریری زبان میں امتیاز نہیں کیا اور دونوں کو گڈ مڈ کردیا ھے - میں نے کسی جگہ لکھا ھےکہ لاطینی زبان میں بھی ایسا ھی ھوا ھےجسے رومن زبان سے کبھی موسوم نہیں کیا گیا تھا - یہ نام صرف اولڈ فرنچ (قدیم فرانسیسی) کے لئے مخصوص کردیا گیا ھے' جو کہ عہد وسطیٰ میں سہل کرکے بدلی گئی تھی اور گالز (Gauls) کی قدیم زبان کے بچے کھچے لفظوں سے اُسے سنوارا گیاتھا -

‡ یہی وجہ ھے کہ ھندوستانی ' دھلی کی مسلمان سلطنت کو مغل سلطنت کہتے ھیں اور بادشاہ کو مغل اعظم کہا کرتے تھے - ماسوا ھندوستان میں مغل کا خطاب اُن تمام مسلمانوں کو دیا جاتا ھے جو شمال سے آے خواہ وہ نسلاً ایرانی تھے یا تاتاری —

$ میرا مقصد عربی سے ھے کیونکہ اصلی فارسی الفاظ ھندی زبان کے خاندان میں شامل ھیں —

اِس طرح دوھری ھند - اسلامی زبان وجود میں آگئی ' یعنی شمالی زبان اور جنوبی زبان - شمال کی ھندوستانی کو اُردو* کا نام ملا کیونکہ اُسی نے شاھی اُردو(لشکر)میں جنم لیا تھا اور جنوب یا دکھن کی دکھنی کہلائی-لیکن ھندی فنافہیں ھوئی - وہ فارسی یا عربی الفاظ کی آمیزش بغیر " دیوناگری " تحریر میں ایسے ھندوؤں میں جاری رھی ' جنھیں مسلمانوں سے ملنے کا (خاص کر دیہات میں) شاذ و نادر ھی اتفاق ھوتا تھا - غرض اِس طرح دو ھندوستانی زبانیں ھو تو گئی تھیں ایک' لیکن پیرایہ مختلف تھا ؛ گویا وحدت میں دوئی کا رنگ تھا † —

ھندوستانی زبان یا ھندوستانی (یعنی ھندوستان کی زبان) کی یہ تفریق (یعنی ھندی اور اُردو) مذھب نے پیدا کی ھے اور اِس لئے عام طور پر یہ کہا جاسکتا ھے کہ ھندی ' ھندوؤں کی اور اُردو مسلمانوں کی زبان ھے —

یہ ایک مسلم امر ھے کہ اُن ھندوؤں نے جنھوں نے اُردو زبان میں تالیف و تصنیف کی ھے' مسلمانوں کے طرز کی نقل کی ھے بلکہ مسلمانوں کے تخیلات کو بھی جذب کیا ھے اور اُن کی نظموں کو پڑھکر یہ پہچاننا کہ یہ کسی ھندو کی ھیں ' بہت مشکل ھے —

عموماً ھندی نظمیں اُردو اور دکھنی نظموں کے نسبت زیادہ پر زور ھوتی ھیں - وہ قدیم عربی نظموں سے مشابہ ھیں ' جن میں یہی صفات پائی جاتی ھیں- ٹامسن کا وہ شعر جو حسن پر ھے' دونوں پر صادق آتا ھے :—

---

* زبان اُردو " لشکر کی زبان " ھے ' جیسا کہ آیندہ چل کر معلوم ھوگا —

† ایم - جے - بیمس ' مصنف ھندی لسانیات ؛ مجھے مطلع فرماتے ھیں کہ حال کی مردم شماری کی رو سے سات کروڑ ھندوستانیوں سے زاید ایسے ھیں جن کی مادری زبان ھندوستانی ھے ' اِس کے علاوہ یہ تمام ھندوستان اور قرب و جوار کے ممالک میں سمجھی جاتی ھے - آنریبل مسٹر ارسکن پیری پریزیڈنٹ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی نے اُس سوسائٹی کے جنوری نمبر سنہ ۱۸۵۳ع میں ایک دلچسپ مضمون " جغرافیہ کے رو سے ھندوستان کی خاص زبانوں کی تقسیم" کے عنوان سے لکھا ھے اور اُس کے ساتھہ ھی ایک نقشہ بھی دیا ھے جس سے ایک نظر میں یہ بیان صاف سمجھہ میں آجاتا ھے —

"اُسے بیرونی آرایش سے مرصع ہونے کی حاجت نہیں ہے"

"بلکہ بغیر آرایش کے ہی وہ نہایت آراستہ معلوم ہوتی ہے" *

ایک عرصہ دراز تک ہندو ادبی مضامین سنسکرت میں اور مسلمان فارسی میں لکھتے رہے اور عام زبان عام پسند گیتوں میں استعمال کرتے رہے، لیکن شدہ شدہ مستند اور مشہور تصانیف نے ہندوستانی زبانوں کو ایک حالت میں قایم کردیا، جن میں بقول ایک عالم ہندیات (واسن کے ایک وافر اور نہایت دلچسپ ادب کا ذخیرہ پایا جاتا ہے † —

حال کے ایک مصنف سید احمد نے اپنی کتاب "آثارالصنادید" میں "اُردو زبان کے بیان" کے عنوان سے اس بارے میں یہ لکھا ہے‡ —

"ہندؤں کے راج میں تو یہاں ہندی بھاشا بولی چالنے، لکھنے پڑھنے میں آتی تھی - سنہ ۵۸۷ ھجری مطابق سنہ ۱۱۹۱ عیسوی موافق سمت ۱۲۴۸ بکرماجیت کے جب مسلمانوں کی سلطنت نے یہاں قیام پکڑا تو بادشاہی دفتر فارسی ہوگیا - مگر زبان رعایا کی وہی بھاشا رہی - سنہ ۸۹۴ ھ مطابق سنہ ۱۴۸۸ ع تک بجز بادشاہی دفتر کے رعایا میں فارسی کا رواج نہیں ہوا - اس کے چند روز بعد سلطان سکندر لودھی کے عہد میں سب سے پہلے ہندؤں میں سے کائستوں§ نے جو ہمیشہ سے امورات ملکی اور ترتیب دفتر میں مداخلت رکھتے تھے فارسی لکھنا

---

* (از موسم، خزاں)- باغ و بہار میں ایک شعر ہے جو اسی مضمون کو اس سے زیادہ خوبی سے ادا کرتا ہے :—

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیوے
کہ جیسے خوشنما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

† میں نے یہ الفاظ اپنی کتاب "تاریخ ہندوستانی ادبیات" میں تمہید کے طور پر استعمال کئے ہیں —

‡ صفحہ ۱۰۴ - باب سوم —

§ اِس لفظ کی تشریح آگے کی جائے گی —

پڑھنا شروع کیا؛ پھر رفتہ رفتہ اور قوموں نے بھی شروع کرلیا اور فارسی لکھنے پڑھنے کا ہندؤں میں بھی رواج ہوگیا —

اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھہ تغیر و تبدل نہیں ہوئی تھی ' مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے - پر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں کے زمانے سے یعنی حضرت مسیح سے تیرھویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کئے تھے اور کچھہ پہیلیاں اور مکریاں اور نسبتیں • ایسی زبان میں کہی تھیں جس میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے - غالب ھے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ھی سے ملاپ شروع ہوا ہو مگر ایسا نہ تھا جس کو جدا زبان کہا جاے - جب کہ شاہجہاں بادشاہ نے سنہ ۱۰۵۸ھ مطابق سنہ ۱۶۴۸ع کے شہر شاہجہاں آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا ' اس زمانے میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بہ سبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدل ہوگئی - غرض کہ لشکر بادشاہی اور اُردوئے معلی † میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہوگئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا - پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہوکر اس زبان کو اُردو کہنے لگے - رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی ' یہاں تک کہ تخمیناً سنہ ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ع کے یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شعر کہنا شروع ہوا —

اگرچہ مشہور ھے کہ سب سے پہلے اس زبان میں ولی نے شعر کہا مگر خود ولی کے اشعار سے معلوم ہوتا ھے کہ اُس سے پہلے بھی کسی نے اس زبان میں شعر کہا ھے

• اِس لفظ کی تشریح آگے کی جاے گی —

† اُردوئے معلی کے لفظی معنی بڑے لشکر کے ھیں - لیکن یہ لفظ بڑے بازار کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا - پرانے مصنفین کا یہ بیان ھے کہ اس بازار میں مسلمان اور ہندو سپاھیوں کے میل جول سے یہ لسانی اختلاط پیدا ہوا —

کیونکہ اُس کے شعروں میں اور شاعروں کی زبان پر طنز نکلتی ھے - مگر اُس زمانے کے شعر بہت پھیکے اور نہایت سست بندش کے تھے؛ پھر دن بدن اس کو ترقی ھوتی گئی، یہاں تک کہ میر* اور سودا نے اُس کو کمال پر پہنچا دیا "—

بہرکیف اس آخری دور سے قبل حاتم اپنے دیوان زادہ کے دیباچے میں جو اُنھوں نے سنہ ۱۷۵۰ع میں مرتب کیا، لکھتے ھیں :- " میں نے تحریر کے لئے وہ زبان اختیار کی ھے جو ھندوستان کے تمام صوبوں میں مستعمل ھے یعنی ھندی' جسکو بھاکا بھی کہتے ھیں کیونکہ عوام اس کو سمجھتے ھیں اور ساتھ ھی ساتھ خواص میں بھی مقبول ھے" - بہر حال جو کچھ سید احمد کہتے ھیں وہ پورے طور پر صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا - بات یہ ھے کہ اھل مشرق میں تخیل اس قدر زیادہ ھوتاھے کہ وہ کسی مسئلےکے تمام پہلوؤں پرصحت کے ساتھہ غور نہیں کرسکتے- سید احمد کہتے ھیں کہ مسلمانوں کی فتوحات سنہ ۱۱۹۱ع سے سنہ ۱۶۴۸ع تک زبان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں پیدا ھوا لیکن میرامن‡ اس کے برعکس کہتے ھیں- "جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اِس خاندان لاثانی کی سنکر حضور میں آکر جمع ھوے - لیکن ھر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی، اکٹھے ھونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اُردو کی مقرر ھوی" —

اور مزید یہ کہ گیارھویں صدی کے اختتام سے قبل غالباً سنہ ۱۰۸۰ع میں

---

*میر نے نکات الشعرا کے دیباچے میں اس کی طرف اشارہ کیا ھے یعنی وہ کہتے ھیں " ریختہ از دکن است " —

† یہ لفظ ھندی کے مرادف استعمال کیا جاتا ھے' جس کے معنی عام " ھندوستانی زبان " ھیں - اگر صحیح صحیح کہا جاے تو ھندی قدیم ھندوستانی بھاکا ھے جس میں عربی یا فارسی کا کوئی میل نہیں ھے اور دیوناگری حروف میں لکھی جاتی ھے ھندی، حال کی جدید ھندو زبان ھے —

‡ دیباچۂ باغ و بہار —

مسعود بن سلمان نے اشعار ریختہ میں ایک دیوان لکھا جس کا مفہوم وہی معلوم ہوتا ہے جو سید احمد نے بیان کیا ہے۔ ہندی الفاظ فارسی میں مل جل گئے، جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں اُردو زبان ہے - علاوہ بریں بہت سے تذکرے نویس اشعار ریختہ کو سعدی* سے منسوب کرتے ہیں جو اس نے سنہ ۱۱۵۰ء سے ۱۱۸۰ء تک دکن میں لکھے-کمال تو اپنے دیوان میں اُس کو موجد زبان ریختہ لکھتا ہے- لیکن "دکن یا جنوب" میں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کیونکہ مسعود نے اس سے ایک سو سال قبل ریختہ میں اشعار کہے ہیں - بہر حال اِس سے ایک سو سال بعد ہی خسرو اور نوری نے ریختے میں غزلیں کہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد پھر جنوب ہی میں اُس بولی میں جسے دکنی کہتے ہیں ریختہ اشعار لکھے گئے، یہی طرز آخر کار شمالی (ہندوستان) کے شاعروں نے اپنی نظموں کے لئے اختیار کیا، وہاں اس سے قبل تک عام طور سے فارسی مستعمل تھی - پس سولھویں صدی میں ہم بہت سے نامور شعرا کے نام پاتے ہیں - مثلاً شاہان گولکنڈہ، قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تاناشاہ، افضل، ولی، غواصی، رستمی وغیرہ وغیرہ- شمالی ہند کے شعرا نے کہیں اٹھارویں صدی عیسوی میں شہرت حاصل کی - حاتم جو سترھویں صدی کے آخر میں ہوا دہلی کا غالباً پہلا شاعر ہے جس نے اُردو میں لکھنا شروع کیا اور وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ اُسنے عام زبان

---

* اصل تذکروں میں بیان کیا گیا ہے کہ سعدی سوسال تک زندہ رہے (پیدایش سنہ ۱۱۹۳ھ وفات سنہ ۱۲۹۶ھ) اور تیس سال تعلیم میں تیس سال سفر میں اور تیس سال گوشہ نشینی میں گزارے اگر بچپن کے ۱۳ سال تعلیم کے تیس سال میں ملائے جائیں تو ۴۳ سال ہوتے ہیں لہذا سنہ ۱۱۵۰ھ سے سنہ ۱۱۸۰ع تک انھوں نے سفر کیا - اور کلام ریختہ جو اُن سے منسوب کیا جاتا ہے ضرور کہا ہوگا —

(مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے- یہ سعدی شیرازی نہیں بلکہ دوسرا شخص ہے جو اس تخلص کا اسی ملک میں ہوا ہے - اڈیٹر)

(اُردو) میں لکھنے کا اس وقت فیصلہ کیا جب کہ ولی کا دیوان دھلی پہنچا اور پھر (شمال کے) دیگر شعرا نے اُس کی تقلید کی —

سنہ ۱۸۲۸ ع سے جب کہ نامور گلکرست نے جو انگریزوں میں ھندوستانی زبان کی تعلیم اور مطالعہ کا بانی ھوا ھے ' اپنی اُردو قواعد میں ایک تذکرے کا حوالہ دیا ' مجھے اِس زبان کی ادبی تاریخ کا شوق پیدا ھوا - متواتر تحقیق اور تلاش سے مجھے سات تذکرے دستیاب ھوے اور باوجود ناکافی سامان کے میںنے ھندوستانی ادب کی تاریخ لکھی ' جو گرچہ ایک نامکمل تالیف ھے لیکن اپنی نوعیت کی ایک ھی کتاب ھے - اس کتاب کا ھندوستانی زبان میں بھی ترجمہ ھوگیا ھے اور اس سے انگریز مستشرقین میں بھی اس زبان کے متعلق شوق پیدا ھوچلا ھے - اُن کی اور میری تحقیقات نے ملکر بہت سے نئے تذکروں کا پتہ چلایا مگر میں ان سے زیادہ استفادہ نہ کرسکا کیونکہ ان میں سے متعدد تذکرے ایسے ھیں جو اب تک دستیاب نہیں ھوے اور بعض کا پتہ صرف اس طرح لگا کہ بعض مصنفین نے ان کا حوالہ اپنی کتابوں میں دیا ھے - ابھی بہت سے ایسے ھونگے جن کا نام و نشان مجھے اب تک معلوم نہیں ھوا ھے —

اس سے بآسانی یہ قیاس ھوسکتا ھے کہ اس کتاب کے جدید اڈیشن کے لئے میرے پاس کس قدر جدید سامان مہیا ھوگیا ھے ' لیکن اس وقت میں مختصراً صرف اُن تذکروں اور کتابوں کا ذکر کروں گا جو میں اِن ذرائع سے معلوم کر سکا ھوں —

اھل ایران اور اُن کے تتبع میں ھندی مسلمان سوانح (اور خاص کر ھم عصر لوگوں کے سوانح) لکھنے کے بہت شوقین تھے' اور جیسا کہ ھمارے ھاں کا حال ھے' ن میں صرف تاریخ وفات مفقود نظر آتی ھے - لیکن یہ تذکرے بجاے تجارتی مفاد کے ادب کا اھم جز ھیں - ان تذکروں میں مؤلفین مشہور اور دوست شاعروں کی مدح سرائی دل کھول کے کرتے ھیں اور اس حیلے سے انھیں اپنی فصاحت و بلاغت اور انشا پردازی دکھانے کا خوب موقع ملتا ھے اور عمدہ عمدہ اشعار انتخاب کر کے اپنے ذوق سلیم کا اظہار کرتے ھیں - در حقیقت یہ تذکرے ایک قسم کے منتخبات

(یا بیاضیں) ھیں ، جن میں شعرا کی زندگی کے حالات پُر شکوہ اور شاندار مدح سرائی تک محدود ہوتی ھے جو بعض اوقات مسلسل کئی کئی صفحے تک چلی جاتی ھے ، اور اکثر اس میں سوائے شاعر کے نام کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا - بعض اوقات مدح کے بعد دس ، بیس ، تیس صفحے تک انتخابات ہوتے ھیں اور کبھی صرف دو تین شعر ھی نمونے کے دیدئے جاتے ھیں اور کبھی صرف ایک ھی شعر ہوتا ھے - تذکرہ نویس ان تذکروں میں اپنی روشناسی اور شہرت کا بھی پہلو نکال لیتے ھیں، بعض مصنفین یا شعرا کا ذکر کرتے کرتے اپنا نام بھی کہیں نہ کہیں لے آتے ھیں - اکثر اوقات وہ اپنے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھتے ھیں ، جنھیں دیکھ کر یہ آرزو پیدا ہوتی ھے کہ کاش وہ دوسرے شعرا کے حالات بھی اسی طرح لکھتے؛ اور اپنے اشعار نقل کرنے میں بھی کبھی نہیں چوکتے - یورپ میں سوانح عمری کے مؤلف کی کوشش یہ ہوتی ھے کہ جہاں تک ممکن ھو مصنفین یا شعرا کے ذاتی حالات تفصیل سے بیان کئے جائیں ، اس کے بر خلاف ھندوستانی تذکروں میں ذاتی حالات کی تفصیل مطلق نہیں ہوتی - صحت کا بھی بہت کم خیال کیا جاتا ھے - اُن شاعروں کو قدیم کہا جاتا ھے جو کسی دوسرے سے پہلے گزرے ھیں اور مؤلف اپنے ھم عصروں کو شعرائے جدید لکھتا ھے - تاریخ اور سنہ اور خاص کر تاریخ پیدایش اِن تذکروں میں شاذ و نادر ھی ہوتی ھے ، کیونکہ اهل مشرق پیدائش کا رجسٹر نہیں رکھتے اور عموماً اپنی عمر نہیں جانتے - اس لئے اس کے اشعار کی زبان دیکھ کر یہ قیاس کرنا پڑتا ھے کہ یہ کس زمانے یا کس صدی کا شخص ھے ، لیکن اس میں بھی بڑی دشواری واقع ہوتی ھے کیونکہ کتابوں کی نقل درنقل میں بہت سے الفاظ کچھ کے کچھ ہوجاتے ھیں —

بہرحال ان تذکروں کے مؤلف بہت بھی کم درجے اور بعض اوقات گمنام شعرا کے ناموں سے اپنی کتابوں کو ضخیم بنانے کی کوشش کرتے ھیں - یہی حال ھمارے ھاں کے سوانح لکھنے والوں کا ھے جو اپنی تالیف کا حجم بڑھانے کے لئے کھود کھود کے

گمنام لوگوں کا حال لکھتے ھیں- ایسے ھی موقع کے لئے کوپر نے یہ شعر لکھے ھیں —

" ایسے بے حقیقت ناموں کو جو بھولنے کے لئے پیدا

ھوے ھیں، غیر فانی شہرت دینے کی کوشش

سعیِ لاحاصل ھے - تاریخوں میں اُن کا ذکر کرنا کہ

آیندہ نسلیں ان کی طرف متوجہ ھوں، محض بیکار ھے"—

ایسے تذکرے، ظاھر ھے، عمدہ تنقید کے نمونے نہیں ھوسکتے- ان تذکروں میں جہاں کہیں ایک ھی نام کے دو یا کئی شاعر آجاتے ھیں تو وھاں بڑی پریشانی لاحق ھوتی ھے اور تفصیلی حالات نہ ھونے کی وجہ سے صحیح اور قطعی فیصلہ نہیں ھوسکتا- تاھم یہ تذکرے ایک خاص قسم کی تالیف ھیں، جو دلچسپ بھی ھیں اور قابل قدر بھی، اور یہی وجہ ھے کہ بہت سے لوگوں نے اس قسم کی تالیفات پر طبع آزمائی کی ھے - ان تذکروں میں ضمناً ایسی باتیں نکل آتی ھیں جو ھندوستان کی ادبی تاریخ کے لئے اھم ھیں - مثلاً ان کے مطالعہ سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ ھندوستانیوں میں ادب و شعر کے مجمع ھوتے ھیں جنھیں مشاعرے کہتے ھیں، یہ ایک قسم کی ادبی مجلسیں ھیں جو شاعری کی مشق اور ذوق پیدا کرنے کے لئے کی جاتی ھیں : جہاں شعرا اور اھل ذوق میں فی البدیہہ یا پہلے سے تیار کئے ھوے اشعار میں خوب خوب مقابلہ ھوتا ھے- ایسی مجلسیں ھندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں منعقد ھوتی ھیں، جن میں عموماً پندرہ یا بیس شخص ھوتے ھیں : یہ سب اچھے پڑھے لکھے اور ممتاز خاندانوں کے لوگ ھوتے ھیں- مولوی کریم الدین نے، جن کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا کچھہ عرصہ ھوا، ایک خاص رسالہ " گُل رعنا " میں جو دھلی سے شایع ھوا ھے ایسے مشاعروں کی نظموں وغیرہ کا ذکر کیا ھے - ان کے علاوہ ایسی مجلسیں بھی ھوتی ھیں جہاں قصہ خواں قصے سنا سنا کر لوگوں کو رجھاتے ھیں - انھیں قصہ خوانوں میں ایک مرزا حسن تھے؛ جو قومی قصے وہ بڑی خوبی سے بیان کیا کرتے تھے-

وہ قلمبند کر لئے گئے ھیں* —

اِن تذکروں میں ترتیب حروف ابجد کے لحاظ سے ھوتی ھے - اور یہ ترتیب تخلصوں کے اعتبار سے کی جاتی ھے- لیکن بعض میں ترتیب مختلف بھی ھوتی ھے —

بہت سے ھندوستانی تذکرے فارسی میں لکھے گئے ھیں' کیونکہ کچھہ عرصہ پہلے تک اخلاقی اور علمی کتابیں اسلامی ھند کی علمی زبان میں تالیف ھوتی تھیں- پہلے ھمارے ھاں بھی یہی حال تھا' مثلاً توبانے (سلوی اس) نے فرانسیسی زبان کی نحو لاطینی میں لکھی اور پیٹرارک نے اپنی اطالوی نظموں کی شرح لاطینی میں تالیف کی تھی —

اسی خیال سے کہ ھندوستانی تذکروں کی خوبیوں اور نقائص کا کامل اندازہ ھوسکے (یہ خیال رھے کہ ان تذکروں میں خوبیوں کے مقابلے میں عیوب زیادہ ھوتے ھیں میں یہاں دو بیان نقل کرتا ھوں - یہ دونوں سرز' لطف علی خاں کے تذکرے " گلشن ھند " سے لئے گئے ھیں - ایک ان میں سے طویل ھے اور دوسرا مختصر—

مختصر بیان نامور شاعر حاتم کا ھے جس کا ذکر میں ابھی کرچکا ھوں اور جس کے حالات دوسرے تذکرے نویسوں نے کسی قدر تفصیل سے بیان کئے ھیں —

''حاتم تخلص' شاہ جہان آبادی' مشہور ریختہ گویوں میں سے دلی کے تھا ؛ ھم عصر شاہ نجم الدین آبرو اور میرزا رفیع سودا کا- شاعر خوش بیان تھا ' صاحب دو دیوان تھا- ایک دیوان میں خرچ ابہام کیا ھے' اور دوسرا بطور متاخرین سرانجام کیاھے- جامع ھے طور متاخرین اور طرز ابہام کا " —

(اس کے بعد اس کے کلام میں سے بیس اشعار کا انتخاب کیا ھے جس کا نمونہ میں پہلے دے چکا ھوں) —

---

* سکریٹری انجمن ترقیٔ دیسی تعلیم کی رپوٹ بابت ششماھی سنہ ۱۸۶۵ع' مرتبۂ ڈاکٹر سپر نگر —

دوسرا بیان شاہ ابوالحسن بادشاہ گولکنڈہ کا ہے جو ۱۰۸۰ھ (سنہ ۷۳-۱۶۷۲ ع) میں تخت پر بیٹھا اور جب اورنگ‌زیب نے ۱۶۹۰ ع میں گولکنڈہ فتح کیا تو قید کر لیا گیا اور اسی حالت قید میں سنہ ۱۷۰۴ ع میں انتقال کر گیا - وہ اپنے پیشرو عبداللہ‌قطب شاہ کی طرح ہندوستانی کا شاعر ہی نہیں تھا بلکہ ہندوستانی ادب کا سرپرست بھی تھا۔ اور منجملہ اس‌کے دوسرے عہدہ داروں‌کے مرزا ابوالقاسم‌کی‌نسبت بیان‌کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں دکن کے مشہور شعرا میں شمار کیا جاتا تھا —

" نام نامی اور اسم گرامی اس بادشاہ عشرت دوست کا ابوالحسن تاناشاہ ہے - سلاطین نامدار اور خواقین عالی مقدار دکون سے تھا - اگرچہ شہرہ عیش ونشاط کا اور آوازہ مسرت و انبساط کا اس عیش مجسم کا ماہ سے ماہی تک مشہور ہے' لیکن کچھہ تھوڑا سا احوال اس سرابرآرائے بارگاہ عیش و کامرانی کا یہاں لکھنا ضرور ہے —

جس ایام کہ عالم گیر خلد مکاں نے عادل شاہی اور نظام شاہیوں کو زیر و زبر کیا اور صوبہ دکن کو بعد بہت سی خرابی کے لیا ' تو ابوالحسن تاناشاہ بھی نظربندی میں آے اور فلک نیرنگ بازنے بدلے اس عیش و عشرت کے اور ہی رنگ دکھاے - سامان عیش سب برہم ہوا اور مجمع ارباب نشاط حلقۂ ماتم ہوا- خلد مکاں نے جس قدر تنگی اُن کے اوقات میں چاہی ' اُنھوں نے قبول کیا ' لیکن حقے کے مقدمے میں بہت سماجت کے ساتھہ اتنی بات کہلا بھیجی کہ اس کا شوق مجھے نہایت ہے ' جو رعایت کہ اس کے سامان میں ہوگی وہ عین عنایت ہے —

از بسکہ یہ بادشاہ عشرت دوست آٹھہ پہر نشۂ عیش میں مخمور رہتا تھا ' حقہ ایک دم منہ سے نہیں چھٹتا تھا ' اور یہ بھی معمول تھا کہ بعد ہر چلم کے ایک شیشے سے گلاب کے حقہ تازہ ہووے ' پھر ایک شیشے میں بید مشک کے حقہ بردار نیچے کو بھگو وے - شغل میں عیش و نشاط کے از بسکہ راتوں کو کم سوتے تھے' سینکڑوں شیشے گلاب خالص اور عرق بید مشک کے دن رات میں خرچ ہوتے تھے-

یہ سب احوال مفصل خلدمکاں کو معلوم تھا - علاوہ اس کے بادشاہ نے اس عجز سے کہلا بھیجا ' بارے سولہ شیشے گلاب کے اور آٹھ شیشے بید مشک کے حکم فرمائے اور مطابق حکم عالی کے سرکار اعلیٰ سے کئی دن بمعرض وصول بھی آئے —

سبحان اللہ ! یاتوحقہ آٹھ پہر منہ سے نہیں چھٹتا تھا' اور اُن کے دود محفل کے رشک سے دھواں حسد کا حقہ سر آسماں میں گھٹتا تھا ' یا پیچ سے فاک حقہ باز کے آٹھ چلمیں دن رات میں یہ پیتے تھے اور گھونٹ گھونٹ کر عجب پیچ و تاب کے ساتھ جیتے تھے —

اس میں بعد کئی دن کے حضرت خلد مکاں نے فرمایا کہ سولہ شیشے گلاب اور بید مشک کے ہر روز حقے کے مصرف میں آنے اسراف ہے ' اور امورات شرعی میں پاس خاطر بھیجا بیجا اور تکلف رسمی معاف ہے* آٹھ شیشے ہر روز یہاں سے جایا کریں- ایک شیشے سے بعد ہر چلم کے حقہ تازہ کو کے آٹھ چلمیں دن رات میں پئیں—

جب حضور سے ہر روز آٹھ شیشے آنے لگے تو یہ دن رات میں لاچار چارچلموں سے دل بہلانے لگے - یہ ماجرا سن کر خلد مکاں نے ضد کے مارے چارشیشوں کی اور تخفیف کی- انھوں نے اپنے حقہ بردار کو دو چلموں کی پروانگی دی. بعد کئی دن کے جب دو شیشے اور کم ہوے تو ایک چلم دن رات میں یہ پیا کرتے تھے' جس دن ان دو شیشوں کا آنا بھی موقوف ہوا ' بعد تین دن کے حقہ بردار نے عرض کی کہ فدوی نے جہاں پناہ کی دولت سے اتنا کچھہ بعد خرچ کے جمع کیا ہے کہ دس چلمیں روز اسی خرچ کے ساتھہ سالہاے سال پلا سکتا ہے ' اُمید ہے کہ بھیتی خانے کے خرچ کا غلام کو حکم ہووے کہ نہال نمک حلال کا زمین میں سرخروی کے بووے - ارشاد فرمایا کہ حضرت اعلیٰ کو امورات شرعی کابہ شدت دھیان ہے- اگرچہ مسجد کا کھود ڈالنا' خزانہ

---

* پکے مسلمان کھانے اور لباس میں بیجا تکلفات سے پرھیز کرتے ھیں وہ کافی اور تمباکو نیز دوسرے قسم کے عیش و عشرت سے بھی جس کا تاناشاہ عادی تھا ' اجتناب کرتے ھیں —

اس کے نیچے گڑا سن کر، نہایت آسان ھے ' تو جو ھمارے مصرت بیجا کا کفیل ھوتا ھے، ابھی ایک دم میں جمع پونجی کھو کے سر پر ھاتھہ دھر کے روتا ھے - غرض اس دن سے پھر حقہ نہ پیا، جب‌تک کہ اُن کی نظر بندی میں رھے اور اس سرائے فانی‌سے عالم باقی کو تشریف لے گئے —

سبحان اللہ! چشم حقیقت بیں سے اگر کوئی دیکھے تو دنیا جائے حسرت ھے ' بلکہ خانۂ زحمت —

کدھر ھیں خسرو جم لطف کیقباد کدھر
کہاں سکندر و دارا کہاں ھے کیکا وس
جو مست جاہ ھیں دیکھیں وہ چشم عبرت سے
کچھہ ان کے ساتھہ گیا، غیر حسرت و افسوس؟

اگرچہ ملک گیری اور کشور ستانی کے معاملے کو سمجھنا شاھان عالی تبار پر ختم ھوا ھے، گدائے گوشہ نشیں کو دخل اِن امورات میں کیاھے- لیکن بعضے دانشمند کہتے ھیں کہ خلد مکاں نے استیصال بادشاھان دکن کا جو اس محنت سے کیا اور مکہ مسجد کو کُھدوا کے * وہ کچھہ مظلمہ اپنی گردن پر لیا ' خدا جانے اس حرکت کا کیا مفاد ھے- تحصیل حاصل سے بھی اس میں کچھہ کیفیت زیادہ ھے- کس واسطے کہ پیش از تسخیر دکن کے بھی خراج و باج اس طرف سے چلا آتا تھا اور بادشاہ ھندوستان کا شہنشاہ کہلاتا تھا - مآل اس مشقت کا اعجوبہ نظر آیا کہ اس تردد نے شاھنشاہ کو بادشاہ کر دکھایا —

واقف رموز ملک سے ھیں شاہ و شہر یار
ھے تو گدائے گوشہ نشیں لطف کچھہ نہ بول†

---

* مکہ مسجد حیدرآباد کا کھدوانا خلاف واقعہ ھے — (مترجم)

† مصنف نے حافظ کے اس شعر کا ترجمہ کیا ھے :—

رموز مملکت خویش خسرواں دانند   گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

مترجم

غرض شاہ عالیجاہ ابوالحسن تاناشاہ کی طرف لوگ اس مطلع کو منسوب کرتے ہیں اور باعتبار محاورۂ دکن کے اور بندش قدیم کے کہ اس مطلع میں ہے، ابراهیم خاں مرحوم * بھی گفتگو پر لوگوں کی گوش دل کو دھرتے ہیں مطلع یہ ہے:—

کس در کہوں، جاؤں کہاں، مجھ دل پو بھل بچھرات ہے
اک بات † کے ہونگے سجن، یاں جی ہی بارہ بات ہے ‡ "

اگرچہ جنوب کی ہندوستانی بولی یعنے دکنی میں بمقابلہ شمالی بولی یعنے اُردو کے طویل نظمیں پائی جاتی ہیں، شمالی زبان یا اُردو میں زیادہ تر غزلیں، قصیدے یا چھوٹی چھوٹی مثنویاں دیوانوں میں محفوظ ہیں، تاہم شمال کی زبان کو ہمیشہ تفوق حاصل رہا ہے، کیونکہ وہ بہت باقاعدہ لکھی جاتی ہے۔ اور اسی لئے تمام تذکرے جن کا میں ذکر کروں گا اُردو شاعروں سے متعلق ہیں، دکنی شعرا کا ذکر محض ضمناً آجاتا ہے۔ میرے قول کی تصدیق میر کے اس بیان سے ہوتی ہے جو وہ نکات الشعرا کے دیباچے میں فرماتے ہیں:—

" اگرچہ ریختہ در دکن است، چوں از انہا یک شاعر مربوط بر نخاستہ، لہذا شروع بنام آنہا نہ کردہ و طبع ناقص مصروف اینہم نیست کہ احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد، مگر بعضے از آنہا نوشتہ خواهد شد " —

ہندی شعرا کے خاص تذکرے ہیں جنہیں " کب مالا " کہتے ہیں، لیکن جس قدر میرے علم میں آئے ہیں وہ بہت ہی کم ہیں —

مجھے ہندوستانی مصنفین کے تقریباً ستر تذکروں اور منتخبات وغیرہ کا علم

---

* مصنف تذکرہ گلزار ابراهیم —

† (ن) بات گئی—

‡ اس بیان کے ترجمے میں مصنف سے کئی جگہ غلطی ہو گئی - یہاں یہ تمام بیان اصل سے نقل کیا گیا ہے — (مترجم)

ھے - یہ ایک بہت بڑا ذخیرہ ھے' لیکن ھندوستان کی ادبی تاریخ میں ان سے کچھہ کام نہیں لیا جاتا ' اس لئے میں ان میں سے ھر ایک کتاب کا کچھہ ذکر کروں گا—

مضمون زیر بحث کے لحاظ سے ھندی شعرا کے تذکروں کا ذکر سب سے اول ھونا چاھئے ' اس لئے کہ ان میں جن شعرا کا ذکر ھے وہ مقابلةً مقدم ھیں —

۱- بھگت مال (بھگت مالا) درحقیقت وشنوی فرقے کے ایسے سادھوؤں کے تذکرے ھیں جو بھجنوں کے بڑی مصنف ھیں- ھندی در اصل ھندو مصلحین کی زبان ھے' شیوا کے قدیم فرقے کے پیرو ھندی میں نہیں لکھتے' وہ سنسکرت زبان ھی کے شیدائی ھیں - بھگت مال کے بہت سے اڈیشن ھیں ' لیکن اُن کی بنیاد اُن نظموں پر ھے جو " چھپای " کہلاتی ھیں ' اس نام کی وجہ یہ ھے کہ ان میں چھہ مصرعے ھوتے ھیں اور ھر مصرعے میں آٹھہ ماترا ھوتے ھیں جیسے " اشٹپای " کہتے ھیں ' جن میں کا آخری مصرع نظم کے شروع میں دھرایا جاتا ھے - یہ نظمیں ایک قسم کے بھجن یا ھندی کے مقبول مذھبی گیت ھیں جو ھندوی یا قدیم ھندی زبان میں وشنوی سادھوؤں کی تعریف میں ھوتے ھیں ' یہ بھجن بہت مشہور ھیں اور نابھا جی کی بدولت ھم تک پہنچے ھیں - نابھاجی خود سادھو منش آدمی تھے اور مادر زاد اندھے تھے' انھوں نے یہ بھگت مالا سنہ ۱۵۷۴ ع میں لکھی - شاہجہان کے عہد میں (سنہ ۱۶۲۸ ع – ۱۶۵۸ ع) نراین داس نے ان نظموں میں کچھہ اصلاح کی' پھر سنہ ۱۷۱۳ ع میں کرشن داس نے اور اس کے بعد پریاداس نے ان میں کچھہ اضافہ کیا - راگ ساگر نے جو زمانۂ حال کا مصنف ھے اور جس نے راگ کلپادرم مرتب کی ھے (جس کا ذکر میں عنقریب کروں گا) ' بھگت مال کے ایک جدید اڈیشن شایع کرنے کا اعلان کیا ھے' لیکن مجھے اس کی اطلاع نہیں کہ وہ اڈیشن شایع ھوا یا نہیں - اُردو میں بھی اس کا ایک اڈیشن ھے لیکن مجھے اس کا علم نہیں - غرض کہ اصل نظمیں مع اضافے کے بھگت مال کہلاتی ھیں ان میں سے ھر ایک سوانح عمری چھپای سے شروع ھوتی ھےاور جونظمیں کہ بطور شرح کے ھیں وہ ٹیکا کہلاتی ھیں—

میں اپنی کتاب" هندوستانی ادب کی تاریخ " کی تالیف اور اشاعت کے وقت صرف کرشن داس کے اڈیشن سے استفادہ کرسکا - لیکن اب مجھے پریا داس کا قلمی نسخہ بھی دستیاب ہوگیا ہے جو یورپ میں نادر ہے - یہ پریا داس، جس کے معنے محبوب یعنے کرشن کے غلام کے ہیں، بنگال کا رہنے والا تھا - اس صوبے میں ہندو، علاوہ اپنے صوبے کی زبان بنگالی کے ہندی میں بھی لکھتےہیں اور مسلمان ' مثل مسلمانان صوبجات شمال و مغربی ' اُردو استعمال کرتے ہیں - اس شخص کا تعلق وشنویوں کے ایک خاص فرقے سے ہے جس کا بانی نتیانند تھا - بھگت مالا کی شرح جس کا وہ مؤلف ہے* ' کبت کی بحر میں ہے اور اس کا صحیح نام " بھگت رس بودھنی " ہے ' جس کے لفظی معنے " بھگتی کے رس کا عام " ہیں - پریاداس کے بیانات " درش تنت " کے نام سے مشہور ہیں اور بھگت مال " بھگت پر سنیہے" کے نام سے - یہ شخص اس تذکرے کے اڈیشن سے اس قدر مشہور نہیں جس قدر بھگوت کی وجہ سے جس کا یہ مصنف ہے † —

۲- بھگت چر تر (بھگتوں کی تاریخ) ' یہ بھی بھگت مالا ھی کی سی کتاب ہے - اس کا مؤلف گھوا چھدن ہے - یہ چودھویں صدی کا ہندی شاعر ہے اور اس کی تصنیف سے اور بھی چند کتابیں ہیں —

۳- راگ کلپا درم ' جس کے معنے راگ کا درخت مراد یا شجر بہشت ہیں - یہ عام مقبول گیتوں کا بہت ضخیم مجموعہ ہے (تخمیناً ۱۸۰۰ صفحے) - اسے سری کرشنانند و یاس دیو نے مرتب کیا ہے ' جس کے صلے میں دہلی کے بادشاہ نے اُسے راگ ساگر کا خطاب عطا فرمایا ' اور یہ خطاب اب اس کا تخلص ہوگیا ہے- راگ ساگر گور برھمن ہے اور علاقۂ میواڑ میں دیوگڑہ کوٹ یا اودے پور کا رہنے والا ہے -

---

* دیکھو ایچ - ایچ ولسن ' ایشیاٹک ری‌سرچز - جلد ۱۶ ' صفحہ ۵۹ —

† " ہندوستانی ادب کی تاریخ " - جلد اول صفحہ ۴۰۵ —

جو اشعار اس نے اس مجموعے میں جمع کئے ھیں ، اُن کی تعداد بارہ لاکھ پچیس ھزار ھے - یہ مجموعہ کلکتے میں سنہ ۱۸۴۳ ع میں چھپنا شروع ھوا اور سنہ ۱۸۴۵ ع میں ختم ھوا - جیسا کہ مؤلف نے کتاب کے دیباچے میں بیان کیا ھے اُس نے ان گیتوں کے جمع کرنے کے لئے بائیس سال تک سفر کیا - اس شخص کی بدولت بہت سی ایسی نظمیں محفوظ ھوگئیں جو اب تک نا معلوم تھیں حالانکہ ان کے مصنف مشہور و معروف شاعر تھے —

راگ کلپا درم میں کئی فصلیں ھیں ، جن میں بڑی بڑی سات ھیں - پہلی میں مختلف راگوں کی نظمیں ھیں جو ۱۶۴ صفحے پر ھیں - دوسری میں صرف سور ساگر ھے اور وہ ۶۰۰ صفحے کی ھے - تیسری میں جو ۳۴۴ صفحے کی ھے ، مختلف ھندو مسلمانوں کے گیت ھیں - چوتھی ۱۷۶ صفحوں کی ھے جس میں بہار اور ھولی کے گیت ھیں - چوتھی کے دوحصے ھیں ، ایک میں دھر پد اور دوسرے میں خیال ھیں - پہلا حصہ ۲۰۸ صفحے کا اور دوسرا ۱۵۶ کا - چھٹی فصل میں صرف غزلیں اور ریختے ھیں جو ۱۷۶ صفحے پر ھے - آخری فصل میں صرف ۲۸ صفحے ھیں اور اس میں راجہ بھرتری اور گوپی چند کا کلام ھے - اگرچہ یہ کتاب جیسا کہ اس کی تفصیل سے ظاھر ھے ایک قسم کا مجموعۂ انتخابات ھے ، لیکن اس میں تذکرے کی بھی حیثیت ھے ، کیونکہ جن شاعروں کا مقبول کلام اس میں درج ھے ان کے کچھہ کچھہ حالات بھی لکھے ھیں —

۴- افسوس ھے کہ مجھے سجان چرتر کے متعلق زیادہ واقفیت نہیں ھے - اس میں دوسو سے زیادہ ھندی شاعروں کا حال ھے جو سودن کوی نے ۱۷۴۸ ع میں لکھی —

۵- کوی چر تر - یہ کتاب جنار دھن نے مرھٹی میں لکھی ھے اس میں کئی ھندو شاعروں کے حالات ھیں —

اب ھم اُن تالیفات کی طرف رجوع کرتے ھیں جو صحیح طور پر تذکروں کے نام سے

موسوم ھیں اور جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھہ اسلامی ھندوستانی سے ھے، یعنے اُس بولی سے جو اُردو کہلاتی ھے —

یہ تذکرے جدید ھیں ؛ جہاں تک میرا علم ھے، سب سے پرانا گزشتہ صدی (اتھارویں صدی) کے وسط میں لکھا گیا ھے۔ اِن میں سے آتھہ تو گزشتہ صدي کے ھیں اور اُنیس ھماري صدي انیسویں صدی) کے۔ ان اُنیس میں سے صرف سات ایسے ھیں جو ھندوستانی زبان میں لکھے گئے ھیں —

ذیل میں ان تذکروں کا ذکر بہ ترتیب سنہ کیا جاتا ھے

۲- جہاں تک ھمیں علم ھے، سب سے پہلا اور سب سے پرانا میر (محمدتقي) کا تذکرہ نکات الشعرا ھے - میر صاحب نہایت نامور شاعر اور مستند اُستاد ھیں۔ یہ تذکرہ فارسی زبان میں ھے، اور اس میں تقریباً سو شاعروں کا ذکر ھے - یہ حالات مختصر مگر زوائد سے پاک ھیں اور ساتھہ ھی ساتھہ شعرا کے کلام پر تنقید بھی کی گئی ھے - میں نے اپنی کتاب ھندوستانی ادب کی تاریخ میں میر کے متعلق جو کچھہ لکھا ھے، اس پر اس قدر اور اضافہ کرنا چاھتا ھوں کہ میر اُن کا تخلص تھا ، تمغۂ سیادت نہ تھا - چنانچہ شورش نے لکھا ھے کہ وہ شیخ تھے، سید نہ تھے* - وہ آرزو کے بھانجے اور آگرے کے رھنے والے تھے - لیکن باپ کی وفات کے بعد وہ اپنے ماموں کے پاس دھلی آگئے جن سے اُنھوں نے اصلاح بھی لی ھے - سنہ ۱۱۹۲ھ (۸۲-۱۷۸۱ع) میں وہ لکھنؤ چلے گئے - نواب آصف الدولہ نے دوسو سے تین سو روپے تک اُن کی ماھانہ تنخواہ کردی - میر صاحب نے لکھنؤ ھی میں انتقال کیا اور تقریباً سوسال کی عمر پائی —

کمال، جس نے اپنا مجموعۂ انتخابات سنہ ۱۸۰۴ع میں مرتب کیا ، لکھتا ھے کہ میر صاحب اسّي سال سے زیادہ عمر کے تھے۔ ناسخ نے اُن کی تاریخ وفات کہی ھے،

---

* یہ صحیح نہیں ھے - میر صاحب سید تھے؛ اُن کی خود نوشتہ سوانح عمری نے یہ مسئلہ صاف کردیا ھے (اڈیٹر اُردو)

جس سے سنہ ۱۲۲۵ھ (۱۱-۱۸۱۰ع) نکلتا ہے - اسی سال اُن کا کلیات بھی طبع ہوا- بہر حال تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی وفات لکھنؤ میں ۱۲۱۵ھ (۰۱-۱۸۰۰ع) اور ۱۲۲۱ھ (۰۷-۱۸۰۶ع) کے درمیان ہوئی —

قاسم کا اعتراض میر کے تذکرے کے متعلق یہ ہے کہ اس میں بہت کچھہ کھینچ تان سے کام لیا ہے اور میر نے اپنے ہم عصروں کے کلام پر نکتہ چینی کی ہے - لیکن صاحب آثارالصنادید کی رائے میر کے کلام کے متعلق یہ ہے—

" میر کی زبان ایسی صاف اور شستہ ہے اور اس کے شعروں میں ایسے اچھے محاورات بے تکلف بندھے ہیں کہ آج تک سب اُس کی تعریف کرتے ہیں - سودا کی زبان بھی اگرچہ بہت خوب ہے اور مضامین کی تیزی میر پر غالب ہے مگر میر کی زبان کو اُس کی زبان نہیں پہنچتی " —

میر نے اپنا تذکرہ مخلص کی وفات سے ایک سال قبل لکھا - مخلص کی وفات سنہ ۱۱۶۴ھ (۵۱-۱۷۵۰ع) میں ہوی- میرصاحب خود اپنے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اُردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہے - نکات‌الشعرا کی عبارت یہ ہے " پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اُردوے معلی شاہجہان‌آباد، دہلی، کتابے تاحال تصنیف نہ شدہ کہ احوال شاعران این فن بصفحۂ روزگار بماند" —

غالباً یہ بیان نیک نیتی پر مبنی ہے مگر صحیح نہیں ہوسکتا ، کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ میر کے زمانے میں پہلے سے بھی اُردو شعرا کے تذکرے موجود تھے- چنانچہ فتح علی حسینی اپنے تذکرے کے دیباچے میں (جس کا سنہ تالیف وہی ہے جو میر کے تذکرے کا ، یعنی سنہ ۱۱۶۵ھ مطابق ۵۱-۱۷۵۰ع) لکھتا ہے کہ اس نے یہ تذکرہ لکھنے کا ارادہ اس لئے کیا کہ جن لوگوں نے اس سے قبل شعراے ریختہ کے تذکرے لکھے ہیں، اُنھوں نے محض حسد سے اُن پر نکتہ چینیاں کی ہیں، جس سے مینے احتراز کیا ہے اور انصاف کو مدنظر رکھا ہے - اگرچہ یہ طنزیہ جملہ میر کے تذکرے پر صادق آتا ہے، تاہم وہ تذکروں کا ذکر جمع کے صیغے میں کرتا ہے اور اس لئے اگر

هم یہ قیاس کریں تو بیجا نہوگا کہ سنہ ۱۷۵۱ع میں متعدد تذکرے ہندوستانی شعرا کے موجود تھے۔علاوہ اس کےہم کو عنقریب یہ معلوم ہوگا کہ قائم' جس نے اپنا تذکرہ ان دونوں تذکروں کے کئی سال بعد لکھا ' اس بات پر فخر کرتا ہے کہ ہندوستانی شعرا کا یہ پہلا تذکرہ ہے - غالباً سرقے کے الزام سے بچنے کے لئے اُس نے یہ سخن سازی کی ہے - کمال نے اپنا تذکرہ اکبر* شاعر کی فرمائش سے سنہ ۱۸۰۴ع میں تالیف کیا (اکبر کی وفات عالم جوانی میں سنہ ۱۸۰۳ع میں ہوی) - اس تذکرے سےیہ معلوم ہوتاہے کہ اکبر نے کئی سال قبل چالیس ہندوستانی تذکرے بہم پہنچائے تھے† - اس بنا پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان تذکروں میں ' جن میں سے اب ہمیں صرف ایک چوتھائی کا علم ہے' بعض میر کے تذکرے سے بھی قدیم تھے‡ --

میر کی ہندوستانی نظمیں بےشمار ہیں' جن میں سے اکثر اُن کی کلیات مطبوعہ کلکتہ ' ۱۸۱۰ع میں موجود ہیں- اس کلیات میں صرف فارسی کی نظمیں جن کی تعداد کچھہ زیادہ نہیں' درج نہیں کی گئیں - البتہ چند عشقیہ مثنویاں جو اس کلیات میں نہیں ہیں ' "مجموعۂ مثنویات" میں پائی جاتی ہیں - یہ

---

* دیکھو اکبر (اکبر علی خاں) کا بیان کمال کے تذکرے میں -

† اس کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انیس برس کی عمر سے یہ سامان جمع کرنا شروع کردیا تھا -

‡ مصنف کو کمال کی عبارت کے سمجھنے میں کچھہ مغالطہ ہواہے - اول تو اس نےکہیں یہ نہیں لکھاکہ اس نے یہ تذکرہ اکبر کی فرمائش سے لکھا- دوسرے کمال نے چالیس کے ساتھہ "دواوین" کالفظ لکھاہے جسے مصنف نے "تذکرے" خیال کیا- تیسرے یہ سامان خود مؤلف تذکرہ نے جمع کیا تھا نہ کہ اکبر نے - کمال کی اصل عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے - یہ ذکر اکبر کے متعلق ہے " بعد ازاں قریب چہل دواوین اساتذۂ ریختہ گویاں کہ ہمراہ فقیر بود از یک طرف سیر ہمہ دواوین ساختہ بعد ازاں خود شوق شعر گفتن آغاز نمودہ رجوع ایں معنی بہ فقیر آوردہ بعرصۂ چند بہ فیض کلام سخنوران کلام خود را بہ پایۂ اعتبار کشیدہ " - " رجوع ایں معنی " سے مطلب یہ ہے کہ مجھسے اصلاح لینے لگا - اس کا مطلب مصنف نے یہ سمجھا کہ تذکرہ لکھنے کی طرف توجہ دلائی (اڈیٹر اُردو)

مجموعہ سنہ ۱۸۵۱ ع میں کانپور میں مصطفی خاں کے اهتمام سے شایع هوا - اس میں علاوہ میر کی مثنویوں کے صادق خاں کی مثنویاں بھی شریک هیں - میر کو اس کے اهل وطن عام طور پر هندوستانی شعرا میں دوسرا بڑا شاعر خیال کرتے هیں؛ بعض اُسے سودا کا هم رتبہ سمجھتے هیں ' اور بعض قطعی طور پر اس کے کلام کو سودا کے کلام پر ترجیح دیتے هیں —

۷- قائم نے جو ایک مشہور شاعر هوا هے' ایک تذکرہ لکھا هے - اُس کا نام بھی نکات الشعرا هے - جو علاوہ اس کے طبقات الشعرا کے نام سے بھی معروف هے' کیونکہ اس کی تقسیم تین طبقوں میں کی گئی هے - یہ اُن تذکرہ نویسوں میں هے جو سعدی شیرازی کو اُردو شاعری میں شمار کرتے هیں —

۸- تذکرۂ فتح علی حسینی گُردیزی - یہ هندوستانی مصنف هے - ذات کا شیخ اور صوفی مشرب یعنی مسلمان فلسفی هے- اس نے یہ تذکرہ دلی میں فارسی زبان میں لکھا - اس میں میر کے تذکرے کی طرح کم و بیش سو شاعروں کا ذکر هے اور ترتیب بھی حروف ابجد کے لحاظ سے هے- حسینی خود اپنے تذکرے میں اپنے تذکرے کا سنہ تالیف جتا کر بتا تا هے- وہ انجم کے ذکر میں لکھتا هے کہ اس شاعر نے ۱۱۵۹ھ (۴۷-۱۷۴۶ع) میں یعنی اس تذکرے کی تالیف سے چھ سال پہلے انتقال کیا ' اس حساب سے تالیف کا سنہ ۱۱۶۵ھ (۵۱- ۱۷۵۰ع) هوا - یہی سال میر کے تذکرے کی تالیف کا هے - حسینی ضرور نکات الشعرا سے واقف تھا- ایک وجہ تو وهی هے جو میں پہلے لکھ چکا هوں ' دوسری بات یہ هے کہ وہ اس سے صریحاً نقل کرتا هے - اس کا دیباچہ پڑھتے هی فوراً معلوم هوجاتا هے کہ یہ نکات الشعرا سے نقل کر رها هے' کیوں کہ میر صاحب نے ریختے کے طرز تحریر پر جو رائے ظاهر کی هے وهی اس نے لفظ بلفظ نقل کردی هے -معلوم هوتا هے کہ حسینی سنہ ۱۸۰۶ ع تک زندہ تھا ' کیو نکہ قاسم نے اس کا

ذکر زندہ مصنفین میں کیا ہے —

۹۔ اس کے بعد تذکرہ مخزن نکات* ہے۔ اس کے مؤلف شیخ محمد قائم الدین 'قائم' چاندپوری ہیں - سنہ تالیف سنہ ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴-۵۵ء) ہے اس تذکرے سے بہت سی دلچسپ باتیں معلوم ہوتی ہیں - یہ تین طبقات میں منقسم ہے - یعنی قدیم، وسطی اور جدید شعرا کے حالات میں - کل شاعر جن کے حالات اس میں درج ہیں ایک سو دس ہیں - سب سے عجیب بات اس تذکرے میں یہ ہے کہ مصنف (جیسا کہ میںنے پہلے ذکر کیا ہے) اس بات کا مدعی ہے کہ سب سے پہلا وہ شخص ہے جس نے اس مضمون پر قلم اُٹھایا ہے، جس کے یہ معنے ہوے کہ اس سے پہلے جس قدر تذکرے لکھے گئے تھے اُن سے وہ بالکل ناواقف تھا ، یعنے نہ صرف اُن تذکروں سے جو میر کے قبل لکھے گئے بلکہ میر اور فتح علی کے تذکروں سے بھی - ہمیں اس بیان کی صداقت پر شبہ کرنے کا پورا حق حاصل ہے، مگر اس سے کتاب کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا —

ایک بات جو اس سے قبل کے تذکروں میں نہیں پائی جاتی، یہ ہے کہ سعدی شیرازی نے اپنے زمانۂ سیاحت دکن میں اُس خطے کی زبان میں اشعار لکھے اور اس لئے اُنھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرنا چاہئے† یہ واقعہ یقینی نہیں تو اغلب ضرور ہے - اس بیان کی میر اور فتح علی نے تردید کی ہے، کیونکہ اُنھوں نے یہ

---

* مخزن نکات تاریخی نام ہے - اکرم (شاعر) نے اس پر تاریخی قطعہ بھی لکھا ہے - میرے کتاب خانے میں تذکرۂ قائم کا ایک خلاصہ ہے اور سرورق کی تحریر کے بموجب اس میں میر کا تذکرے کے خلاصہ بھی شریک ہے ، جو قائم کے تذکرے کی بنیاد ہے، اگرچہ قائم کا یہ دعویٰ ہے کہ اُسے اس سے قبل کے کسی تذکرے کا حال معلوم نہیں—

† اس کی بحث جرنل ایشیاٹک بابت سنہ ۱۸۴۳ میں دیکھو —

اشعار دکن کے ایک فرضی سعدی* سے منسوب کئے ھیں - کمال نے بھی اس معاملے میں قائم کا تتبع کیا ھے، وہ اکثر اس تذکرے سے استفادہ کرتا ھے جیسا کہ عنقریب معلوم ھوگا : شورش دوسرے رائے کا قائل ھے، جس نے اپنا تذکرہ قائم کے تذکرے سے دس سال بعد لکھا- دوسرے تذکرہ نویسوں نے حقیقی یا فرضی سعدی † کے متعلق کچھ نہیں لکھا- اس بحث کی یہ صورت ھے، اس مسئلہ پر میں اس سے پیشتر مفصل بحث کرچکا ھوں ‡ —

شاعر کی حیثیت سے قائم اپنے عہد کے ممتاز شعرا میں خیال کیا جاتا ھے - بقول کمال سوائے سودا کے جو ھندی مسلمانوں کا مقبول شاعر ھے، وہ سب سے بڑھا ھوا ھے - اس قول کی تائید میں وہ اپنے تذکرے میں قائم کے دیوان سے اس کا بہت سا کلام نقل کرتا ھے، جس میں بیانیہ ، ھجویہ اور دوسرے قسم کی نظمیں ھیں جو قومی خصائص کے نقطۂ نظر سے بہت دلچسپ ھیں—

شیفتہ کی رائے میں قائم کی بہترین نظمیں اس کے قطعات اور رباعیات ھیں- باقی نظموں کے وہ اس قدر مداح نہیں ھیں جس قدر کمال ھے - اُن کے خیال میں قائم کو سودا کا ھم رتبہ سمجھنا حماقت ھے - قائم اوائل عمر ھی میں دھلی چلا گیا تھا، جہاں وہ بادشاہ کے ھاں سلسلۂ ملازمت میں داخل ھوگیا - سنہ ۱۲۰۷ھ اور سنہ ۱۲۱۰ھ (۹۵-۱۷۹۳) کے درمیان انتقال کر گیا —

۱۰- تذکرۂ ابوالحسن کا نام " مسرت افزا " ھے ، یہ فارسی میں ھے اور سنہ ۱۲۰۷ھ (سنہ ۱۷۷۹ ع) میں تالیف ھوا - میں نے اپنی کتاب " ھندوستانی ادب کی تاریخ " میں اس امر پر افسوس ظاھر کیا ھے کہ اس تذکرے کے دستیاب نہونے

---

* سعدی کے متعلق اکثر تذکرہ نویسوں کو مغالطہ ھوا ھے - یہ نہ سعدی شیرازی ھیں اور نہ دکن کے باشندے، بلکہ شمالی ھند کے رھنے والے تھے جو اکبر کے عہد میں ھوے - تاریخ وفات سنہ ۱۰۰۲ھ ھے — (اڈیٹر اردو)

† دیکھو جرنل ایشیاٹک سنہ ۱۸۵۳ع —

کی وجہ سے میں اس سے استفادہ نہ کر سکا۔ مجھے اس کا علم سر ڈبلیو اوسلے کی قلمی نسخوں کی فہرست سے ہوا تھا، جن کے پاس اس کا ایک نسخہ تھا * اب اُن کے قلمی نسخے آکسفورڈ لائبریری میں آگئے ہیں اور میرے دوست نے تھی نیل بلانڈ نے اپنی عنایت سے اُسے پڑھ کر اس کا خلاصہ اور اس کے اقتباسات میرے پاس بھیج دئے ہیں۔ یہ اس لئے اور بھی کار آمد ثابت ہوا کہ ڈاکٹر سپرنگر نے اس کا ذکر اپنی فہرست میں نہیں کیا —

اس تذکرے کے مؤلف کا نام ابوالحسن امیرالدین احمد ہے، جو امراللہ الہ آبادی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ اپنا وطن چھوڑ کر عظیم آباد میں جا بسے کر پھر کلکتے گئے۔ انھیں ہندوستانی شاعری سے ذوق تھا اور اسی لئے اُنھوں نے بزمانہ سفر سنہ ۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ع) یہ تذکرہ لکھا اور لکھنؤ آکر اس میں اضافہ کیا —

۱۱- تذکرۂ شورش بھی فارسی میں ہے، سنہ ۱۱۹۳ھ (۸۰-۱۷۷۹ع) میں تالیف ہوا۔ اس کا کوئی خاص نام نہیں۔ مؤلف کا نام غلام حسین ہے مگر عام طور پر میر بھینا کے عرف سے مشہور ہے۔ میں نے ڈاکٹر سپرنگر کی تالیف کے ذریعے سے اس تذکرے سے کام لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب "اُردو تذکروں کے انڈکس" میں اس سے بہت کچھ اقتباس کیا ہے اصل قلمی نسخہ جے۔ بی۔ ایلیٹ کی ملک تھا، جس کی ضخامت پانسو صفحے کی تھی اور اس میں ۳۱۴ شعرا کا مختصر ذکر تھا —

۱۲- تذکرۂ نواب علی ابراهیم خاں، جس کا نام خود مؤلف کے نام پر گلزار ابراهیم ہے اور اسی کے ساتھ حضرت ابراهیم کے قصے کی تلمیح بھی ہے کہ وہ

---

* اس کتاب خانے میں ایک قلمی نسخہ تذکرۂ شعرائے جہانگیر شاہی کا بھی ہے جس کا مجھے علم نہیں ہوا تھا۔ اس میں صرف اُن فارسی شعرا کا ذکر ہے جو جہانگیر کے عہد میں تھے —

آگ جس میں نمرود نے انھیں ڈال دیا تھا گلزار سے بدل گئی تھی - یہ تذکرہ بھی فارسی میں ھے اور میں نے اپنی کتاب "ھندوستانی ادب کی تاریخ" میں اس سے بہت کام لیا ھے - مؤلف نے اسے سنہ ۱۱۹۶ھ *(۸۲-۱۷۸۱ ع) میں ختم کیا - اس میں تقریباً تین سو اُردو شاعروں کا ذکر ھے اور ھرشاعر کے بیان کے ساتھہ اس کے کلام کا انتخاب بھی ھے - مؤلف کے متعلق جو کچھہ میں نے تاریخ ادب میں لکھا ھے' اس پر اس قدر اور اضافہ کرنا چاھتا ھوں کہ ان کا پورا نام نواب علی ابراھیم امین‌الدولہ ناصر جنگ تھا اور وہ پٹنے کے رھنے والے تھے - ان کے دو تخلص تھے ایک خلیل اور دوسرا حال † شورش اور یوسف علی نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر پہلے تخلص سے کیا ھے عشقی نے دوسرے تخلص سے ‡

۱۳- اٹھارویں صدی کا آخری تذکرہ مصحفی کا ھے - یہ بھی فارسی میں ھے- سنہ تالیف ۱۲۰۹ھ (۹۵-۱۷۹۴ ع) ھے - میں نے اس مصنف کے متعلق جو کچھہ اپنی کتاب تاریخ ادب میں لکھا ھے' اس پر اتنا اور اضافہ کرنا چاھتاھوں - ایک تو یہ کہ فان ھیمر کی رائے کے بموجب' جو انھوں نے میری کتاب کے تبصرے میں ظاھر فرمائی ھے ' ان کے نام کا تلفظ (بہ فتح میم) کرنا چاھئے - جس کے معنی یہ ھیں کہ اُسے قرآن یعنی مصحف سے نسبت ھے —

---

* تذکرۂ گلشن ھند مولفۂ لطف میں اس کے اختتام کی تاریخ سنہ ۱۱۹۸ھ (سنہ ۱۷۸۴ع) لکھی ھے (اڈیٹر اُردو —

† یہاں بھی مصنف سے غلطی ھوی ھے - ان کا دوسرا تخلص " علی " تھا —

‡ علی ابراھیم‌خاں علاوہ ادیب ھونے کے مورخ بھی تھے - گلزار ابراھیم کے علاوہ خلاصۃالکلام اور صحف ابراھیم دو فارسی شعرا کے تذکرے بھی ان کی تالیف سے ھیں - وقائع جنگ مرھٹہ لارڈ کارنوالس کے عہد میں ۱۲۰۱ھ میں لکھی جس کا ترجمہ میجر فلر نے انگریزی میں کیا - اس میں پانی پت کی جنگ کا حال ھے- ایک کتاب میں راجہ چیت سنگھ والئ بنارس کی بغاوت کا حال ھے—

لارڈ کارنوالس کے عہد میں بنارس میں چیف مجسٹریٹ اور بعد ازاں گورنر رھے - سنہ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کیا (اڈیٹر اُردو)

شیفتہ کا قول ہے کہ مؤلف دھلی میں پیدا ہوا تھا اور وہ ھندوستانی اور فارسی میں اپنے فن کا اُستاد تھا - شیفتہ سے اُن کی ملاقات لکھنؤ میں ھوی اور اُن سے دوستانہ تعلقات تھے - شیفتہ نیز کریم‌الدین کا بیان ہے کہ مصحفی نے ربختے کے چھہ دیوان لکھے ھیں - بہر حال فرح بخش (لکھنؤ) کے دیوانہاے مصحفی کے قلمی نسخے میں صرف چار دیوان ھیں اور یہ چاروں ھندوستانی زبان میں ھیں - مصحفی نے فارسی میں بھی کئی دیوان لکھے ھیں اور فارسی شعرا کا بھی ایک تذکرہ لکھا ہے - اس کے علاوہ ایک شاھنامہ بھی لکھنا شروع کیا تھا جو نا تمام رہ گیا - اس میں شاہ عالم کے عہد تک کے واقعات منظوم کئے ھیں —

مصحفی نے اپنا اُردو شعرا کا تذکرہ میر مستحسن خلیق کی فرمائش سے لکھا جس میں محمد شاہ کے عہد سے لیکر اپنے وقت تک کے شعرا کا حال درج ہے اور جن کی تعداد تقریباً ایک سو پچاس ہے - مؤلف نے خاص کر اپنے ھم عصروں کے حالات بیان کرتے ھیں عالی ظرفی کا اظہار کیا ہے —

مصحفی نے بڑی عمر پائی تھی، کیونکہ اُن کی وفات گلشن بےخار کے چھپنے سے دس سال قبل یعنے سنہ ۱۸۲۲ ع کے قریب ھوی ' لیکن کریم‌الدین اُن کی وفات کا سال سنہ ۱۸۱۴ ع بتاتے ھیں- ان کی شہرت اس دور کے آخر میں ھونی شروع ھوئی جس میں سودا ' جرأت اور انشا کا دور دورہ تھا - وہ حاتم کے بھی ھم عصر رہے ھیں' جیسا کہ حاتم کے دیوان زادہ کے دیباچے سے معلوم ھوتاہے- قائم جو دلی کے مشاعروں میں موجود تھا' ان کے بہت سے اشعار نقل کرتا ہے؛ سرور نے کوئی ۴۷ صفحوں میں ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے —

۱۴- تذکرۂ لطف (مرزا علی خاں) یہ تذکرہ سب کا سب اس صدی (انیسویں صدی) کے شروع میں لکھا گیا ہے' یعنے سنہ ۱۲۱۵ھ (سنہ ۱۸۰۰-۱ ع) میں - اس کتاب سے یہ معلوم ھوتا ہے کہ قومیت کا خیال لوگوں میں ترقی کر رھا ہے' کیونکہ جہاں تک میرا علم ہے یہ پہلا تذکرہ ہے جو بخلاف دوسرے تذکروں کے

جواس سے قبل لکھے گئے ہیں فارسی میں نہیں بلکہ اسلامی ہندوستانی یعنی اُردو میں لکھا گیا ہے - اس تذکرے میں جو گلشن ہند کے نام سے موسوم ہے' ۶۹* شاعروں کا ذکر ہے ' لیکن ہر ایک کے حال کے ساتھہ کثرت سے اس کے کلام کا انتخاب دیا ہے - مثلاً خود مؤلف تذکرہ کے حالات کے بعد اس کی غزلیات کا پورا دیوان درج ہے جو میرے قلمی نسخے میں ۱۷ سطروں کے ۴۱ صفحوں پر ہے ' اور اس کے علاوہ ۱۷ صفحوں پرقصیدے اور ۲۵صفحوں پر عشقیہ مثنویاں ہیں؛ سب ملاکے ۸۳ صفحے ہوتے ہیں —

میں نے اپنی کتاب تاریخ ادب ہندوستانی میں لطف کے حالات لکھے ہیں؛ یہاں اس قدر اور لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دھلی میں پیدا ہوا' پٹنے اور لکھنؤ میں رہا اور آخر میں حیدرآباد آگیا' جہاں وہ کمال سے ایک سال بعد پہنچا؛ کمال کو وہ لکھنؤ ہی سے جانتا تھا اور دکن میں اس سے پھر ملاقات ہوئی - لطف شعر و سخن میں اپنے باپ کاظم بیگ خاں ہجری کا شاگرد تھا (جو خود بھی ہندوستانی میں شعر کہتا تھا) اور بقول شیفتہ میر سے بھی تلمذ حاصل تھا —

۱۵- مجموعۂ انتخاب - یہ کمال (فقیرشاہ محمد یا شاہ کمال الدین حسین) کی تالیف ہے - یہ اُن تذکروں میں سے ہے' جن کا علم مجھے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے خاص اصحاب کی بدولت اُس وقت سے ہے جب کہ میں اپنی تاریخ ادب شایع کرنے والا تھا ' نیز اُن تذکروں میں سے ہے جن سے صرف میں نے ہی استفادہ کیا ہے- افسوس ہے کہ جو نسخہ مجھے ہاتھہ لگا ' اگرچہ وہ بہت عمدہ نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے ' لیکن کاتب نے بڑی بے پروائی سے لکھا ہے اور یہی نہیں بلکہ بےسمجھے اس میں تصرف بھی کردیا ہے - اس قسم کی بے احتیاطی ایسی کتابوں میں جن کا

---

* حیدرآباد میں جو نسخہ مرتب ہوا تھا اور لاہور سے شایع ہوا اس میں ۶۹شعرا کا ذکر ہے (اڈیٹر اُردو)

تعلق انتخابات سے ہے بہت ہی قابل افسوس ہوتا ہے —

۱۷- مجموعۂ نغز - یہ قاسم (سید ابوالقاسم*) معروف بہ قدرت‌اللہ قادری کی تالیف ہے - اس تذکرے کی اطلاع مجھے اس وقت ہوئی جب کہ میری کتاب شایع ہوچکی تھی —

یہ کتاب قاسم نے سنہ ۱۲۲۱ھ (سنہ ۰۷-۱۸۰۶ ع) میں تالیف کی- اس کا نام تاریخی ہے - یہ مقفیٰ اور مسجع فارسی نثر میں ہے - شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں شاعری پر بحث ہے اس دیباچےکاطرز تحریر وہی ہے جو اصل کتاب کا ہے-لیکن دوسرے تذکروں سے اس میں یہ بات خاص امتیاز کی ہے کہ مؤلف نے شعرا کے نام بےسوچے سمجھے نہیں لکھ دئے ہیں ' بلکہ ہم نام شاعروں کو ایک جگہ لکھا ہے' اُن کی تعداد بتادی ہے اور ترتیب وار اُن کا حال لکھا ہے - اس تذکرے میں کئی سو شاعروں کا حال ہے' تاہم سرور اور ذکاکے تذکروں میں شعرا کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے - لیکن یہ تذکرے اس سے بڑھے ہوے ہیں ' اور جگہ جگہ قصے' لطیفے اور انتخابات اس سلیقے سے دئے ہیں کہ دوسری جگہ نظر نہیں آتے—

قاسم خود بھی ہندوستانی زبان کا مشہور اور ممتاز شاعر ہے - اُسے صغرسن سے شعر و سخن کا ذوق تھا اور اس فن کو اس نے ہدایت سے حاصل کیا تھا - تذکرے کی تالیف کے وقت وہ آٹھ ہزار شعر لکھ چکا تھا جو اس کے دیوان میں موجود تھے - علاوہ اس کے ۱۶۰۰ شعر کی ایک مثنوی موسوم بہ قصۂ معراج ہے ؛ اور ایک اور مثنوی بوستاں کی بحر میں ہے مگر یہ‌معلوم نہیں کہ کس مضمون پر ہے ' ایک تیسری مثنوی جس میں ۵۲۰۰ شعر ہیں ' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کراماتوں کے حال میں ہے - قاسم قادری تھے اور یہ مثنوی اُسی عقیدت کی بنا پر لکھی ہے —

---

* قاسم لکھتا ہے کہ ابوالقاسم کا نام مجھے آنحضرت صلعم کی عقیدت میں اختیار کیا ہے —

قاسم کو طب کا بھی شوق تھا، مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ طبابت کرتے تھے یا نہیں —

کمال، سرور، شیفتہ، کریم نے اپنے اپنے تذکروں میں اس کے کلام اور اس کے اتقا کی بہت تعریف کی ہے - کریم کے قول کے مطابق قاسم کا انتقال ۱۰۹ برس کی عمر میں سنہ ۱۸۴۰ع میں ہوا —

۱۸- عمدۂ منتخبہ، جو سرور کی تالیف ہے غالباً* سنہ ۱۲۲۱ھ (۷-۱۸۰۶ع) میں لکھا گیا تھا - میں نے جب اپنی تاریخ لکھی تو مجھے اس کا علم نہ تھا، مگر اس کے بعد مجھے اس کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا اور میں نے فرصت سے اس کا مطالعہ کیا —

میر محمد خاں سرور، مؤلف تذکرۂ ہذا، کا خطاب اعظم الدولہ تھا - والد کا نام نواب ابوالقاسم مظفر خاں بہادر تھا - وہ ساقی معروف بہ سامی اور موزوں اور تجمل کے شاگرد تھے - علاوہ اس تذکرے کے وہ صاحب دیوان بھی تھے - یہ تذکرہ جو

---

* تذکرے میں یہ سنہ تالیف صحیح طور سے نہیں بتایا گیا - اس کی تالیف کے متعلق ۱۲۱۵ھ اور سنہ ۱۲۱۶ھ دونوں سنوں کے تاریخی مادے موجود ہیں - ایک مادے سے سنہ ۱۲۴۲ھ کا سنہ نکلتا ہے، یہ شاید اختتام تالیف کا سنہ ہے یا شاید نسخے کی کتابت کا - ڈاکٹر سپرنگر کا نوٹ یہ ہے کہ سنہ ۱۲۱۹ھ ، سنہ ۵-۱۸۰۴ع) کے بعد کا کوئی سنہ کتاب میں نہیں پایا جاتا ، لہذا ہم یہ قیاس کرسکتے ہیں کہ یہ تذکرہ اسی سنہ میں یا اس کے بعد کے سنہ میں تالیف ہوا —

(نوٹ :- عمدۂ منتخبہ تاریخی نام ہے اس سے سنہ ۱۲۱۶ھ نکلتے ہیں - چنانچہ غالب علی خاں سید نے جو تاریخی قطعہ لکھا ہے اس کا آخری شعر یہ ہے : —

عمدۂ منتخبہ اُس کی وہیں سید نے
لکھی تاریخ وہی نام بھی ہے اُس کا رکھا

لیکن احسان، نصیر، عاشق، قاسم، سید رضی، فراق نے جو مادۂ تاریخ نکالے ہیں اُن سے ۱۲۱۹ھ اور مضمون کے تاریخی مادہ سے ۱۲۱۵ھ نکلتے ہیں- میرے نسخے کے آخر میں نہم محرم الحرام سنہ ۱۲۲۴ کو اس کا اختتام ہونا پایا جاتا ہے -(اڈیٹر اُردو)

فارسی میں ھے اور اس میں بہت سے شعرا کا ذکر ھے جن کی تعداد ہزار اور بارہ سو کے درمیان ھے - ترتیب حروف ابجد کے لحاظ سے ھے اور ھر شاعر کا مختلف قسم کا کلام مختصر بھی درج ھے- سرور اپنے ذکر میں بہت انکسار کرتاھےاور اس معذرت کے ساتھہ مشہور شعرا کے کلام کے ساتھہ اپنا کلام بھی پیش کرتا ھے کہ جہاں پھول ھے وھاں کانٹا بھی ھوتا ھے - یہ تذکرہ قاسم کے تذکرے کے بعد ھے' اگرچہ سنہ تالیف وھی ھے ' مگر شیفتہ کے تذکرے سے پہلے لکھا گیا ھے اور شیفتہ نے اس سے اسی طرح استفادہ کیا ھے جس طرح سرور نے قاسم * کے تذکرے سے —

کریم کا بیان ھے کہ عمدۂ منتخبہ دھلی میں بہت مشہور ھے' بڑی احتیاط سے لکھا ھے اور شیفتہ اور دوسرے تذکرہ نویسوں نے اس سے استفادہ کیا ھے —

سرور کا انتقال سنہ ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴-۳۵ ع) میں ھوا - اس کا بیٹا محمدخاں باپ کے قدم بقدم چلا - شیفتہ نے اس کا نام اپنے ھم عصر شاعروں میں بیان کیا ھے —

۱۹- طبقات سخن کا کوئی نسخہ مجھے دستیاب نہیں ھوا† - اس تذکرے کے مؤلف کا نام جس کا شمار ھندوستانی زبان کے شعرا میں کیا جاتا ھے ' شیخ غلام محی الدین قریشی' تخلص عشق ھے- مؤلف میرٹھہ میں پیدا ھوا - اس کے والد کا نام نعمت الله نعمی‡ ھے ' یہ بھی شاعر تھے اور فارسی میں صاحب دیوان ھیں- عشق کا کلام فارسی ھی میں نہیں بلکہ عربی میں بھی ھے - فارسی میں اس کے دو دیوان ھیں - پہلے دیوان میں اس کا تخلص مبتلا اور دوسرے میں عشق ھے اور اسی نام سے زیادہ تر مشہور ھے —

---

* خود قاسم نے بھی سرور کے تذکرے کی تاریخ کہی ھے - (اڈیٹر اُردو)

† یہاں جو کچھہ لکھا گیا ھے وہ سپرنگر کی فہرست سے ماخوذ ھے -

‡ بقول ڈاکٹر سپرنگر - لیکن "نغمی" بھی ھوسکتا ھے —

یہ تذکرہ فارسی میں ہے اور نام تاریخی ہے جس سے سنہ ۱۲۲۲ھ (۰۸–۱۸۰۷ع) نکلتا ہے - یہ تذکرہ دوسروں کی نقل نہیں ہے - اس کے دو حصے ہیں جن کا نام مؤلف نے طبقات رکھا ہے - پہلے طبقے میں ریختے کے سو شعرا کا ذکر ہے اور دوسرے میں اسی قدر فارسی شاعروں کا —

۲۰- تذکرۂ جہان اُن چھہ تذکروں میں سے ہے جن سے میں نے اپنی تاریخ میں کام لیا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اُن چھہ تذکروں میں سے ہے جو ہندوستانی میں لکھے گئے ہیں - اس تالیف کا نام " دیوان جہاں " ہے جس میں مؤلف کے تخلص * کا اشارہ ہے - بعض اوقات جہان کا لفظ استعارے کے طور پر ہندوستان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - جو کچھہ میں پہلے اپنی تاریخ میں اس کتاب کے متعلق جو سنہ ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ ع) کی تالیف ہے نیز اس کے مؤلف کے متعلق لکھہ چکا ہوں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا - مؤلف اگرچہ ہندو ہے جو اس کے نام بینی نراین سے ظاہر ہے، مگر کتاب اس نے مسلمانوں کی زبان میں لکھی ہے - نئی اطلاع مجھے بینی نراین جہان کے متعلق یہ ملی ہے کہ وہ قوم کا کائستہ تھا اور بقول بعض دھلی کا رہنے والا اور بقول بعض لکھنؤ کا باشندہ تھا - اس کے باپ کا نام سدرشن نراین اور دادا کا نام لکشمی نراین تھا —

دیوان جہان کو تذکرہ نہیں بلکہ مجموعۂ انتخابات کہنا چاہئے- اس میں کوئی ایک سو پچاس شعرا کا تذکرہ ہے - انتخابات بہت اچھے اور مختصر ہیں مگر اقتباسات بہت طویل ہیں —

علاوہ اس تذکرے کے جہان کی اور تالیفات بھی ہندوستانی زبان میں ہیں ایک چار گلشن ہے، جس کی بنیاد فارسی شاعر ہلالی کے قصے " شاہ و گدا یا درویش " پر ہے - دوسری قصہ جات ' اس میں قصے کہانیاں ہیں - نظمیں

---

* ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست کتب کے بموجب —

جن کا نمونہ وہ اپنے تذکرے میں دے چکے ہیں۔ تیسری ایک کتاب "تنبیہ الغافلین" کا ترجمہ ہے۔ یہ ایک مذہبی کتاب ہے جو فارسی زبان میں مشہور مسلمان مصلح اور فرقۂ وہابی کے بانی سید احمد کی فرمائش پر تالیف ہوی تھی اس کتاب کے اور بھی ترجمے ہندوستانی زبان میں ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہان فرقۂ وہابی سے تعلق رکھتا تھا یا کم سے کم مسلمان ہوگیا تھا ' کیونکہ وہ اس کتاب کے دیباچے میں اس طرح لکھتا ہے جیسے سچ مچ کا مسلمان —

۲۱- عیارالشعرا' یہ بھی ایک ہندو خوب چند ذکا نامی کا لکھا ہوا ہے اور فارسی میں ہے - سنہ تالیف سنہ ۱۲۴۷ھ ۳۲-۱۳۳۱ع) یا اغلباً سنہ ۱۲۰۸ھ (۹۴- ۱۷۹۳) سے ۱۷۴۷ھ (۳۲- ۱۸۳۱ع) تک سمجھنا چاھئے' اس لئے کہ مؤلف کا بیان ہے کہ اس نے اپنے آقا میر نصیرالدین نصیر عرف میر کلو کی فرمائش پر تیرہ سال اس کے لکھنے میں صرف کئے - ذکا نے سنہ ۱۸۴۶ع میں انتقال کیا - یہ سنہ ڈاکٹر سپرنگر کو اس کے پوتے کی زبانی معلوم ہوا —

یہ اُن تذکروں میں سے ہے جن کا علم مجھے بالواسطہ ہوا - یہ فارسی زبان میں ہے اور اس میں تقریباً پندرہ سو شعرا کا ذکر ہے اور ساتھہ ساتھہ اُن کے کلام کا نمونہ بھی ہے - ڈاکٹر سپرنگر کا قلمی نسخہ ایک ہزار صفحے کا ہے جس کے ہر صفحے میں پندرہ سطرین ہیں - اس فاضل مستشرق کی راے ہے کہ اس تذکرے میں تنقید کا نام نہیں اور مکررات اور غلطیوں سے پر ہے - تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اس میں سے بہت کچھہ مل سکتا ہے - کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کا کوئی نسخہ یورپ میں نہیں —

۲۲- گلشن بےخار سنہ ۱۲۵۰ھ (۳۵-۱۸۳۴ع) میں تالیف ہوا اور دھلی میں سنہ ۱۸۴۵ع میں چھپا -یہ متعدد بار طبع ہوا لیکن مجھے سب سے پہلے اس کا قلمی نسخہ مسٹر بوٹروس پرنسپل دھلی کالج کی بدولت ملا - یہ تذکرہ جو فارسی میں زبان ہے' اپنے وقت کے تمام تذکروں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس قسم کی

جتنی کتابیں ہیں اُن سب میں یہ زیادہ صحیح ہے۔ قاسم کے تذکرے سے بھی زیادہ ' جس سے مؤلف نے بہ نسبت کسی دوسرے تذکرے کے زیادہ استفادہ کیا ہے—

اس کے مؤلف نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر دہلوی' تخلص شیفتہ ' بہت بڑے شخص اور ہندوستانی زبان کے ممتاز شاعر ہیں - اِن کے والد کا نام نواب مرتضیٰ خاں بہادر تھا - یہ دلی کے مشہور شاعر مومن کے شاگرد تھے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیفتہ سے پہلے وہ حسرتی تخلص کرتے تھے—

وہ تذکرے میں اپنا ذکر بہت انکسار سے کرتے ہیں اور اس بات پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی عمر گرامی کا اکثر حصہ اس میں رائگاں کیا - اپنے حالات کے ختم پر دس صفحے میں اپنے کلام کا انتخاب دیا ہے —

اُن کے اُردو کلام کا پورا دیوان ہے اور اس کے علاوہ ابن جوزی کی مولد محدث (مطبوعۂ لکھنؤ) کا ترجمہ ہندوستانی میں کیا ہے- اصل کتاب عربی میں ہے اور اس میں از روے احادیث آنحضرت (صلعم) کے نسب ولادت اور تعلیم و تربیت کے حالات ہیں —

شیفتہ کے ہاں سنہ ۱۸۴۷ع تک (جس کے بعد انھوں نے شہر کی سکونت ترک کردی تھی) برابر مشاعرے ہوتے تھے - وہ ابھی تک زندہ ہیں - دھرم نرائن نے دہلی کے اخبار قران السعدین میں اُن کی بہت تعریف لکھی ہے -

۴۳- گلشن بےخزاں' باطن (حکیم سید غلام قطب الدین) کے تذکرے کا ترجمہ ہے اور کچھ بھی نہیں - وہ آگرے میں پیدا ہوے - وہ اور اُن کے باپ دادا اسی شہر میں طبابت کرتے تھے - اُن کا انتقال سنہ ۱۲۵۹ھ (۴۴-۱۸۴۳ع) میں ہوا- ان کا خاندان یہاں عرب سرائے سے آیا جو دہلی سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے—

۴۴- گلدستۂ نازنیناں' مشہور ہندوستانی شعرا کے کلام کا انتخاب ہے - یہ دہلی میں سنہ ۱۲۶۱ھ (سنہ ۱۸۴۵ع) میں طبع ہوا اور ہندوستان میں بہت مقبول رہا - اس کا حجم ۳۵۰ صفحے کا ہے اور ہر سطر میں ۲۰ سطریں ہیں-

شروع میں شاہی خاندان کے تین شاعروں کا (جو اس وقت بقید حیات تھے) ذکر ہے؛ اس کے بعد شاعری پر کچھہ بحث ہے، اور آخر میں ۳۹ مختلف شاعروں کا تذکرہ اور اُن کے کلام کے طول طویل انتخابات ہیں—

۲۵- تذکرۂ ناصر لکھنوی - اس کا ذکر محسن نے کیا ہے—

۲۶، ۲۷، ۲۸- یہ تین تذکرے گلستان سخن کے نام سے موسوم ہیں- اور ان کے مصنف صابر، جوش اور مبتلا ہیں- ان کا حال دیکھنا ہو تو میری تاریخ دیکھئے—

۲۹- انتخاب دواوین شعراے مشہور زبان اُردو کا - اس کے مؤلف امام‌بخش صہبائی پروفیسر دھلی کالج ہیں - یہ فارسی کے بہت بڑے اُستاد مانے جاتے ہیں- اسے ہم محض انتخاب نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ انتخابات کے ساتھہ شاعروں کے مختصر حال بھی درج ہیں - یہ بھی ایک قسم کا تذکرہ ہے - یہ حالات اُردو زبان میں ہیں —

اس تالیف میں ولی، درد، سودا، میر، جرات، حسن، نصیر، ممنون، نسخ، مول چند، ذوق اور مومن کے کلام کے انتخابات ہیں - یہ کتاب سنہ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ع) میں لکھی گئی اور دھلی میں سنہ ۱۸۴۲* میں طبع ہوئی- کل ۲۷۳ صفحے ہیں اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں - شروع میں ۲۳ صفحے کا ایک مقدمہ ہے جس میں صہبائی نے ہندوستانی شاعری اور اس زبان کی خاص خاص نظموں کی بحروں پر بحث کی ہے اور ساتھہ ساتھہ بہت اچھی مثالیں بھی دی ہیں - ایک کتاب جو دھلی میں ''خلاصۂ دیوانہا'' کے نام سے طبع ہوئی ہے، وہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے—

صہبائی کی عمر تقریباً ساتھہ سال+کی ہے؛ نظم اُنھوں نے بہت کم لکھی ہے،

---

* اس سنہ کے لکھنے میں کچھہ غلطی ہوگئی ہے - (اڈیٹر اردو)

+کریم نے سنہ ۱۸۴۷ع میں ان کی عمر ۴۰ بتائی تھی لیکن ڈاکٹر سپرنگر جو ان کو جانتے تھے یہ کہتے ہیں کہ وہ ۱۸۵۴ع میں ۶۰ کے تھے—

لیکن علاوہ اس کتاب کے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے ' اُن کی اور بھی تالیفات ہیں-
ایک تو فارسی کتاب حدائق‌البلاغت کا اُردو ترجمہ ہے؛ ترجمہ کیا ' یوں کہنا چاہئیے
کہ اُنھوں نے اس کتاب کے مطالب کو اُردو شاعری پر ڈھال‌لیا ہے- دوسری ہندوستانی
صرف‌ونحو جو اُردو زبان میں لکھی ہے- تین رسالے معمے پر' الفاظ مشکلہ* اور اس
قسم کی دوسری کتابیں ان کی تالیف سے ہیں —

۳۰ - صحف ابراہیم - مصنف کا نام خلیل ہے اس لئے اس پر سے کتاب کا یہ
نام رکھا ہے- اس کا ایک فارسی تذکرہ بھی ہے —

۳۱ - سراپاسخن - اس کا مؤلف محسن لکھنوی ہے' یہ شخص ہندوستانی
زبان کا شاعر بھی ہے - یہ تذکرہ سنہ ۱۸۵۲ ع میں اختتام کو پہنچا اور سنہ ۱۸۶۱ ع
میں طبع ہوا - حجم ۴۰۰ صفحے کا ہے اور حاشیہ بھی تمام تحریر سے بھرا ہوا ہے-
اس میں سات سو ۷۰۰ زیادہ شعرا کا مختصر ذکر ہے - کلام کے انتخاب کی ترتیب
گلشن نشاط کی طرح مصنفین کے ناموں کے لحاظ سے ہے †—

۳۲ - طبقات‌الشعرا یا تذکرۂ شعرائے ہند بھی ہندوستانی شعرا کا تذکرہ ہے
اور اُردو زبان میں ہے ' دہلی میں سنہ ۱۸۴۸ ع میں طبع ہوا - حجم ۵۰۴ صفحے
ہے - سرورق پر اُردو کے علاوہ انگریزی تحریر بھی ہے جس کی آخری سطریں یہ
ہیں " اردو شعرا کی تاریخ جو جی تاسی کی تاریخ ادب ہندوستانی سے ایف -
فیلن اسکوڈر اور منشی کریم‌الدین نے ترجمہ کی " - یہ در حقیقت میری تاریخ کی
پہلی جلد سے حذف و اضافہ کے ساتھہ تالیف کی گئی ہے' جس سے وہ ایک نئی

---

* اسے ٹیک چند کی کتاب کی شرح سمجھنا چاہئے- اس کا نام بھی بہی ہے -
صہبائی کی کتاب سنہ ۱۸۴۷ع میں طبع ہوئی ـ

† یہ تمام انتخاب سراپا کے متعلق ہے (اڈیٹر اُردو)

کتاب ہوگئی ہے اور استناد کے لئے کار آمد ہے ۔ اضافہ تقریباً تمام کا تمام یا تو خاندان تیموری کے شاہزادوں کے حالات کا ہے جو اپنا وقت بہلانے کے لئے اُردو شاعری کیا کرتے تھے یا دھلی کالج کے پروفیسروں کے حالات سے متعلق ہے- پروفیسروں کا ذکر دلچسپ ہے ' ایک تو اس لئے کہ اہل علم و فضل کا ذکر ہے' دوسرے اس وجہ سے کہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے —

کریم کی دوسری ہندوستانی تالیفات کا ذکر اس موقع پر موجب طوالت ہوگا علاوہ تصنیفات کے اُن کی تالیف سے ترجمے بھی ہیں اور ایسی کتابیں بھی ہیں جو اُنھوں نے مرتب کی ہیں —

ایسے تذکروں کے تبصرے کے بعد جو اُردو میں تالیف کئے گئے ہیں' میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ اُردو منتخبات کا بھی ذکر کروں - ان سے ہندوستانی شاعری کے متعلق بہت سی دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ایسے کلام کا علم ہوتا ہے جو دوسری جگہ نہیں ملتا - ایسی جو جو کتابیں جس ترتیب سے میرے علم میں آئی ہیں اُن کی کسی قدر کیفیت میں یہاں لکھتا ہوں—

۳۳' ۳۴' ۳۵- اول دو مجموعے جن کا میں یہاں ذکر کرنا چاہتاہوں' وہ فاضل انگریزوں کی بدولت تحریر میں آئے جو اِس نظر سے بہت قابل قدر ہیں - پہلے مجموعے کا نام "Selections from the popular poetry of the Hindus" (ہندؤں کی مقبول شاعری کا انتخاب) ہے - یہ کرنل بروٹن مرحوم● کا مرتب کیا ہوا ہے - اس میں ۵۹ مشہور ہندی گیت ہیں اور ضمناً بہت سے مقبول شعرا کا بھی ذکر آگیا ہے- دوسرے مجموعے کی تالیف میں مشہور ہندوستانی مصنف ترنی

● ٹامس ڈیر بروٹن Thomas Duer Broughton بہت با اخلاق شخص تھے اور مجھے ذاتی طور پر اُن کی ملاقات کا شرف حاصل تھا - اُن کا انتقال لندن میں ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۳۵ع میں ہوا —

چرن متر، بھی (جو متعدد کتابوں کا مصنف ھے†) شریک تھا - اُن تمام انتخابات میں جن کا میں ذکر کروں گا یہ بہت اھم ھے - اس میں منجملہ اور انتخابات کے بیتال پچیسی، بھگت مال، کبیر کے ریختوں کے بعض حصے، تلسی داس کی راماین کا ایک دھرہ، باغ و بہار کا ایک باب اور گل بکاولی، آرائش محفل، اُردو ھتوپدیش، جوان کی شکنتلا کے بھی انتخاب ھیں- علاوہ ان کے مختلف شاعروں کی ۳۴۸ چھوٹی چھوٹی نظمیں ھیں جن میں سے بہت سی ایسی ھیں جو عام طور پر مقبول ھوچکی ھیں —

۳۶- گلدستۂ نشاط، جس سے میں نے اپنی تاریخ میں بہت کچھ استفادہ کیا ھے، سنہ ۱۲۵۲ھ (۲۷- ۱۸۳۶ ع) کی تالیف ھے اور اُسی سال کلکتہ میں طبع ھوئی- یہ ھندوستانی اشعار اور نظموں کا اچھا خاصا مجموعہ ھے - یہ ایک قسم کی فصاحت و بلاغت کی مشق ھے جو ایسے شعرا کی مثالوں سے حاصل کی گئی ھے جو فارسی میں شعر کہتے تھے - مؤلف تحصیلداری کے عہدے پر ھے اور کلکتے میں رھتا ھے-

۳۷- مجموعۂ واسوخت، مختلف شاعروں کی واسوختوں کا مجموعہ ھے - یہ ۶۸ صفحوں کا رسالہ ھے، جس کے حاشیے سے بھی کام لیا گیا ھے - یہ کتاب سنہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۹ ع) میں لکھنؤ میں طبع ھوا —

ھندوستانی شعرا کے تذکروں کے بعد جن کا علم مجھے بالواسطہ یا بلاواسطہ ھوا، میں اپنی فہرست مکمل کرنے کے لئے اس قسم کی اُن کتابوں کا بھی ذکر کرنا مناسب خیال کرتا ھوں جن کے نام اُن تذکروں میں پائے گئے ھیں جن سے میں نے مدد لی ھے - اُن کی تفصیل یہ ھے —

---

† منجملہ دوسری کتابوں کے پرش پریشا بھی اس کی تالیف سے ھے جس کا ذکر میں نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد میں کیا ھے - ترنی سنہ ۱۸۴۳ع میں زندہ تھا اور کلکتہ سکول بک سوسائٹی کا سکریٹری تھا —

۳۸- کوی پرکاش- اس کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہندی تذکرہ ہے —

۳۹- وارتا یا بارتا- ولبھا جو ایک ہندو فرقے کا بانی ہے اور جس کے چیلوں کی تعداد ۸۴ ہے ' یہ اس کے قصوں اور باتوں کا عجیب وغریب مجموعہ ہے - ولبھا اور اس کے بعض چیلے ہندو مذہبی گیتوں کے مصنف بھی ہیں * —

۴۰- دلھارام کی بےشمار+ نظمیں جو نامور اشخاص کے متعلق ہیں - ایک تو رام سنیہی فرقے کے متعلق دوسری عموماً ہندؤں نیز مسلمانوں کے متعلق —

۴۱- تذکرۂ حسن (میر غلام حسن) - سرور اور دوسری مصنفین اسے شعرائے ریختہ ‡ کا بہت اچھا تذکرہ بتاتے ہیں - حسن خود ہندوستانی کا بہت نامور شاعر ہے- وہ مشہور مثنوی سحرالبیان کا (جس میں بےنظیر اور بدر منیر کا قصہ ہے) اور مثنوی گلزار ارم کا مصنف اور صاحب دیوان ہے - باوجود اس کے کہ وہ اپنی بعض صوفیانہ نظموں میں اور خاص کر اپنی مناجات میں (جس کا متن $ اور ترجمہ § میں نے اپنی کتاب میں دیا ہے) بہت اچھے اور پاکیزہ خیالات کا اظہار کرتا ہے ' اس نے بعض فحش نظمیں بھی لکھی ہیں ' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی اوباشی میں پڑگیا تھا ' جس کی نظیر عیسائی ممالک میں شاذ ملتی ہے —

۴۲- تذکرۂ سودا - قاسم نے اپنے تذکرے میں سعدی کے حال کے ضمن میں اُردو کے نہایت نامور شاعر سودا کے تذکرے کا بھی حوالہ دیا ہے - لیکن مجھے اس کا اب تک علم نہیں ہوا —

---

* دیکھو مہری تاریخ جلد ۱ ' ص ۵۱۸ —

+ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد ۱۰۹۹۹ ہے - دیکھو مہری تاریخ' جلد اول ص ۱۶۱ -

‡ تاریخ ادب ہندوستانی جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ —

$ قصۂ کامروپ کے متن کے بعد —

§ ولی کے کلام کے ترجمے کے نوٹ میں —

۴۳ - گلزار مضامین - یه کتاب جو سنه ۱۱۹۹ھ (۸۵-۱۷۸۴ع) میں شایع هوئی مشہور شاعر طپش کی چھوٹی نظموں کا مجموعہ ھے - تاهم اس میں تذکرے کی بھی صورت ھے ' کیونکہ دیباچے میں مصنف نے اُردو شاعری اور شاعروں سے بحث کی ھے —

۴۴ - گلدستۂ حیدری - اس کے مؤلف حیدربخش حیدری هیں جو اِس صدی کے ابتدا میں بہت بڑے مصنف گزرے هیں - اس گلدستے میں علاوہ قصوں اور لطیفوں کے ایک دیوان اور هندوستانی شعرا کا ایک تذکرہ ھے —

۴۵ - تذکرۂ میر محمدعلی ترمذی - یہ شخص هندوستانی زبان کا مؤلف ھے۔ اس نے شاہ نامۂ فردوسی کا خلاصہ نثر میں کیا ھے* اس تذکرے کا ذکر گلزار ابراهیم میں پایا جاتا ھے - اس کے سوا مجھے اس تالیف کے متعلق کوئی علم نہیں ھے —

۴۶ - ایک کتاب "روضۃالشعرا" بھی ھے - اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں —

۴۷ - تذکرۂ اختر - اختر واجد علی شاہ سابق بادشاہ اودھ کا تخلص ھے - وہ جب لکھنؤ میں تھے تو اپنی فرصت کے وقت ادبی ذوق میں مصروف رھتے تھے۔ وہ بہت سی هندوستانی کتابوں کے مؤلف هیں ' جن میں سے بعض چھپ کر شایع هوگئی هیں ' اِن میں سے کئی میرے ذاتی کتب خانے میں موجود هیں - اس تذکرے کے متعلق یہ کہا جاتا ھے کہ اس میں پانچ‌هزار فارسی اور هندوستانی شاعروں کا ذکر ھے' لیکن میں ذاتی طور پر اس سے بالکل ناواقف هوں —

۴۸ - اُردو شعرا کا ایک مختصر سا تذکرہ آزردہ (صدرالدین) نے بھی لکھا ھے - یہ اِسی زمانے کے شخص هیں اور هندوستانی زبان میں شعر کہتے هیں ' انھیں عربی میں بھی شعر کہنے کا شوق تھا۔ شیفتہ نے سودا کے حال میں اس تذکرے

* دیکھو میری تاریخ ادب هندوستانی جلد ۱' ص ۳۵۹ —

کا ذکر کیا ھے - ڈاکٹر سپرنگر کی آزردہ سے ملاقات تھی اور ڈاکٹر صاحب نے کبھی اُن سے اس تذکرے کے ذکر نہیں سنا - آزردہ کی عمر اِس وقت ۷۰ برس کی ھے' * وہ مولوی اور مفتی ھیں اور خاں کا خطاب بھی رکھتے ھیں—

۴۹ - تذکرۂ عاشق (مہدی علی) - یہ بڑے پر گو شاعر ھیں - اِن کے تین دیوان ھیں ' اور علاوہ ان کے منظوم قصۂ خاورشاہ † اور بہت سی نظموں کے مصنف ھیں- دھلی میں اُن کے ھاں مشاعرے ھوا کرتے تھے' اور یہ تذکرہ بھی انہیں شعرا کے متعلق ھے اس میں وھی نظمیں ھیں جو اُن مشاعروں میں پڑھی جاتی تھیں—

۵۰ - تذکرۂ سرو آزاد کا ذکر ابوالحسن نے اپنی کتاب مسرت افزا میں کیا ھے جس سے یہ خیال ھوتا ھے کہ اس میں اُردو شاعروں کا ذکر ھوگا - نے تھےنیل نے اس کا ذکر فارسی شعرا ‡ کے تذکروں میں کیا ھے - دونوں باتیں ممکن ھیں ' کیونکہ یہ مسئلہ ایسے شاعروں کا ھوجاےگا جن کا کلام فارسی میں بھی ھے' اور ھندوستانی میں بھی —

آزاد خود ھندوستانی زبان کا بہت بڑا شاعر تھا - اوپر جو کچھہ کہا گیا ھے اس کا یقین مجھے اس لئے ھوتا ھےکہ آزاد نے فارسی شعرا کا ایک اور تذکرہ لکھا ھے جو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ھے - اس کا نام خزانۂ عامرہ ھے- اس کے دیباچے میں وہ بیس دوسرے تذکروں کا حوالہ دیتا ھے جن سے اس نے استفادہ کیا ھے ||—

---

* شیفتہ نے لکھا ھے کہ اُن کی عمر تقریباً پچاس سال کی ھے —

† میں نے غلطی سے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں اسے مرلقا سے منسوب کردیا ھے —

‡ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۴ ص ۱۷۰—

|| دیکھو اس کتاب پر ایم - ان - بلانڈ کا مضمون - جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۹ - صفحہ ۱۵۰ —

دوسری وجہ یہ ہے کہ آزاد ایک اور رسالے کا بھی مصنف ہے جو "ہندوستان کی غزلوں" پر ہے اور جس کا نام رسالۂ غزلان ہند ہے - یعنے یہ اُن نظموں پر ہے جو ہندوستان میں لکھی گئی ہیں - ممکن ہے کہ یہ تذکرہ بھی ہو اور مجموعۂ انتخابات بھی - اور شاید یہ کتاب بھی سرو آزاد ہی ہو اور اِس دوسرے نام سے مشہور ہوگئی ہو* —

سرو آزاد فارسی میں ہے اور اس کا ترجمہ ہاپور کے کائستھ موتی لال نے جو دہلی کالج کے ممتاز طالب علم تھے انیس برس کی عمر میں سنہ ۱۸۴۷ع میں ہندوستانی میں کیا - اس کے دوسرے ہی سال موتی لال نے گلستاں کا ترجمہ کیا اور دلی کے اخبار قران السعدین کی اڈیٹری کرنے لگا —

افسوس نے اپنی کتاب آرایش محفل میں آزاد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے —

" میر غلام علی آزاد بھی شعر و سخن و علم و فضل میں اپنے معاصرین کے بیچ لاثانی تھا - ملکہ اشعار عربی تو اِس فصاحت و بلاغت و بہتایت کے ساتھ کہ اہل ہند میں کسی نے اُس سے آگے بھی نہیں کہے - قصائد اس کے اس بات پر دال ہیں اور اس کی تعریف میں فصیحان عرب کی زبانیں لال - پیدائش اُس کی گیارہ سے چودہ ہجری میں اور وفات اُس کی سن بارہ سے دو میں " -

۵۱ – تذکرۂ کاملین– یہ اس زمانے کے ایک ہندوستانی زبان کے مصنف رامچند

---

*(نوٹ از اڈیٹر - مؤلف کی اطلاع سرو آزاد اور غزلان ہند کے متعلق مبہم اور مشتبہ سی ہے - اصل یہ ہے کہ سرو آزاد ، آزاد کی مشہور کتاب مآثرالکرام تاریخ بلگرام کا دوسرا حصہ ہے اس کتاب کی دو فصلیں ہیں - پہلی فصل میں فارسی شعرا کے حالات ہیں اور دوسرے میں شعرائے ریختہ کے - فارسی شعرا کے تذکروں کی تعداد ۱۴۳ ہے اور ریختہ کے شعرا کی صرف ۸- غزلان الہند میں ہندوستان کی فارسی شاعری کے صنائع وغیرہ پر بحث ہے نیز ہندوستانی عورتوں کے رسم و رواج اور اسرار' ہندی محبت اور اسی قسم کے معاملات پر بحث کی گئی ہے —)

کی تالیف ھے - یہ اور بھی بہت سی کتابوں کے مؤلف ھیں- یہ تذکرہ جو دھلی میں سنہ۱۸۴۹ع میں طبع ھوا، صرف شعرا ھی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں دوسرے اشخاص کا بھی ذکر ھے، اسی لئے میں نے اس کا یہاں ذکر کیا ھے —

۵۲ - تذکرۂ ھندی ' تالیف مولانا قدرت‌اللہ شوق - اس تذکرے کا جو طبقات‌الشعرا کے نام سے بھی موسوم ھے، مصحفی، سرور اور کریم نے ذکر کیا ھے؛ لیکن میرے دیکھنے میں نہیں آیا - اس کا مؤلف بہت پر گو شاعر ھے اور ایک لاکھ شعر کہہ چکا ھے - قائم چاندپوری کا شاگرد ھے - اس کے گھر میں اکثر مشاعرے ھوتے تھے اور سنہ ۱۸۰۷ع میں جب قاسم نے اپنا تذکرہ لکھا تو وہ بقید حیات تھا —

۵۳ - تذکرۂ خاکسار - اس کے مؤلف میر محمد یار عرف کلن ' کلو یا گلو ایک متقی درویش اور مشہور شاعر تھے اور سنہ ۱۸۰۵ع میں انتقال کر گئے- اس تذکرے کا حوالہ شورش نے دیا ھے - سرور جو خاکسار سے واقف تھا اس کا ذکر نہیں کرتا ' شاید اس لئے کہ اس کا تعلق فارسی شعرا سے ھے؛ لیکن میرے پاس اس امر کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں—

۵۴- تذکرۂ محمود (سید حافظ محمود خاں) - اس تذکرے میں فارسی اور ھندوستانی دونوں کے شاعروں کا ذکر ھے - مؤلف جو اسی زمانے کا ھے اور نسلاً افغان ھے ' قرآن کا حافظ ھے جیسا کہ اس کے نام سے ظاھر ھے - وہ ھندوستانی زبان میں شعر کہتا ھے - چنانچہ سرور نے اپنے تذکرے میں اس کے اشعار کا انتخاب سات صفحوں میں کیا ھے —

۵۵ - تذکرۂ مضمون (امام‌الدین خان) - یہ مؤلف جسے عشقی نے مظلوم لکھا ھے ● اور جو محمد شاہ کے عہد میں ایک معزز خدمت پر تھا، وہ اُسی تذکرہ نویس (عشقی) کے قول کے مطابق شعرائے ریختہ کے ایک تذکرے کا مؤلف ھے —

● دیکھو فہرست سپرنگر ا صفحہ ۲۷۵ —

۵۶ - تذکرۂ ذوق (شیخ محمد ابراهیم) دهلوی' جو بادشاہ دهلی کے اُستاد تھے اور عمدۃالاستادین اور ملک‌الشعرا کے خطاب سے سر افراز تھے - مرحوم بوتروس کے پاس اس کا ایک نسخہ دهلی میں تھا ' وہ ضرور بڑی خوبی سے لکھا گیا ہوگا' کیونکہ تذکرہ نویسوں نے ذوق کی بڑی تعریف کی ھے اور اُسے زندہ شعرا میں بہت نامور شاعر خیال کرتے هیں اور اُسے " طوطئی شکر مقال " کہتے هیں - وہ کہتے هیں کہ اس کا اعلیٰ تخیل گل و لالہ کے حسن کو دوبالا کردیتا ھے اور اس کے خیال کا شعلہ دل کو پروانہ کی طرح جلا کے خاک کردیتا ھے —

۵۷- تذکرۂ جہاندار (مرزا جواں بخت جہاندار شاہ)- مرزا جواں بخت شاہ عالم ثانی کے بیٹے تھے - اس شاهزادے نے ' جو اُردو شاعری کا بہت بڑا مربی تھا ' خود بھی اُردو روز مرہ کی زبان میں قابل قدر شعر لکھے هیں - مصحفی اپنے تذکرے میں لکھتے هیں کہ شاهزادے نے هندوستانی شعرا کا تذکرہ جس میں اُن کے انتخابات بھی هیں ' مرتب کیا ھے' جو افسوس ھے کہ اُن کی وفات کے وقت سنہ ۱۲۰۱ھ (۸۷-۱۸۸۶ع) میں مسودے کی حالت میں تھا اور جو نہ معلوم کس طرح امام بخش کشمیری * کے هاتھ پڑگیا - اس نے اپنے تذکرے میں اس سے بےدھڑک کام لیا ھے † —

۵۸ - تذکرہ امام بخش کشمیری - اس کا ذکر میں نے سوائے مصحفی کے تذکرے کے اور کہیں نہیں دیکھا اور مصحفی نے مؤلف اور اس کی تالیف کے متعلق کوئی خاص واقعات نہیں بتائے- مصحفی کو یہ شکایت ھےکہ امام بخش نے نہ صرف جہاندارشاہ کا سرقہ کیا بلکہ خود اُن کے تذکرے پر بھی هاتھ صاف کیا ھے - یہ واقعہ مصحفی کو

---

* اس نام سے التباس پیدا ہوتا ھے - یہ اور شخص ھے اور امام بخش صہبائی مؤلف انتخاب دواوین بالکل دوسرے شخص هیں —

† تاریخ ادب هندوستانی جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ —

حقیقت سے معلوم ہوا ، حقیقت کو جرأت نے امام بخش کی درخواست پر اُس کی تالیف میں مدد دینے کے لئے آمادہ کیا تھا - امام بخش نے حقیقت سے اپنی کتاب نقل کرائی - حقیقت کا بیان ہے کہ اس کا کچھ حصہ مصحفی کے تذکرے سے نقل کیا گیا ہے - اس واقعہ کی بناپر مصحفی نے اس کے متعلق ایک قطعہ لکھا ہے جس کا ترجمہ میں نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد صفحہ ۲۱۷ میں دیا ہے —

۵۹- تذکرۃالنسا- یہ خاص شاعر عورتوں کا تذکرہ ہے، "ایشیا اور افریقہ دونوں مقام کی عورتوں کا " - اس کے مؤلف کریم‌الدین مصنف طبقات ہیں - یہ تذکرہ دھلی میں چند سال قبل مرتب ہورہا تھا، معلوم نہیں کہ اختتام کو بھی پہنچا یا نہیں اور شایع ہوا یا نہیں —

۶۰- " مختصر احوال مصنفین ہندی کے تذکروں کا "- اس کا دوسرا نام " رسالہ درباب تذکروں کا " - مؤلف اس کے ذکاءاللہ دھلوی ہیں - یہ رسالۂ ھذا کے پہلے اڈیشن کا محض ترجمہ ہے اور کچھ بھی نہیں —

۶۱ ، ۶۲ و ۶۳ - میں اب صرف نام گنوادیتا ہوں - تذکرۃالحکما ، اور تذکرۃالمفسرین - ان دونوں کے مؤلف مولانا سبحان بخش ہیں، جو اِس زمانے کے فرزانہ اور ظریف ہندوستانی مصنف ہیں - اور تذکرۃالمشاہیر*—

اِن تذکروں کے ذکر کے ساتھ میں اُن انتخابات کا بھی اضافہ کرنا چاہتا ہوں جن کے متعلق مجھے تذکروں سے معلومات حاصل ہوئی ہے- اور جس ترتیب سے میں نے تذکروں کا بیان لکھا ہے وہی ترتیب میں ان کے متعلق بھی اختیار کرتا ہوں —

۶۴ - سبھا ولاس - یہ ہندی نظموں کا انتخاب پنڈت دھرم‌نراین نے کیا ہے ، جن کا تخلص ضمیر ہے - یہ شخص جو سنہ ۱۸۴۹ ع میں صرف ۲۳، ۲۴ برس کا تھا، باوجود نوجوان ہونے کے اندور کا ڈائرکٹر تھا - وہ ہندی اُردو اخبار " مالوہ اخبار "

---

* تین حصوں میں - دیکھو آگرہ گزٹ ، یکم جون سنہ ۱۸۵۵ ع—

بھی شایع کرتا تھا - اس کے بعد سے اُس نے بہت سی کتابیں ہندوستانی میں شایع کی ھیں - جن میں سے اکثر انگریزی کا ترجمہ ھیں —

۹۵- نورتن - اس نام میں اشارہ ھے ایک زیور کا جو اس نام سے مشہور ھے ' نیز دنیا کے نوکھنڈ کا ' اور بکرماجیت کے دربار کے نو بڑے شاعروں کا جو نورتن کہلا تے ھیں - یہ ہندوستانی زبان کا انتخاب ھے جو محمد بخش نے مرتب کیا ھے - یہ کتاب دو مرتبہ بنارس میں چھپ چکی ھے- ایک بار سنہ ۱۸۴۵ ع میں اور دوسری بار سنہ ۱۸۴۹ ع میں —

۹۶- کویا سنگرھا - یہ برج بھاشا نظموں کا مجموعہ ھے' اسے ھیرا چند نے جو کئی بڑھیا کتابوں کا مؤلف ھے' بمبئی سے شایع کیا—

۹۷ - کبی بچن سُدھا - یہ ھندی انتخاب ھے جو ھر مہینے کلکتے سے شایع ھوتا ھے * —

۹۸- انتخاب مشتاق - یہ انتخاب حافظ تاج الدین مشتاق ساکن پٹنہ نے سنہ ۱۲۲۲ھ (۰۷-۱۸۰۶ ع) میں مرتب کیا- میں ذاتی طور پر اس انتخاب سے واقف نہیں ھوں ' لیکن سرور ' شیفتہ ' عشق اور کریم کے تذکروں سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ یہ میرٹھ کا رھنے والا اور دربار حیدرآباد دکن کا شاعر تھا اور نسلاً یہودی تھا- وہ عشق کا شاگرد تھا اور اُردو شاعری میں ممتاز درجہ رکھتا ھے —

۹۹- تذکرہ نویسوں نے ایک اور مشتاق کا بھی ذکر کیا ھے جس کا نام محمد قلی تھا اور جس نے سنہ ۱۲۱۴ھ (۰۲ - ۱۸۰۱ ع) میں انتقال کیا- اس نے ہندوستان اور بنگال کے تمام ریختہ دیوانوں کو جمع کیا تھا- سپرنگر+ کا قول ھے کہ جس وقت شورش نے اپنا تذکرہ لکھا وہ ایک انتخاب کی ترتیب میں مصروف تھا-

---

* مہرا لکچر بابت سنہ ۱۸۶۷ع صفحہ ۲۶ دیکھئے —

+ فہرست سپرنگر' جلد ۱ ص ۲۹۵ —

شاید اِن دومشتاقوں کے ناموں میں کچھھ غلط فہمی ہوی ہے —

۷۰- چمن بےنظیر* یا مجمع‌الاشعار-یہ دونوں نام ایک ہی کتاب‌کے دو اڈیشنوں کے ہیں - دونوں بمبئی میں طبع ہوے - ۱۲۶۵ھ (۱۲۴۸ - ۴۹) اور سنہ ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ - ۵ ع) میں - پہلا انتخاب محمد حسین کا اور دوسرا محمد ابراہیم‌کا - غالباً یہ وہی محمد ابراہیم ہیں جنھوں نے انوار سہیلی کا دکنی میں ترجمہ کیا ہے اور جو سنہ ۱۸۲۴ع میں مدراس میں شایع ہوا - اس انتخاب کے دو حصے ہیں - پہلا ۷۲ صفحے کا ہے جس میں صرف فارسی نظمیں ہیں ؛ دوسرا ۲۴۹ صفحے کا ' جس میں ۱۸۷ مختلف ہندوستانی شعرا کی نظمیں ہیں -

۷۱- مجموعۂ دواوین - ایک قلمی نسخہ جو حضور نظام† کے کتب خانہ میں ہے- مگر یہ انتخاب دواوین سے جدا ہے جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے —

۷۲- مجالس رنگیں - اس میں اپنے زمانے کے شعرا اور اُن کے کلام پر تنقیدی تبصرہ ہے - رنگیں (سعادت یار خاں) اس زمانے کے ممتاز شاعر اور مصنف ہیں اُنھوں نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں جو لکھنؤ اور آگرے میں چھپ چکی ہیں —

۷۳- گلستان مسرت ، شعرا کا یہ انتخاب مصطفیٰ خاں دھلوی کا مرتب کردہ ہے - مؤلف مطبع مصطفائی کے مالک ہیں ' جہاں سے بہت سی ہندوستانی تالیفات شایع ہوچکی ہیں —

۷۴- گلدستۂ ہند - یہ لطائف کا مجموعہ ہے جس میں آٹھہ باب ہیں اور ہر باب کا نام گلشن ہے - آٹھویں باب میں ایسے منتخب اشعار ہیں جو یاد کرنے کے قابل ہیں —

۷۵- معیارالشعرا ' قدیم و جدید شعرا کا کلام ہے جو آگرے سے منشی قمرالدین (قمر) گلاب خاں ہفتے میں دوبار شایع کرتے ہیں —

---

* یہ تاریخی نام ہے اس سے سنہ ۱۲۶۵ ھ یعنی سنہ۴۹-۱۸۴۸ ع نکلتا ہے —

† تاریخ ادب ہندوستانی جلد ۱ - صفحہ ۵۸۶ -

۷۶ - آخر میں میں اپنے حافظے سے لکھتا ہوں کہ میاں مقبول نبی مقبول نے تین سو ہندوستانی قدیم وجدید شعرا کا کلام جمع کیا جس میں ساٹھہ ہزار اشعار تھے، مگر افسوس کہ اُس مجموعے کو آگ لگ گئی * —

میں یہاں کتابوں کی فہرستوں کا ذکر نہیں کرتا ہوں ' تاہم میرا خیال ہے کہ یہ بہت کارآمد ہوتی ہیں ' خصوصاً حوالہ دینے کے لئے۔ مینے ایک صاحب علی احمد† لکھنوی‡ کی قلمی فہرست سے جو فارسی اور ہندوستانی کے قیمتی ذخیرے سے مرتب کی گئی ہے، بہت کام لیا اور سنہ ۱۲۱۱ھ (۹۷-۱۷۹۶ ع' میں اپنی تاریخ ادب ہندوستانی کے لئے اس کی نقل لی —

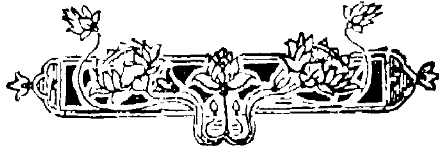
ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست بھی جو فارسی اور دیوناگری دونوں حروف میں ہے قابل ذکر ہے، کیونکہ اس سے بہت سی قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہے جو دوسری جگہ نہیں مل سکتی —

---

* گلشن بےخار (منقول از سپرنگر) وغیرہ —

† کم سے کم ایم - ڈی فوربس کا یہی خیال ہے —

‡ یہ نام ' جو شاذ و نادر ہی استعمال ہوتا ہے ' احمدی کا مترادف ہے (معلوم نہیں مؤلف کا اس سے کیا مطلب ہے شاید وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ علی احمد اور احمدعلی ایک سے نام ہیں۔ اڈیٹر اُردو۔)



ایک پرانی کہانی

یعنے

ایک مقدمہ میں دو متضاد فیصلے

از

(جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی، بی۔ اے)

زندگی کے بس دو ھی پہلو ھیں - زندہ دلی اور مردہ دلی - ایک وہ لوگ ھیں جو مصیبت میں بھی ھنستے ھیں، دوسرے وہ ھیں جو خوشی میں بھی روتے ھیں۔ ایک مرنے کو جینا سمجھتے ھیں اور دوسرے جینے کو مرنا۔ زندگی کے انھیں دونوں پہلوؤں نے کبھی مذھب کی شکل اختیار کی اور کبھی فلسفے کے مکتبوں کی صورت - غرض دنیا بھر کے انسانوں کو دو ٹکڑیوں میں تقسیم کردیا - ایک روتی صورت، دوسرے ھنستی صورت - کوئی انشا بنا اور کوئی میر —

پہلے زمانے کے لوگوں کا کیا کہنا - وہ تو بچوں کو شروع ھی سے سکھاتے تھے کہ ھنستے کھیلتے عمر گزار دو - کہانیاں کہتے تھے تو ایسی کہ بچوں کو زندہ دلی سے محبت اور مردہ دلی سے نفرت ھو۔ پرانے قصے کہانیاں اب خود قصہ کہانیاں ھوگئیں۔ ان کو اس لئے چھوڑ بیٹھے کہ پرانی ھر بات فضول ھے - خیر کوئی سنے یا نہ سنے میں تو ایک پرانی وضع کی کہانی کہے دیتا ھوں - ذرا دیکھنا کس خوبی سے زندگی کے دونوں پہلو دکھا کر زندہ دلی کی ترغیب دی ھے —

گرمی کا موسم ھے ' چاندنی رات ھے ' صحن میں پلنگ بچھے ھیں - کھانا وانا کھا کر سب ابھی لیٹے ھیں- ایک پلنگ پر دولڑکیاں سعیدہ اور حمیدہ لیٹی کُھسر پسر کررھی ھیں - دوسرے پلنگ پر اُن کے دو چھوٹے بھائیوں احمد اور محمود میں کُشتم کُشتا ھو رھی ھے - ان کی والدہ تختوں پر جانماز بچھوائے عشا کی نماز پڑہ رھی ھیں - ان کی نانی نے ابھی نماز سے فارغ ھوکر پاندان کھولا ھے- پاندان کی آواز سنتے ھی احمد و محمود لڑائی وڑائی چھوڑ پلنگ سے اُٹھے اور نانی سے آکر لپٹ‌گئے- احمد نے کہا "نانی اماں کہانی" - محمود نے کہا "ھاں نانی اماں کہانی". یہ سننا تھا کہ سعیدہ اور حمیدہ بھی اُٹھہ بیٹھیں اور اُنھوں نے بھی نانی سے کہانی کا تقاضا کیا- بڑی بی بہت کچھہ کہتی رھیں " ارے بھئی میرے سر میں درد ھے'کل کہونگی- دیکھو غل نہ مچاؤ' تمھاری اماں کی نماز میں ھرج ھوتا ھے ". مگر کون سنتا تھا آخر کھسیٹ کھسات بڑی بی کو پلنگ پر لا ھی بٹھا یا - دو ایک پہلو میں لیٹ گئے ' دو دوسرے پہلو میں - اور اب بحث شروع ھوئی کہ کونسی کہانی کہی جائے - میاں احمد سب سے چھوٹے تھے ' ان کا اصرار تھا کہ طوطا مینا کی کہانی کہو- لڑکیاں سر تھیں کہ ڈلہ کا قصہ سناؤ- بڑی‌بی پریشان تھیں‌کہ‌کونسی کہوں کونسی نہ‌کہوں' آخر کہنے لگیں - " تم سوچنے تو دیتے ھی نہیں' کہوں تو کیا خاک کہوں - ذرا دم لو' میں سوچ تو لوں " - یہ سنکر بچے چپ ھوئے' بڑی بی نے دماغ پر ذرا زور ڈالا اور اس طرح کہنا شروع کیا —

تو ھاں بھئی خدا تمھارا بھلا کرے' ایک تھی بڑھیا - بچاری کے ایک ھی بچہ تھا - مصیبت کی ماری سارے دن سوت کاتتی شام کو جا گدڑی میں بیچ آتی ' دپنا بنئے کے ھاں —

سعیدہ – نانی اماں وھی دپنا نا ' جس کے ھاں سے ھمارا اناج آتا ھے —

احمد – نانی اماں ! دپنا ' پودینا - باجرے کی روٹی ' تکا مہینہ —

بڑی بی نے بچوں کو ڈانٹا کہ نہ تم سنتے ھو نہ کہنے دیتے ھو - چلو جاؤ'

اپنی اماں سے جاکر کہانی سنو - وہ نماز پڑھ چکی ہیں - مجھ سے سننا ہے تو چپکے لیٹے رہو —

خیر پھر اقرار ہوے اور بڑی بی نے کہا " تو ہاں میں نے کہاں تک کہا تھا"۔

حمیدہ - ڈپٹا بنئے کے ہاں سے—

بڑی بی - "ہاں ڈپٹا بنئے کے ہاں سے تھوڑی سی دال، تھوڑا سا آٹا، تھوڑا سا نمک مرچ لاتی پکاتی، خود کھاتی، بچے کو کھلاتی - اسی طرح کئی برس گزر گئے - بچہ خاصا سیانا ہوگیا —

احمد ـ نانی اماں، سیانا کیا ؟

نانی - سیانا یعنے ذرا بڑا، ہوشیار —

میاں محمود جوش میں آکر اُٹھ بیٹھے اور کہا " نانی اماں جیسے میں " - بہنوں نے میاں محمود کو پکڑ دھکڑ زبردستی لٹا دیا - اور پھر کہانی شروع ہوئی—

نانی - جب ذرا سیانا ہوا تو میانجی کے پاس پڑھنے بٹھایا—

احمد - نانی اماں تختی پہ تختی، میانجی کی آئی کمبختی —

نانی - نابیٹا - ایسی بری باتیں نہیں کیا کرتے، مولوی صاحب باپ کے برابر ہوتے ہیں - اِن کو بھی بھائی بہنوں نے زبردستی خاموش کیا - اور کہانی کا پھر سلسلہ چھڑا —

نانی - بھئی وہ لڑکا تو ایسا نکلا، ایسا نکلا کہ سبحان‌اللہ- تھوڑے ہی دنوں میں پڑھ پڑھا خاصا مولوی ہوگیا - عرضی پرزہ کر کچہری میں دس روپئے کا نوکر بھی ہوگیا- اب بڑی بی کےدن پھرے - اچھے اچھے کھانے پکاتی،اچھے اچھے کپڑے بناتی، مزے سے دونوں‌ماں بیٹے رہتے-جب ہوتے ہوتے تھوڑا بہت روپیہ‌بھی‌جمع ہوگیاتو بڑی بی کوبچے کی شادی کی سوجھی- ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایک‌لڑکی چندے آفتاب چندے مہتاب بیاہ لائیں- بڑے چاؤ سے بہو کو گھر میں اُتارا - اچھے سے اچھا کھانا بہو کو کھلاتی - اچھے سے اچھا کپڑا پہناتی - مگر بہو تھی کہ کوئی چیز، اس کے بھاویں ہی نہ تھی -

جب تک گھونگھٹ رہا اس وقت تک تو کسی نہ کسی طرح گزرے گئی - گھونگھٹ اُٹھنا تھا کہ ساس پر مصیبت آگئی - زبان سے ہوتے ہوتے ہاتھ پر اتر آئی۔ خود ہی بڑھیا کو مارتی اور خود ہی ٹسوے بہانے بیٹھ جاتی - خاوند سے وہ وہ لگائی بجھائی کی کہ ایک دن بیٹے نے بھی ماں کو خوب مارا —

حمیدہ اُچھل پڑی اور کہا " اے ہے ماں کو مارا ! موے کو بڑھیا پر ہاتھ اُٹھاتے شرم بھی نہ آئی " —

نانی — ہاں بیٹا ! اچھی بیٹیاں ساس کو ماں کے برابر سمجھتی ہیں — نوج دور پار اگر شریفوں کی بہو بیٹیاں ایسی باتیں کرنے لگیں تو پھر شریفوں اور چوہڑ چماروں میں کیا فرق رہ جائے — ہاں تو بیٹے نے مارپیٹ بڑھیا کو گھر سے نکالدیا —

محمود — اور ہلدی چونا نہیں لگایا -

نانی — ہلدی چونا لگا نا ہوتا تو مارتے ہی کیوں - تو خیر بیچاری بڑھیا روتی رلاتی جنگل بیابان میں جہاں نہ آدم نہ آدم زاد ایک بڑ کے درخت کے نیچے جا بیٹھی اور لگی منہ ڈھانک کر رونے - خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ انہی دنوں میں جاڑا ، گرمی ، برسات میں جھگڑا ہوا - جاڑا کہتا میں اچھا - گرمی کہتی میں اچھی - برسات کہتی میں اچھی - آخر یہ صلاح ہوئی کہ چلو چلکر کسی آدم زاد سے پوچھیں۔ ان کا جو ادھر گزر ہوا تو تینوں نے کہا ، لو بھئی وہ سامنے ایک بڑھیا بیٹھی رو رہی ہے، چلو اس سے پوچھیں —

سب سے پہلے میاں جاڑے آے - گوری گوری رنگت، گلے ایسے جیسے انار کا دانہ، سفید لمبی ڈاڑھی ، موٹا سا روئی کا دگلہ پہنے —

حمیدہ — نانی اماں — وہ کہاوت کیا ہے ، دگلہ سب سے اگلا —

نانی — دگلہ سب سے اگلا — پہنو تو گرم، بچھاؤ تو نرم — باندھو تو بغچی کا بھرم — تو ہاں ۔ موٹا سا روئی کا دگلہ پہنے ، خوب اوڑھے لپیٹے آے — ان کا آنا تھا کہ

بڑی بی کو تھر تھری چھوٹ گئی - میاں جاڑے نے آکر کہا " بڑی بی سلام "- بڑی بی نے کہا "بیٹا جیتے رھو، بال بچے خوش رھیں- مگر بیٹا ذرا دھوپ چھوڑ کر کھڑے ھو، مجھے تو تمہارے آنے سے کپکپی سی لگ گئی ھے"- خیر میاں جاڑے ذرا ھٹ کرکھڑے ھوے اور کہا " بڑی بی ایک بات پوچھوں "- بڑی بی نے کہا " ھاں بیٹا ضرور پوچھو"- میاں جاڑے نے کہا " بڑی بی جاڑا کیسا " - بڑی بی نے کہا " بیٹا ، جاڑا ! جاڑے کا کیا کہنا سبحان اللہ - مہاوٹ برس رھے ھیں ، دالانوں کے پردے پڑے ھیں - انگیٹھیاں سلگ رھی ھیں ، لحافوں میں دبکے بیٹھے ھیں ، چائیں بن رھی ھیں ، خود پی رھے ھیں - دوسروں کو پلا رھے ھیں - صبح ھوئی اور چنے والا آیا - گرم گرم چنے لئے ، پہلے پھولے پھولے چنے کھائے پھر کُتر کُتر تھدیاں چبا رھے ھیں- حلوا، پوریاں اُڑ رھی ھیں - بچے ھیں کہ جیبوں میں چبینا ڈالے کھاتے پھر رھے ھیں - کابل سے طرح بطرح کے میوے آرھے ھیں ، سب مزے لے لے کر کھا رھے ھیں ،—

سعیدہ- نانی اماں ! حلوا سوھن بن رھا ھے—

نانی-ھاں- حلوا سوھن بن رھا ھے ، گاجر کی تری تیاری ھورھی ھے، باجرے کا ملیدہ بن رھا ھے ، رس کی کھیر پک رھی ھے - ادھر کھایا، اُدھر ھضم - خون ھے کہ چلوؤں بڑھ رھا ھے- چھرے سرخ سرخ ھورھے ھیں - بیٹا ، جاڑا ! جاڑے کا کیا کہنا ، سبحان اللہ —

میاں جاڑے تھے کہ اپنی تعریفیں سن سن کر پھولے نہ سماتے تھے - جب بڑی بی چپکی ھوئیں تو میاں جاڑے نے کہا " بڑی بی ! خدا تم کو زندہ رکھے ، تم نے میرا دل خوش کردیا - یہ لو ایک ھزار اشرفی کی تھیلی - خرچ ھوجاے تو اگلے جاڑے میں مجھ سے اور آکر لیجانا " —

میاں جاڑے ھٹے اور بی گرمی مٹکتی ھوئی سامنے آئیں - کوئی پندرہ سولہ برس کا سن - سرخ سرخ گال ان پر ھلکا ھلکا پسینہ، روشن آنکھیں، لمبی کالی چوٹی، گلے میں موتیا کا کنٹھا، ھاتھوں میں مولسری کی لڑیاں، جسم پر کرن ٹکی ھوئی

ھوا ڈوریہ کی پیازی اوڑھنی - غرض بڑے ٹھسے سے آئیں اور آتے ھی کہا "نانی جان سلام!" - بڑی بی نے کہا " بیٹا جیتی رھو! - بوڑھ سہاگن ھو! کہو، تم بھی کچھ پوچھنے آئی ھو؛ ابھی تمھارے ابا تو آکر پوچھ گئے ھیں" - بی گرمی نے کہا "نانی جان وہ مرے ابا نہیں ' بڑے بھائی ھیں - ھاں تو میں یہ پوچھنے آئی ھوں کہ نانی جان گرمی کیسی" - بڑی بی نے کہا " بیٹا گرمی! گرمی کا کیا کہنا! سبحان اللہ! دن کا وقت ھے، خسخانوں میں پڑے ھیں ' پنکھے جھلے جارھے ھیں' کٹورے پر کٹور: شربت کا چل رھا ھے - بچوں کے ھاتھوں میں ھزارے ھیں ' ایک دوسرے پر چلا رھے ھیں - برف کی قلفیاں (قفلیاں) کھائی جارھی ھیں ' فصل کے میوے آرھے ھیں؛ پتلی پتلی ککڑیاں ھیں ' لوکاٹ ھیں' آڑو ھیں —

حمیدہ- نانی اماں! انگور ھیں' سیب ھیں—

نانی – واہ بھئی واہ! انگور اور سیب جاڑے میں ھوتے ھیں یا گرمی میں - تم جب بولتی ھو بے تکی بولتی ھو - ھاں تو شام کو اُٹھے' نہائے' دھوئے' سفید سفید کپڑے پہنے' خس کا عطر ملا' گلے میں موتیا کے کنٹھے ھیں' ھاتھوں میں مولسری کی لڑیاں ھیں- صحن میں چھڑکاو ھوگیا ھے - گھڑونچیوں پر کورے کورے مٹکے رکھے ھیں - قلعی دار بجھیروں پر سوندھی سوندھی صراحیاں جمی ھیں - گھڑوں اور صراحیوں کے منہ پر لال لال صافیاں لپٹی ھیں - ارد گرد کاغذی آبخورے لگے ھوے ھیں - گلاب کی بسی گنڈیریاں کھا رھے ھیں - رات ھوئی - کوٹھوں پر پلنگ بچھ گئے' سفید سفید چادریں بچھی ھیں ' اوپر پھول پڑے ھوے ھیں - خس کی پنکھیاں ھاتھ میں ھے- کوئی بھیگے ھوے بان کے کُھرے پلنگ پر پڑا لوٹ رھا ھے —

احمد - نانی اماں کہانیاں ھورھی ھیں —

نانی - ھاں کہانیاں ھورھی ھیں - لوگ ھیں کہ رات کو فالیز پر جارھے ھیں - خربوزے ' تربوز کھارھے ھیں —

محمود - کبڈی ھورھی ھے —

فانی - ہاں کبڈی ہورہی ہے - ریتی میں لوٹ رہے ہیں - صبح نہائے دھوے' مزے مزے گھر آگئے - بیٹا گرمی ؟ گرمی کا کیا کہنا! سبحان اللہ ! —

گرمی کا یہ حال تھا کہ تعریفیں سنتی جاتی تھیں اور نہال ہوئی جاتی تھیں- جب بڑی بی تعریفیں کرتے کرتے تھک کر چپ ہوگئیں تو بی گرمی نے چپکے سے نکال کر ایک ہزار اشرفی کی تھیلی ان کے ہاتھہ میں دی اور کہا " فانی جان ! خدا تمہارا بھلا کرے ' آج تم نے میری لاج رکھہ لی - ورنہ بڑے بھائی صاحب تو مارے طعنوں کے مجھے جینے بھی نہ دیتے - میں ہرسال آیا کرتی ہوں' جب آوں بے کھٹکے جو لینا ہو مجھہ سے لے لیا کیجئے - بھلا آپ جیسے چاہنے والے مجھے کہاں ملتے ہیں " —

بی گرمی ذرا ہٹی تھیں کہ برسات خانم چھم چھم کرتی آپہنچیں - سانولا نمکین چہرہ ' چمکدار روشن آنکھیں ' بھورے بال اُن میں سے پانی کی باریک باریک بوندیں اس طرح ٹپک رہی تھیں جیسے موتی- ہاتھوں میں دھانی چوڑیاں' جسم پر بادلہ ٹکا ہوا آبی رنگ کا باریک دوپٹہ - غرض ان کے آتے ہی برکھا رت چھا گئی - انھوں نے بڑھکر کہا "اماں جان سلام"- بڑی بی نے کہا " بیٹا' جیتی رہو! پیٹ ٹھنڈا رہے ! ہو نہو' تم بی گرمی کی بہن' برسات خانم ہو " - بی برسات نےکہا "جی ہاں- میں بھی پوچھنے آئی ہوں کہ میں کیسی ہوں"- بڑی بی نے کہا" بی برسات! تمہارا کیا کہنا ہے - تم نہو تو لوگ جئیں ہی کیسے - مینہ چھم چھم برس رہا ہے' باغوں میں جھولے گڑھے ہیں' جھولے پڑے ہیں عورتیں ہیں کہ ہاتھوں میں مہندی رچی ہے' سرخ سرخ جوڑے- دھانی چوڑیاں پہنے جھول رہی ہیں- کچھہ جھول رہی ہیں' کچھہ جھلا رہی ہیں' ملار گائے جارہی ہیں-ایک طرف کڑھائی چڑھی ہے' دوسری طرف بری پراٹھے پک رہے ہیں - مرد ہیں کہ تیراکی کا میلا دیکھنے گئے ہیں ؛ لوگوں کے جمگھٹ ہیں ' دریا چڑھے ہوے ہیں ' کوئی کسی طرح تیر رہا ہے' کوئی کسی طرح- اودی اودی گھٹائیں آئی ہوئی ہیں' پھوار پڑرہی ہے - نوروز

ہورہے ہیں ۔ تالابوں میں آم پڑے ہیں ۔ آم کھارہے ہیں گُٹھلیاں چل رہی ہیں ۔ برسات، بھئی برسات کا کیا کہنا ! سبحان اللہ !"ــــ

بی برسات نے بھی ایک ہزار اشرفی کی تھیلی بڑی بی کے نذر کی اور رخصت ہوئیں۔ شام ہوتی چلی تھی ۔ بڑی بی تھیلیاں سمیت ہنسی خوشی گھر آئیں۔ ان کی بہو نے دیکھا کہ بڑھیا بستر ا بغل میں دابے چلی آرہی ہے ۔ آگ بگولا ہوگئی۔ کہنے لگی ۔ " بڑھیا تو میرے گھر میں کیوں گھسی ۔ کیا اپنا کفن لیکر آئی ہے ؟ اب نکلتی ہے یا دھکے دے کر نکالوں؟ " ۔ بڑھیا نے کہا " بیٹا ۔ خفا کیوں ہوتی ہے، میں خالی ہاتھ تھوڑی آئی ہوں ، تین ہزار اشرفی لائی ہوں ۔ نکالتی ہے، نکالدے؛ میں اپنا الگ گھر لیکر رہ جاؤنگی "۔ بہو نے جو پوٹلی دیکھی اور تین ہزار اشرفی کا نام سنا تو منہ میں پانی بھر آیا ۔ کہنے لگی " اماں جان کیا سچ مچ تین ہزار اشرفیاں لائی ہو۔ذرا میں بھی تو دیکھوں۔ تم صبح سے کہاں چلی گئی تھیں، آپ کا انتظار کرتےکرتے خدا جھوٹ نہ بلوائے تو تین بجے کھانا کھایا ہے۔ وہ بھی آپ ہی کو ڈھونڈنے گئے ہوے ہیں"۔ اتنے میں بیٹے صاحب بھی آگئے ۔ وہ کچھہ کہناہی چاہتے تھے کہ بیوی نے آنکھہ سے منع کردیا ۔ اب کیا تھا تھیلیاں کھولی گئیں ۔ کئی کئی دفعہ اشرفیاں گنی گئیں ۔ دوسو تو نکال لیں ، باقی گڑھا کھود کر دبادیں ۔ اوپر بیٹے اور بہونے اپنا بستر کردیا۔ رات ہی کو نانبائی کے ہاں سے اچھا سے اچھا کھانا، حلوائی کے ہاں سے اچھی سے اچھی مٹھائی آئی ۔ سب نے مزے مزے سے کھائی ۔ صبح ہوئی تو بیٹے صاحب جا اپنے اور بیوی کے لئے اچھے سے اچھے تھان لائے ۔کپڑے بننے شروع ہوئے ۔ بڑی بی کے پیجاموں کے لئے آٹھہ آنے گز والی چھینٹ، انگیا کُرتی کے لئے چار آنے گز والی ململ ، لال نری کی گول پنجے کی جوتی ، سر میں ڈالنے کو دھوئی تلی کا تیل، کانوں کے لئے ملمع کی چار چار بالیاں، ہاتھوں کے لئے ڈیڑہ ڈیڑہ ماشے کے دو چھلے ۔ غرض بہت کچھہ آیا ۔ بہو اور بیٹا خوش تھے کہ بڑھیا قارون کا خزانہ لے آئی۔ بڑھیا خوش تھی کہ بہو اور بیٹے نے ماں تو سمجھا۔ چلوسب ہنسی

خوشی رهنے سہنے لگے - بی همسائی نے جو یہ چہل پہل دیکھی تو ان سے نہ رها گیا - ایک دن پوچھا " بہن میں ایک بات پوچھوں' برا تو نہ مانوگی " - بڑھیا کی بہو نے کہا " هاں بہن شوق سے پوچھو' برا ماننے کی کون بات هے "-بی همسائی نے کہا " بہن! آخر هم سے بھی تو کہو کہ یہ تمھاری ساس کہاں سے روپیہ مارلائیں- کہیں سے چرا نہ لائی هوں - بہن زمانہ برا هے - اگر چوری کا روپیہ نکلا تو بڑھیا کے ساتھہ کہیں تم بھی لپیٹ میں نہ آجاؤ - حق همسایہ' ماں کا جایا - هم کہے دیتے هیں ' آگے تم جانو ' تمھارا کام جانے "- بڑھیا کی بہو نے کہا " نا بہن ! کہیں یہ بڑھیا چوری کے قابل رهی هے - اس کو تو یہ روپیہ جاڑے ' گرمی ' برسات نے دیا هے" - بی همسائی نے ناک پر اُنگلی رکھہ کر کہا "اوئی بوا ! اپنے هوش کی دوا کرو - بھلا جاڑا' گرمی' برسات کہیں روپئے بانٹتے پھرتے هیں- تم نے مجھے کوئی دیوانہ سمجھا هے جو ایسی اُڑان گھائیاں بتاتی هو' بتاتی هو بتاؤ - نہیں بتاتیں' نہ بتاؤ ؛ همارا سمجھانے کا کام تھا ' سمجھا دیا "- بڑھیا کی بہو تڑپی کہ بی همسائی اِدھر اُدھر کچھہ کی کچھہ نہ لگاتی پھریں ' ساس پر جو جو گزری تھی پوری پوری سنادی - بی همسائی سنتی رهیں ' هنستی رهیں - سب کچھہ سن سنا ' کھڑکی بند کر اپنے میاں کے پاس پہنچیں اور اُن کو سارا قصہ سنا دیا —

بیٹے صاحب نے جو سناتو کہا لاؤ هم بھی لگے هاتھوں اپنی بڑھیا کے ذریعہ سے روپیہ سمیٹ لیں- ان کی تھی ایک اماں' وہ بڑھیا کیا تھی آفت کی پڑیا تھی- گھر بھر کا ناک میں دم کر رکھا تھا - ذرا بگڑی اور بہو کی سات پشت کو تول ڈالا - بہو نے کچھہ کہا اور قیامت آگئی - بہو کو آج موقع ملا ' میاں کو سمجھا بجھا بڑھیا کی خوب گُندی کرائی اور ڈنڈا ڈولی کر جنگل میں جا اُسی بڑ کے نیچے ڈال آئے - بڑھیا نے چیخ چیخ کر سارا جنگل سر پر اُٹھا لیا - خدا کا کرنا کیا هوتا هے کہ جاڑا ' گرمی ' برسات تینوں اُس دن پھر ملے - ایک نے دوسرے سے پوچھا - " کہو بھئی بڑھیا نے کیا تصفیہ کیا " - جاڑے نے کہا "اس نے مجھے اچھا بتایا " - گرمی نے کہا

"مجھے اچھا بتایا'' - برسات نے کہا " مجھے اچھا بتایا " ـ جاڑے نے کہا " بھئی وہ بڑھیا غضب کی بڑھیا تھی - یہ نہیں بتایا کہ تینوں میں کون اچھا ھے - سب ھی کی تعریفیں کرمفت میں تین‌ھزار اشرفیاں مار لیں''۔غرض تینوں چلے بھئے اسی بڑ کی طرف آئے - دیکھا کہ ایک بڑھیا بیٹھی رورھی ھے - پہلے میاں جاڑے پہنچے - اُن کا آنا تھا کہ بڑھیا سردی سے تھر تھر کانپنے لگی - جاڑے نے کہا " بڑی بی سلام مزاج تو اچھا ھے" بڑھیا بولی " چل بڈھے پرے ھٹ ' بڑی بی ھوگی تری ماں - اب جاتا ھے یا نہیں - خود تو روئی کا بنولہ بنکر آیا ھے اور اس جاڑے میں غریبوں کا مزاج پوچھتا ھے - چل سامنے سے ھٹ - دھوپ چھوڑ ! " میاں جاڑے نے کہا " بڑی بی ' میں جاڑا ھوں۔ سچ بتا نا میں کیسا ھوں''۔ بڑی بی نے کہا " آپ اس بڑھاپے میں بھی اپنی تعریف چاھتے ھیں ' لو ! اپنی تعریف سنو - آپ آے - اس کو فالج ھوا ' اس کو لقوہ ھوا - ھاتھہ پاؤں پھٹے جارھے ھیں - ناک سڑ سڑ بہ رھی ھے - دانت ھیں کہ کڑ کڑ بج رھے ھیں - کپڑے ادھر پھنے ' اُدھر میلے ھوے- رضائی ھے کہ لٹکی پڑتی ھے - لحاف ذرا کُھلا اور سر سے ھوا گُھسی - بچھونے ھیں کہ برف ھورھے ھیں - کھانا اِدھر اُترا اُدھر جما- اور جو خدانخواستہ کہیں مہاوٹ برس کر اولے پڑگئے تو غضب ھی ھوگیا - سی سی کر رھے ھیں ' بتیسی بج رھی ھے' ناک معلوم ھوتا ھے کہ منہ پر ھے ھی نہیں- اُنگلیاں ھیں کہ ٹیڑھی ھوئی جاتی ھیں - آنکھوں سے پانی بہا جا رھا ھے - نہ کام ھوسکتا ھے نہ کاج - آخر کہاں تک کوئی آگ تاپے اور دھوپ سینکے-توبہ توبہ آگ کی بھی تو گرمی جاتی رھتی ھے- لیجئے اپنی تعریف سنی یا اور کچھہ سناؤں '' - جاڑا جلا ھوا پہلے کا تھا ھی ' اب جو بڑھیا کی یہ جلی کٹی باتیں سنیں تو اور جل کر کوئلہ ھوگیا - اپنی تھوڑی پکڑ ڈاڑھی کی جو ھوا دی تو بڑھیا کو لقوہ ھو گیا- چلتے چلتے دوتین ٹھوکریں بھی رسید کردیں- ذرا فاصلے پر بی گرمی اور بی برسات کھڑی تھیں - ان سے کہا " لو جاؤ ' بڑھیا سے اپنا تصفیہ کرا لاؤ' ھم تو ھار گئے " —

بی گرمی خوشی خوشی بڑھیا کے پاس آئیں اور کہا " نانی اماں سلام " - بڑھیا نے کہا " چل دور ہو نگوڑی ! میں تیری نانی کیوں ہونے لگی - آج مجھے نانی بنایا ہے کل کسی کو خصم بنا لیگی - اے ہے! تو ایسی جوان جان اور یوں جنگل جنگل پھر رہی ہے- آوارہ ہوگئی ہوگی جو ماں باپ نے گھر سے نکالدیا اور نکالا بھی ایک کپڑے سے- اچھا ہوا' تم جیسے دلدروں کے ساتھہ ایسی ہی کرنی چاہئیے "- بی گرمی نے کہا " نانی اماں ! میں ہوں گرمی ' تم سے یہ پوچھنے آئی ہوں کہ گرمی کیسی" - یہ سننا تھا کہ بڑھیا کے تو آگ لگ گئی - کہنے لگی "او ہو! چوڑی بھی کہے مجھے گھی سے کھاؤ! ابھی تمھارے بھائی صاحب اپنی تعریفیں سن گئے ہیں ' لو تم بھی سن جاؤ - گرمی' گرمی کا کیا کہنا ! سبحان اللہ ! واہ واہ ! پسینہ بہہ رہا ہے ' کپڑوں میں سے بو آرہی ہے ' صبح کپڑے بدلے شام تک چکٹ ہوگئے - کھانا کھایا ہے کسی طرح ہضم نہیں ہوتا' سینے پر رکھا ہے- صبح ہوئی اور لوچلنی شروع ہوئی- اس کو لولگی' اس کو ہیضہ ہوا- منہ جھلسا جاتا ہے'ہونٹوں پر پپڑی جمی ہوئی ہے- پانی پیتے پیتے جی بیزار ہوا جاتا ہے- پانی کیا ہے تتہڑے کا پانی ہے'سینے پر اونٹ رہا ہے- زمین آسمان تپ رہا ہے - دن بھر آگ برستی ہے - رات بھر ریت برستی ہے - نیند آرہی ہے ' لیکن نہ اِس کروٹ چین آتا ہے نہ اُس کروٹ - پنکھا ہاتھہ سے نہیں چھوٹتا ' ذرا ہاتھہ رکا اور دم گھٹنے لگا - ذرا خدا خدا کرکے نیند آئی اور کھٹمل نے چٹکی لی-آنکھہ کھل گئی اور پھر وہی مصیبت- ہاں بیگم صاحب کیوں نہو' گرمی ہو' تمھاری جتنی تعریف کی جاے کم ہے - چل دور ہو میرے سامنے سے - نہیں تو ایسی بے نقط سناؤں گی کہ تمام عمر یاد رکھے گی "- بڑھیا کی باتیں سنکر بی گرمی تو آگ بگولا ہوگئیں -کہا " ٹھیر بڑھیا ! دیکھہ تجھے اس بد زبانی کا کیسا مزا چکھاتی ہوں- خبر نہیں' مجھے تو کیا سمجھی ہے"- یہ کہہ کر جو پھونک ماری تو ایسا معلوم ہوا کہ لو لگ گئی - بڑھیا تو " ہاے مری ! ہاے مری! " کہتی رہی' بی گرمی پیٹ پر ایک دو ہتڑ مار چلتی بنیں—

جب ان کو بھی رونکھی صورت بناے آتے ' بی برسات نے دیکھا تو دل میں بہت خوش ہوئیں اور سمجھیں' چلو میں نے پالا مار لیا - بڑی مٹکتی مٹکاتی بڑھیا کے پاس گئیں اور کہا " نانی جان سلام! کہئے مزاج تو اچھا ہے ! " بڑی بی نے کہا " با با' مار لو ! مار لو! پھر مزاج پوچھنا ' دو تو اپنے دل کی بھڑاس نکال گئے' تم کیوں لگی لپٹی رکھتی ہو ' بےوارثہ سمجھہ لیا ہے' جو آتا ہے مار جاتا ہے" - بی برسات نے کہا " ہیں نانی جان ' خدا نہ کرے ! میں کیوں مارنے لگی - وہ تو دونوں موئے ایسے ہی ہیں' خواہ مخواہ بیٹھے بٹھاے بچاری بڑی بی کو مار مار پلیتھن نکال دیا۔ نانی جان! اب بے خوف رہئے۔ میں ایسا بدلہ لونگی کہ وہ دونوں بھی تمام عمر یاد ہی کرینگے " - یہ سنکر ذرا بڑھیا کے حواس درست ہوے - آنکھہ اُٹھاکر کیا دیکھتی ہے کہ ایک جوان لڑکی نہائی دھوئی' آب رواں کا دوپٹہ اوڑھے سامنے کھڑی ہے - کہنے لگی ' " لڑکی ! کیا دیوانی ہے جو اس طرح گیلے بالوں سے شام کے وقت جنگل میں آئی ہے اور تیرا کوئی والی وارث بھی ہے یا نہیں جو اس طرح اکیلی ماری ماری پھرتی ہے؟ جا' اپنے گھر جا کر بیٹھہ - کیوں باپ دادا کا نام بدنام کرتی ہے۔ اور ہیں!تو توبالکل ننگی ہے۔ جا! جا! دور ہو! میں تجھہ جیسی لچی‌لفندریوں سے بات بھی کرنا نہیں چاہتی"۔ بی برسات نے کہا " نانی جان! خفا کیوں ہوتی ہو۔ میں برسات ہوں - اچھا یہ تو بتا دو کہ برسات کیسی "- بڑھیا نے کہا " برسات؟ گو در گو مرغی کا گو - اے ہے! برسات سے خدا بچاے - بجلی چمک رہی ہے - بادل گرج رہے ہیں- کلیجہ دہلا جاتا ہے - دھما دھم کی آوازیں آرہی ہیں - یہ مکان بیٹھا وہ پاکھا گرا - جو مکان گرنے سے بچ گیا ' اس میں یہاں ٹپکا لگا - وہاں ٹپکا لگا - کبھی اِدھر کے بچھونے اُدھر بچھہ رہے ہیں ' کبھی اُدھر کا پلنگ اِدھر آرہا ہے - باہر نکلنا مشکل ہے ؛ ذرا پاؤں باہر رکھا اور چھینٹے سر سے اوپر گئے - سواری پاس سے نکل گئی تو سب کپڑے چھینٹم چھینٹ ہوگئے - ذرا تیز چلے اور جوتیاں کیچڑ میں پھنس کر رہ گئیں - ہوا بند ہے ' اومس ہورہی ہے ' کپڑے ہیں کہ چھٹے جارہے

ھیں - رات کو مچھر ھیں کہ کھائے جارھے ھیں - کھٹمل ھیں کہ کاٹے جارھے ھیں۔ نہ رات کو نیند نہ دن کو چین - اور پھر اس پر یہ سوال کہ نانی جان میں کیسی ھوں۔ نانی جان سے تعریف سن لی۔ اب تو دل ٹھنڈا ھوا - اے ھے ! یہ بے موسم کی گرج کیسی! خدا خیر کرے!" بڑھیایہ کہہ ھی رھی تھی کہ بی برسات کی نگاہ بجلی بنکر گری اور بڑی بی کے پاؤں کو چاٹتی ھوئی نکل گئی - اِدھر بی برسات بڑھیا کو لنگڑا کر منھہ پر تھوک رخصت ھوئیں اور اُدھر ان کی بہو اور بیٹا اشرفیوں کی تھیلی لینے کے شوق میں بڑ کے نیچے پہنچے - کیا دیکھتے ھیں کہ بڑی بی پٹی گُتی لوتھہ پوتھہ پڑی ھیں - بڑی مشکل سے لاد لود کر گھر لاے' خوب ھلدی چونا تھوپا' مرحم پٹی کی' جب کہیں جا کر دس بارہ دن میں بڑھیا اس قابل ھوئی کہ اپنی کہانی بیان کرے - بہو اور بیٹے نے جو سنا کہ بڑھیا نے جاڑے ' گرمی ' برسات کو برا بھلا سنا کر اور اشرفیاں کھو کر جوتیاں کھائیں تو ان دونوں نے بھی اس کو خوب مارا اور گھر سے نکالدیا ـ اب بچاری سڑک کے کنارے بیٹھی بھیک مانگا کرتی ھے - مگر ایسی نکچڑھی کو کوئی بھیک بھی تو نہیں دیتا - بیٹا ! بات یہ ھے کہ اللہ شکر خورے کو شکر ھی دیتا ھے - جو لوگ خوش مزاج ھوتے ھیں وہ ھر حال میں خوش رھتے اور موئے رونی صورت تو ھمیشہ جوتیاں ھی کھاتے ھیں۔ اے ھے! ایلو! یہ احمد تو سوگیا - سعیدہ! ذرا اُٹھا کر اِسے پیشاب تو کرالے' کہیں ایسا نہو موت کر میرے بچھونے خراب کردے —



سراغ مہم

از

(مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی رکن دارالترجمہ ' حیدرآباد دکن)

(یہ حکیمانہ نظم سید صاحب نے خاص جشن یوم گلبہ
اورنگ آباد کے لئے لکھی تھی اور نواب مسعود جنگ بہادر
نے از راہ عنایت مجمع کو پڑھکر سنائی - اڈیٹر)

(۱)

قدم نہیں قرار میں حیات استوار کا
کہ ہے اسیر ہر نفس ہوائے رہگذار کا
مری زباں میں ہمسفر 'سیاحتیں ہیں منزلیں
مدام گشت و دشت ہے مقام شہسوار کا

(۲)

بھری ہے دور خون میں تب وتواں حیات کی
بھنور میں پرورش ہوئیں روانیاں فرات کی
مناظر وسیع ہیں-عجب نہیں کہ موت بھی
اک اور راہ سیر ہو نہفتہ کائنات کی

(۳)

یہ جستجو ہے گمرہی کہ کیوں چلے کدھر چلے
ترا نصیب چرخ ہے پھرائے جا جدھر چلے
وہی نجوم باد پا بہت پرے نکل گئے
منازل و مدار سے جو رہ کے بے خبر چلے

(۴)

گھٹا جو گھومتی پھری شرارہ دار ہوگئی
خزاں بڑھے چلی گئی، تو نو بہار ہو گئی
یہ انبساط سیل سے کہاں نا اُمید تھی
کُھلی غم جمود میں کہ جوئبار ہوگئی

(۵)

مگس کو رنج سعی سے نشاط انگبیں ملا
جہاد باغباں کا پھل گُشاد یاسمیں ملا
یہ مشت خاک دھر سے ہزار ہا برس لڑی
دماغ آدمی کو تب تمدن آفریں ملا

(۶)

نہ ماحصل کی انتہا نہ محنتیں حدود میں
عمل کے ساتھ آگئے نئے جہاں وجود میں
ہوس بھی شوق کار کے لباس میں عزیز ہے
شکستخوردہ موج تک سدا رہی صعود میں

(۷)

کشا کش دوام میں فراغت دوام ہے
ہنر، شرف، کرامتیں، منقبتوں کا نام ہے
رکے نہ تیغ جنگ جو، سپاہ کوچ میں رہے
یہی صراط امن ہے، یہی در سلام ہے

(۸)

سکوں کو عیش مت سمجھ، فریب ماندگی ہے یہ
بسان صاعقہ تڑپ، تڑپ کہ زندگی ہے یہ
جنون پختہ کار کو تلاش جاوداں نصیب!
نظر ورائے دید پر کہاں بندگی ہے یہ



هوشیار!

اے مرد عاقل هوشیار !

از

(جناب شبیر حسن خاں صاحب جوش ملیح‌آبادی ، رکن دارالترجمه)

[یه پرجوش اور لطیف نظم جناب جوش نے اورنگ‌آباد
کالج کے جشن یوم کُلاهه کے لیُے خاص طور پر تحریر فرمائی
تهی اور اس جلسے میں پڑہ کر سنائی - اڈیٹر]

آرهی هے نیند تجکو درمیان کار زار دیکهدوه تیغ عدو چمکی، خدا را هوشیار!

هوشیار!

اے مردعاقل هوشیار!

خون کے دهارے کے اندر سے هے جس کا راسته آنسوؤں کے سیل میں تو ڈهونڈتا هے وه دیار!

هوشیار !

اے مرد عاقل هوشیار!

آرهی هے دشت استبداد سے باد سموم اور محکومی سمجهتی هے نسیم خوشگوار

هوشیار !

اے مردعاقل هوشیار !

تن سے رخصت هورهی هے روح مزدور غریب حلق پر رکها هوا هے دشنهٔ سرمایه‌دار

هوشیار !

اے مرد عاقل هوشیار !

تو ہے کس دھو کے میں اے صیدِ زبونِ علم و فن   قوت بازو پہ ہے فتح و ظفر کا انحصار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

ضعف و قوت میں توازن ہو' یہ ممکن ہی نہیں   باغباں کا پھول سے ہر عہد ہے ناپائدار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

مجھکو بھی سمجھا کہ تیرے قصر ملت کی بنا   منت اغیار سے کس طرح ہوگی پایدار؟

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

دیکھنے میں عرش تک جاتی ہے' لیکن غور کر   کیا شعاع مہر سے بڑھتا ہے شبنم کا وقار؟

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

خرمن محکوم پر گرتا ہے بنکر صاعقہ   حاکم جابر کی ہر ادنیٰ سی خواہش کا شرار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

رحم کی درخواست سے پہلے یہ دل میں سونچ لے   خون ہے خادم کا' آقا کے گُلستاں کی بہار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

گُرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر اُنگلیاں   آدمی کا آدمی کرتا ہے اکثر یوں شکار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

جتنے جتنے ارتقا کی سمت بڑھتے ھیں قدم   گرتے جاتے ھیں نہال عافیت کے برگ وبار

ھوشیار !

اے مرد عاقل ھوشیار !

——:(۲):——

اس طرف یہ کشمکش ھے' اور اُدھر یہ دلفشار   بیٹھے ھیں دبکے کمیں گاھوں میں نقلی دیندار

ھوشیار !

اے مرد عاقل ھوشیار !

زر بکف ھیں سادہ لوحی سے مریدان غریب   ھاتھہ پھیلائے ھوے ھیں صوفیان ذی وقار

ھوشیار !

اے مرد عاقل ھوشیار !

فسق پر ٹیکے ھوے ھیں جان ارباب صلوۃ   مکر میں ڈوبے ھوے ھیں مردمان روزہ دار

ھوشیار !

اے مرد عاقل ھوشیار !

جھوٹ بکتے ھیں جو لیکر ھاتھہ میں اُم الکتاب   کہہ رھے ھیں رند شاھد باز کو شایان دار

ھوشیار !

اے مرد عاقل ھوشیار !

خون ابنائے زمانہ کو سمجھتے ھیں حلال   ھر نفس جاری ھے جنکے لب پہ ھجو بادہ خوار

ھوشیار !

اے مرد عاقل ھوشیار !

دل کی آنکھیں بھی کُھلی رکھتے ھوں ان آنکھوں کے ساتھہ   آہ ایسے کس قدر ھیں عابد شب زندہ دار !!

ھوشیار !

اے مرد عاقل ھوشیار !

عالمانِ دین کی دستاروں میں آتے ہیں نظر وہ بلا کے پیچ و خم، جن سے ہوں اژدر شرمسار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

جرم کی تاریخ کہتی ہے بہ آوازِ بلند مجرموں سے بڑھ کے اس فن میں ہیں مفتی پختہ کار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

وضعِ ظاہر پر نہ جا، اِس عالمِ حیرت میں ہیں کتنے رندِ پاک داماں، کتنے شیخِ ہرزہ کار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

رہرووں کو دل میں تو سمجھے ہوئے ہے کیوں حقیر پیدلوں کے بھیس میں پھرتے ہیں کتنے شہسوار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

——:(۳):——

ایک فتنہ ہو تو اس پر صبر بھی کر لیجئے مولویت کے علاوہ اور بھی ہیں انتشار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

شیعہ و سنی میں جاری ہیں نزاعیں آج تک ایک ننگ پنجتن ہے، ایک ننگ چار یار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

مسلم و ہندو میں بھی پیکار کی روشن ہے آگ ہر طرف بھڑکے ہوئے ہیں شعلہ ہائے کارزار

ہوشیار!

اے مرد عاقل ہوشیار!

کُھل رہا ہے فطرت شیخ و برہمن کا بھرم   گاے اور باجے پہ صلح و جنگ کا ہے انحصار

ہو شیار !

اے مرد عاقل ہوشیار !

(۴)

اِن مصائب کے علاوہ، تلخیء عصر جدید   کام جان کے واسطے کچھ کم نہیں ناخوشگوار

ہو شیار !

اے مرد عاقل ہوشیار !

مصلحان قوم و ذوق کاوش نام و نمود   شاعران ملک و مفروضات وصل و هجر یار

ہو شیا ر !

اے مرد عاقل ہوشیار !

خلوتوں میں تیرگی ہے، جلوتوں میں روشنی   دل، خزانے زہر کے ہیں، اور زبانیں شہد بار

ہو شیا ر !

اے مرد عاقل ہوشیار !

خون عزیزوں کا تو خیر اک عمر سے تھا ہی سفید   لیکن اب تو دوستوں کا بھی نہیں ہے اعتبار

ہو شیا ر !

اے مرد عاقل ہوشیار !

دشمنی کی تیغ آتش بار کو آتی ہے شرم   دوستی سے ہو رہے ہیں اس طرح سینے فگار

ہو شیا ر !

اے مرد عاقل ہوشیار !

مقصد تعلیم ہے لے دے کے محض اک چاکری   علم کا ہے صرف معدے کی تواضع پر مدار

ہو شیا ر !

اے مرد عاقل ہوشیار !

ڈگریوں پر فوقیت رکھتی ہے شوفر کی سند اور اس پر ناقصان علم و فن کا افتخار
ہو شیار!
اے مرد عاقل ہوشیار!

سچ بتاؤ دلدادۂ وضع و تراش مغربی نقل سے شاہوں کی بن سکتا ہے خادم شہریار؟
ہو شیار!
اے مرد عاقل ہوشیار!

پردۂ اخلاق کالج کو اُلٹ کر دیکھ لے ہر تبسم میں ہزاروں بجلیاں ہیں بےقرار
ہو شیار!
اے مرد عاقل ہوشیار!

تلملاہٹ برق سوزاں کی ہے ابر سرد میں سرسراہٹ سانپ کی ہے درمیان سبزہ زار
ہو شیار!
اے مرد عاقل ہوشیار!

دیکھتا ہوں عہد حاضر کی نگاہ مہر میں وہ دھکتی آگ، کانپیں جس سے دوزخ کے شرار
ہو شیار!
اے مرد عاقل ہوشیار!

——:(۵):——

کس خیال خام میں ہے کھول چشم حق نگر کھیل بچوں کا نہیں طغیانیٔ لیل و نہار
ہو شیار!
اے مرد عاقل ہوشیار!

عرصۂ عالم کا ہر ذرہ ہے میزان عمل بزم ہست و بود کا ہر روز ہے روز شمار
ہو شیار!
اے مرد عاقل ہوشیار!

تابکے چھائی رہینگی انجمن پر شورشیں　　تاکجا شیخ و برہمن میں رہیگا خلفشار؟

ہو شیار !

اے مرد عاقل ہوشیار !

ہندوئے با بولقب کیا یاد ہے وہ دور بھی　　تجھکو گردان مہابھارت پہ تھا جب افتخار؟

ہو شیار !

اے مرد عاقل ہوشیار !

مسلم راحت طلب ! کیا یاد ہے وہ غلغلہ　　" لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار"؟

ہو شیار !

اے مرد عاقل ہوشیار !

صورت مرداں چہ خواھی سیرت مرداں گزیں　　مرد عاشق پیشہ را با صورت ایواں چہ کار!

ہو شیار !

اے مرد عاقل ہوشیار !



سن سخن [illegible] ... [illegible] زر روے زمیں

[illegible]

فلک ہے [illegible] ... [illegible] اثر ہو ہم نشیں

گفت بئس العقبیٰ [illegible] ... [illegible] سرور دنیا و دیں

خواب میں دیکھی [illegible] ... [illegible] اس کی کچھ نہیں

سچ عوام الناس کہتے ہیں یہ بات ... [illegible] کو [illegible] ہے زر ہر کہیں

دوری تجھسے مقتضائے ہوش ہے ... دور ہے جو تجھسے اُس پر آفریں

بے بہا کہتے ہیں در کے تئیں غلط ... بے بہا ہوں میں مری قیمت نہیں

سربسر میں سرخ تھی صحرا میں خوش ... شہر میں آتے ہوئی اندوہگیں

حب کہ تو لے میرے تیں تیری سنگات   تب چڑھی اپنی سیاھی پر جبیں

تو ھو میرا اوٹھتا ھے [illegible]   جب نہیں ھوتی ھوں تیرے سے قرین

میں سواد الوجہ [illegible]   [illegible] دالیقیں

[illegible] ھو دیں

[illegible] ھے مبیں

[illegible] آفریں

[illegible] یقیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دیکھتے ھیں دکھ کوی سکھ دیکھ کر   ھم نے دیکھی دکھ ھی دکھ دیکھ دیکھ کر

وصل میں پروا رھی نیں ھجر کی   بھول • گئی سب دکھ ترا مکھ دیکھ دیکھ کر

• دکھنی میں اس کا تلفظ بھل ھوتا ھے۔ اور دوئی کا تلفظ گئی —

اے [illegible] جیسی ملی — کوئی پوچھتو کہہ مجھے مکھ دیکھ کر
سامنے سے [illegible] — [illegible] ہے منہ کچھ دیکھ کر
اس طرح سے [illegible] — [illegible] دیکھ کر

قتل [illegible]
[illegible] ہے [illegible]
حق [illegible]

[illegible]
ہے [illegible]
[illegible]
بہار [illegible]

[illegible]
[illegible] دھوم
[illegible]
[illegible] میں دھوم
[illegible]
[illegible] دھوم
کوئی [illegible] صاحبا
کوہ میں فرہاد و [illegible] کی ہے ویرانے میں دھوم

آب حیات حق میں سخن گو کے ہے [illegible] — باقی ہے میرے بعد بھی یادگار کچھ

اس طور تھم گئے ہیں نین کس کی یاد میں   نرگس کو ہے چمن میں مگر انتظار کچھ

دوستی کو تم سے ہم بے کس ہیں ہے رے دوستی

ہم [illegible] ہے رے دوستی

[illegible] سہہ گئے

[illegible] دوستی

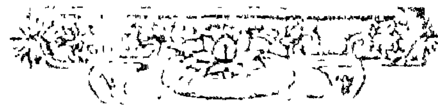
[illegible] میں

[illegible] ہوگئے

[illegible] فیض ہے

[illegible] ہوگئے

[illegible]



تبصرے



ادب

تعلیم و تعلم

مذہب

ادب

[illegible]

[illegible]

چیخوف کا [illegible] اپنے
اپنے طبعزاد ہیں۔ چیخوف نے بے حد چھوٹے چھوٹے افسانے لکھے ہیں اور حقیقت
یہ ہے کہ وہ اس فن کا بڑا استاد ہے۔ موپاساں نے بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے افسانے

لکھے ہیں اور وہ "چھوٹے افسانوں کا بادشاہ" سمجھا جاتا ہے - چنانچہ اسی شہرت اور مشابہت کی وجہ سے چیخوف روسی موپاساں کہلاتا ہے کیا اچھا ہوتا اگر لائق مترجم موپاساں کے بعض اعلیٰ درجے کے افسانوں کا ترجمہ اس کتاب میں شامل کردیتے - خود قدوائی صاحب کے افسانوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن پر چیخوف کا ضرور اثر پڑا ہے اور بعض جگہ وہ اس کے قریب قریب پہنچ جاتے ہیں - لیکن کیا ضرور تھا کہ وہ اپنے افسانے اُس کے افسانوں کے ساتھ ایک جلد میں شائع کرتے؟ کیا اچھا نہ ہوتا کہ وہ الگ الگ رہتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں اُن پر سید سجاد حیدر صاحب کا اثر پڑا ہے [illegible] مضامین کی لڑی ہے [illegible] شروع میں خواجہ غلام السیدین نے ایک دیباچہ بھی لکھا ہے—

ترجمہ بہت اچھا کیا ہے کتاب دلچسپ ہے اور [illegible] اور ترجمے کے دلکش [illegible] رنگ [illegible] ساتھ ایک جگہ پڑھنے معلوم ہوتے ہیں—

اُلہامی افسانے

حصۂ اول مولانا مرتضیٰ احمد خاں صاحب [illegible] اسسٹنٹ
ایڈیٹر انقلاب مطبوعہ رفیق عام پریس لاہور - قیمت ایک روپیہ)

اس کتاب میں صرف اُن قصوں کو ادبی رنگ میں پیش کیا گیا ہے جن کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے - لائق مصنف نے گو چند واقعات میں کچھ ردّ و بدل نہیں کیا لیکن موقع بموقع تخیل سے خوب کام لیا ہے اور بہت شستہ اور پر زور عبارت میں ان قصوں کو بیان کیا ہے جو باعث عبرت بھی ہیں اور موجب لطف بھی—

شاما

(مصنفہ کشن پرشاد کول صاحب - انڈین پریس الٰہ آباد)

اس ناول میں ہندوستان کی معاشرت کے ایک پہلو کو بڑی خوبی سے دکھایا گیا ہے - ہمارے ہاں عام دستور ہے کہ ماں باپ اپنے اغراض کو ملحوظ رکھ کر (مثلاً اپنے ذاتی تعلقات یا محبت، دولت کے لالچ یا ذات پات کے خیال سے) لڑکے لڑکی کا بیاہ کردیتے ہیں - یہ نہیں دیکھتے کہ ان دونوں میں کوئی مناسبت بھی ہے یا نہیں - شاما

ایک تعلیم یافتہ اور شایستہ لڑکی ہے - ماں نے ایک بڑے خاندان کے ایسے لڑکے سے شادی کردی جو خیالات' چال چلن اور تعلیم میں شاما کی ضد تھا - پھر ساس ایسی ملی کہ اس نے زندگی اور تلخ کردی - آخر شوہر کی بد چلنی اور بے پروائی اور ساس کی بد زبانی اور بد سلوکی سے تنگ آکر وہ سسرال سے بھاگ کر میکے میں آجاتی ہے اور پھر واپس جانے کا نام نہیں لیتی - اپنا وقت مطالعے میں صرف کرتی ہے اور قومی خدمت کی لگن اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے - سب سامان ہو جاتے ہیں - مگر اجل سارے منصوبے خاک میں ملا دیتی ہے -

مصنف نے یہ سارا قصہ ان مختلف ہمارے معاشرتی قیود کی خوبی سے بیان کیا ہے - بعض بعض جگہ انسانی جذبات کی تصویر بہت صفائی سے کھینچی ہے - زبان بہت صاف' فصیح اور شگفتہ ہے اور جس غرض سے انہوں نے یہ قصہ لکھا ہے اس میں وہ خاطر خواہ کامیاب ہوئے ہیں—

مصنوعی بیوی

مترجمہ محمد حسین صاحب اطہر' متعلم عثمانیہ
یونیورسٹی کالج حیدرآباد دکن قیمت ۱۲ آنے)

یہ انگلستان کے ایک ناول نویس آر - ایچ پول کی کتاب کا ترجمہ ہے - قصے کی روداد دلچسپ ہے اور فرصت کا وقت کاٹنے کے لئے خوب ہے - ترجمہ بہت اچھا اور با محاورہ ہے—

(یہ کتاب انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے بھی مل سکتی ہے -)

چندن

(تالیف جناب سدرشن صاحب - رام لتھا بک ڈپو' لاہور - چھوٹی
تقطیع - صفحات ۳۶۶ - قیمت ایک روپیہ ۸ آنے - مجلد ۲ روپے)

سدرشن صاحب نے بہت سے چھوٹے چھوٹے فسانے لکھے ہیں - یہ کتاب بھی اُن کی بعض کہانیوں کا مجموعہ ہے - ۱۴ قصے اور ایک ڈراما (چھایا) ہے' بعض قصے دلچسپ اور اخلاقی ہیں—

خیابان خلیل

(تصنیف فرماں روائے ریاست ٹونک ، مرتبۂ مولوی سید
اصغر علی صاحب امورالانشاء دبیرالملک ناظم ریاست)

اس میں فرمانروائے ریاست ٹونک کے کلام کا وہ حصہ ہے جس میں خاص طور پر ضرب الامثال کا استعمال کیا گیا ہے - جو کلام اس خاص غرض سے موزوں کیا گیا ہو اس کی خوبی ظاہر ہے کہ کہاں تک ہو سکتی ہے - مگر باوجود اس کے لطافت سے خالی نہیں اور زبان بہت صاف ہے —

جمال همنشین

[illegible]

یہ [illegible]
کے مضامین [illegible]
یعنی عصمت [illegible]
جو کنبہ اور [illegible]
پوری ہوتی ہے [illegible]
ذوق ادب معلوم ہوتا ہے [illegible]
خاتون کی طبیعت کی [illegible]

میرے پھول [ہندی]

(تصنیف سری یوت بنسی دھر ودیالنکار - قیمت ۱۲ آنے مجلد
ایک روپیہ چار آنے انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن)

اصل ذوق کا یہ اعتراض ہے کہ نئی ہندی نظم میں وہ گھلاوٹ اور حلاوت نہیں جو پرانی ہندی میں تھی - وہ کہتے ہیں کہ نئی ہندی بھاشا نظم میں بھدی اور

بوجھل معلوم ہوتی ہے اور اُس میں وہ لطافت اور حسن نہیں جو پرانی ہندی کے اشعار میں تھا۔ یہ اعتراض کسی قدر معقول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم نے بنسی دھر صاحب کی نظمیں پڑھیں تو ہمیں معلوم ہوا کہ اب بھی ہندی میں ایسے لکھنے والے ہیں جن کے کلام میں سادگی کے ساتھ لطف اور خیالات کی بلندی بھی پائی جاتی ہے۔ بنسی دھر صاحب قدرت (نیچر) کے عاشق ہیں جہاں کہیں وہ دلچسپ اور پرلطف نظارہ دیکھتے ہیں، اُن کے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے [illegible] زبان اور تخیل کی سادگی اثر پیدا کرتی ہے۔ کہتے ہیں

[illegible]

اُن کے کلام [illegible] جو [illegible]

[illegible] چلتا ہوگا

— (۲ —

[illegible]

[illegible]

[illegible] چلتا ہوگا

— (۳ —

اپنی کٹھری آپ اُٹھا کر

کہیں نہیں جو تھکتے پل بھر

اُن کی طرح تجھے بھی پیارے! آگے آگے چلنا ہوگا

● مسافر   † بے پار   ‡ دنیا

—(۴)—

بھے * کیا تب اِتلا جانے میں
جب نہ کیا اِکلا آنے میں
اب بھی اِکلا، سدا اکیلے، آگے آگے چلنا ہوگا

بنسی دھر صاحب کے کلام میں دو خصوصیتیں قابل قدر ہیں - ایک سادگی زبان کی اور اسلوب بیان کی - وہ دوسرے مصنفین کی طرح اپنے کلام کو سنسکرت کے موٹے موٹے الفاظ سے بھدا اور ثقیل نہیں بناتے اور ہندی و اُردو اور فارسی کے سادہ الفاظ جو روز مرہ بولے جاتے ہیں، اُن کا بلا تکلف استعمال کرتے ہیں - وہ وہ زبان لکھتے ہیں جسے ہم سب ہندوستانی بولتے تو ہیں لیکن لکھتے وقت بھول جاتے ہیں—

دوسری بات یہ ہے کہ وہ اُردو فارسی کی بحریں بھی استعمال کرتے ہیں اور اس طرح ہندی اُردو کو زبان اور بیان کے لحاظ سے سمونے کی کوشش کی ہے - اُمید ہے کہ یہ نظمیں نہ صرف شوق سے پڑھی جائیں گی بلکہ ان کی تقلید بھی کی جائے گی—

اردو ادب کی تاریخ [انگریزی] A History of Urdu Literature

(مولفہ جناب رام بابو سکسینہ، ایم - اے، ال ال - بی، ایف - آر - ایس - اے - بڑی تقطیع، صفحات ۳۱۴ - قیمت پانچ روپیہ - رام نرائن لال، الہ آباد)

اس کتاب میں فاضل مولف نے اُردو ادب کی تاریخ ابتدا سے اس وقت تک کی مسلسل بیان کی ہے اور اُردو ادب کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر اُنہوں نے مفصل بحث نہ کی ہو۔ اُن کی نظر وسیع اور بیان صاف اور بعض مقامات پر پر جوش اور پر زور ہے - اب تک جس قدر کتابیں اور رسالے اس مضمون پر تالیف ہوئے ہیں، تقریباً سب اُن کی نظر سے گزر چکے ہیں اور اُن کا مطالعہ اُنہوں نے بہت غور سے کیا ہے - یہ کتاب نہ صرف پچھلی تمام تالیفات کا نچوڑ ہے، بلکہ ادب کی ہر صنف اور ہر مصنف، مؤلف، مترجم اور شاعر کے حالات، اس کے محاسن اور معائب، کلام کی تنقید، گرد و پیش کے حالات کا اثر، مختلف تغیرات کا بیان بہت خوبی سے نقادانہ انداز میں کیا ہے - ان وجوہ سے یہ کتاب بہت مفید اور قابل قدر ہوگئی ہے - نیز ان کا انداز بیان نہایت ہمدردانہ

---

* خوف

ہے اور اُردو زبان اور ادب کو ہندو مسلمانوں کے اتحاد کی بہترین یادگار ثابت کیا ہے -

دنیا میں کوئی کتاب اور کوئی انسان کامل نہیں ہے - ممکن نہیں عیب سے کوئی خالی ہو - غلطی ' جستجو اور تلاش کے سائے میں رہتی ہے - اس کتاب میں بھی بعض نقص ہیں مگر وہ ایسے نہیں کہ قدردانی کی نظروں میں کھٹکیں ' البتہ کہیں کہیں نقاد اور محقق کی آبرو پہ بل ضرور آجائیں گے - ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے دوسرے مؤلفین پر زیادہ اعتماد کیا ہے اور خود تحقیق نہیں کی - مثلاً شیخ عین الدین گنج الاسلام کی اُردو تذکرکی کتابوں کا ذکر محض خیالی بات ہے جسے بعض خود پسند مؤلفوں نے شہرت دے دی ہے مگر کوئی نمونہ اور کوئی ثبوت پیش نہیں کیا - یا دہ مجلس جو غلطی سے ولی سے منسوب کر دی گئی ہے - اگر قابل مؤلف اس کتاب کو مطالعہ فرماتے تو انہیں خود معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب ولی کی نہیں ہوسکتی یا زیادہ تحقیق کرتے تو ثابت ہو جاتا کہ یہ ولی ایک دوسرا ہی شخص ہے - اب رہا رائے کا اختلاف تو یہ ہمیشہ رہیگا اور اس میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے - مثلاً آزاد کی نسبت یہ کہنا کہ بحیثیت شاعر کے اُس کا شمار زمانۂ جدید کے اعلیٰ درجے کے شاعروں میں ہے (He is one of the greatest of modern poets) اور حالی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اول درجے کے شعرا میں نہیں (He may not be assigned the foremost rank in poetry) ایک ذاتی رائے کی بات ہے ' ورنہ ہماری رائے میں معاملہ برعکس ہے - اس میں شک نہیں کہ مؤلف نے ان دونوں کے متعلق جو تفصیل سے رائے ظاہر کی ہے وہ بہت کچھ سچا اور نہایت عمدہ ہے —

فاضل مؤلف کے رستے میں ایک منزل بہت کٹھن تھی - مُردوں کو سراہنا یا سراپنا آسان کام ہے لیکن زندوں کی مدح و ذم بہت دشوار ہے - ایک تو اس لئے کہ ان کے دیکھنے والے اور موافق و مخالف دونوں موجود ہیں اور دوسرے ان کے کلام کے متعلق صحیح رائے قائم کرنا قبل از وقت ہی نہیں بلکہ موجودہ اثرات کی وجہ سے مشکل بھی ہوتا ہے - تاہم مؤلف نے اس معاملے میں بڑی عالی ظرفی سے کام لیا ہے اور بعض کو حق سے زیادہ سراہا ہے - مگر تعریف کے ساتھ ہی سچی رائے بھی ظاہر کردی ہے - اور چونکہ تنقید بے لاگ ہے اس لئے کسی کی دل آزاری کا باعث نہیں ہو سکتی —

ایک اعتراض اس کتاب پر یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جن جن کتابوں اور تحریروں سے لایق مؤلف نے استفادہ کیا ہے اُن کا حوالہ نہیں دیا - اس کا جواب خود مؤلف نے اپنے دیباچے میں دے دیا ہے - اُن کا قصد شروع میں اس مضمون پر صرف ایک چھوٹی سی کتاب لکھنے کا تھا ' لیکن جیسا کہ اکثر ہوتا ہے ' بڑھتے بڑھتے بڑی کتاب ہوگئی اور حوالے نہ دے سکے - لیکن ان کا ارادہ ہے کہ آئندہ کسی وقت وہ اپنے تمام ماخذوں کی

فہرست مع اپنی رائے اور تنقید کے الگ شایع کریں گے - اِس سے اِس فروگزاشت کی تلافی ہوجائے گی —

یہ کتاب بلا شبہ معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے - قدیم اور جدید اور ہم عصر مولفوں ' شاعروں اور انشا پردازوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو اُن سے رہ گیا ہو - فاضل مولف کا یہ کام ہر طرح قابل شکر گزاری اور لائق تحسین ہے —

شیریں و خسرو [فارسی]

(حضرت امیر خسرو دہلوی بہ تنقید و تصحیح مولوی حاجی علی احمد خاں صاحب اسیر مرحوم' سابق پروفیسر فارسی سینٹ جانس کالج آگرہ - مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ)

خوشی کی بات ہے کہ [illegible] اسحاق خاں مرحوم کی تحریک اور نواب عماد الملک بہادر [illegible] مسلم یونیورسٹی پریس نے اُٹھایا تھا' اس کے اہتمام کی کوشش اب تک [illegible] یہ شیریں و خسرو اس سلسلۂ طلائی کی آخری کڑی ہے جو چھپ کر شایع ہوئی ہے اور امید ہے کہ باقی حصے بھی بہت جلد اہل ذوق کے ہاتھوں تک پہنچ جائیں گے - لیکن حاجی مولوی محمد مقتدی خاں صاحب شروانی کے دیباچے سے (جن کے اہتمام سے یہ کلام چھپ رہا ہے) معلوم ہوا کہ سرمایہ ختم ہو چکا ہے اور وہ کسی ذی ہمت صاحب نظر کی فیاضی کے منتظر ہیں' خدا اُن کی تمنا پوری کرے - کیونکہ خسرو کا اصل کلام یعنی دیوان غزلیات کو اب تک ہاتھ نہیں لگایا گیا —

مولوی حاجی علی احمد خاں صاحب اسیر مرحوم نے اس مثنوی کی تصحیح و تنقید میں بڑی محنت سے کام کیا ہے - مقدمے کے پہلے حصے میں حضرت امیر خسرو کے مختصر حالات ہیں' دوسرے حصے میں قصے کی تحقیق اور خسرو کی شاعری کے کمال اور محاسن کا ذکر ہے؛ تیسرے حصے میں دوسرے اساتذہ سے خسرو کا مقابلہ کیا گیا ہے - متن میں مشکل الفاظ کے معنی بھی نیچے لکھ دئے گئے ہیں —

امید ہے کہ فارسی کے دلدادہ اور حضرت خسرو کے کلام کے عاشق اس کے مطالعے سے کارکنوں کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے —

شرح شادمانی بر قصائد حسان العجم خاقانی

(از جناب مولانا محمد نقی شادماں' پروفیسر اوریئنٹل کالج رام پور اسٹیٹ)

خاقانی کے قصائد فارسی ادب میں ایک کٹھن منزل ہے - ان میں بعض اوقات ایسے ایسے دقیق مقامات آجاتے ہیں کہ طالب علم تو کیا' اچھے اچھے اُستاد بھی سٹ پٹا جاتے ہیں - ان قصائد کی کئی شرحیں لکھی گئی ہوں' لیکن جب ہم نے پروفیسر شادماں کی شرح دیکھی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے شرح کا پورا حق ادا کیا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کوئی شرح اسے نہیں پہنچتی - شروع میں خاقانی کے حالات اور مختصر تبصرہ خاقانی کے کلام پر ہے جو محض طلبہ کی ضرورت کو مد نظر رکھہ کر لکھا گیا ہے - شرح کا انداز فاضل شارح نے یہ رکھا ہے کہ اول اصل شعر لکھتے ہیں' اس کے بعد مشکل الفاظ کے معانی اور قصہ طلب مقامات اور تلمیحات وغیرہ حل کرتے ہیں - جہاں نسخوں کا اختلاف ہوتا ہے وہ بھی بتا دیتے ہوں اور اسی کے ساتھہ جن جن شارحوں نے مطلب کے ادا کرنے میں ان سے اختلاف کیا ہے وہ بھی دکھا دیا ہے —

ہم نے اس شرح کے مختلف مقامات دیکھے ترجمہ بہت صاف ستھری اور ٹھیٹ اردو میں ہے - معانی و مطالب بھی بہت صفائی سے بیان کئے ہیں - پروفیسر شادماں کی محنت اور تحقیق بہت قابل قدر ہے - اُمید ہے کہ یہ شرح طلبہ کے حق میں بہت مفید ثابت ہوگی —

تصانیف جناب منشی محمد ولایت علی خاں صاحب صفی پوری [فارسی]

منشی صاحب کی فارسی تصانیف دیکھہ کر مولانا حالی مرحوم کا قول یاد آجاتا ہے - یادگار غالب میں جہاں مرزا کی فارسی شاعری کا ذکر کرتے ہیں تو فارسی کی کس مپرسی پر بہت کچھہ اظہار تاسف فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھہ دنوں میں فارسی کا جاننے والا اور سمجھنے والا بھی کوئی نہ رہے گا - اس لئے ہر شعر کے معنے بھی اردو میں لکھہ دیئے ہیں - یہی خیال مولانا مرحوم نے منشی صاحب کی فارسی تصانیف

کے شکریہ میں ظاہر کیا ہے - مرزا غالب ' مولانا حالی ' مولانا شبلی ' امیر مینائی جیسے باکمال اساتذہ نے ان کی تصانیف کی دل کھول کے داد دی ہے - منشی صاحب فارسی زبان اور ادب کے بہت بڑے اُستاد ہیں اور نثر اور نظم دونوں میں کمال رکھتے ہیں - متاخرین نے جو طرز فارسی عبارت کا ایجاد کیا تھا اُسے انتہا تک پہنچا دیا ہے - 'ارمغان نورہان' پیشکش شاہجہانی خالص فارسی میں صنائع و بدائع سے مملو ہیں - کیسا کیسا خون جگر کھایا ہے تب کہیں جاکر یہ لعل پارے پیدا ہوے ہیں - فارسی کا کوئی قدردان ہوتا تو ان کی داد دیتا اور مصنف کی قدر کرتا - نور تجلی اور دیوان ولایت اُن کی غزلوں کا مجموعہ ہے - مقصد الابرار ' مختلف مثنویوں کا مجموعہ ہے - ختم میں میں آنحضرت صلعم کے سراپا اور عروات کا بیان ہے - زبان اور بیان پر جو قدرت انہیں حاصل ہے اُسے دیکھ کر حیرت ہوتی - بڑے بڑے اساتذہ کے مقابلے میں غزلیں لکھی ہیں اور خوب لکھی ہیں - افسوس کہ اس تبصرے میں اتنی گنجائش نہیں ورنہ ہم کچھ نمونے پیش کرتے - ہمیں امید ہے کہ جو اصحاب فارسی زبان اور ادب کا ذوق رکھتے ہیں وہ ضرور ان کی تصانیف سے حظ اٹھائیں گے —

فاضل مصنف نے ستر سال تک متواتر فارسی زبان کی خدمت کی ہے مگر ناقدردانی اور کس مپرسی کے ہاتھوں گوشۂ گمنامی میں رہے - اب ان کی عمر نوے برس کے قریب ہے اور چراغ سحری ہیں - ان کے آبا و اجداد شاہان اودھ کے عہد سلطنت [illegible] تھے ' یہ انہیں کے نام لیوا ہیں -

---

شعر و شاعری عرفی - شعر و شاعری عصر جدید ایران (خطابات آقا سید محمد علی صاحب پروفیسر نظام کالج) - شعر فارسی و سلاطین و اُمرا (خطبۂ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ صدر اعظم) - عناصر اربعہ رباعی (خطبۂ مولوی مسعود علی بی - اے)

یہ لکچر شعبۂ جامعۂ معارف کے ہیں - جامعۂ معارف طہران کی ایک ادبی اور علمی انجمن ہے - اس کی ایک شاخ آقا سید محمد علی صاحب پروفیسر نظام کالج کی سعی سے حیدرآباد میں قائم ہوئی ہے - جس کا مقصد یہ ہے کہ ایران - اور ہندوستان

کے فضلا اور ادبا میں ایک قسم کا علمی اتحاد پیدا کیا جائے اور یہاں کے لوگوں میں فارسی ادب کا ذوق پیدا ہو۔ فارسی کا رواج ہندوستان سے اُٹھتا جاتا ہے اور اس کی تعلیم کالجوں اور مدرسوں میں برائے نام رہ گئی ہے۔ آقا صاحب کی یہ کوشش قابل قدر ہے اور اگر اسے کہیں کامیابی ہو سکتی ہے تو شاید حیدرآباد ہی میں ہو سکتی ہے، جہاں اب بھی فارسی شاعری کے دلدادہ موجود ہیں - امید ہے کہ جامعۂ معارف کے لکچروں میں شاعری کے کوچے سے آگے قدم بڑھانے کی بھی کوشش کی جائے گی - یہ کوچہ کیسا ہی عزیز اور مرغوب کیوں نہ ہو، یہ بھی ضرورت ہے کہ ہم اپنے خیال اور نظر کو وسیع کریں -

---

تعلیم و تعلم

جواھر التعلیم

(مولفۂ جناب محمد سید عبد مندی الدین صاحب اڈیٹر رسالۂ علم و عمل بنگلور صفحات ۱۴۶ - قیمت ڈیڑھ روپیہ - الکلام ایجنسی، نیوماؤکٹ، بنگلور سٹی)

اس کتاب میں مؤلف نے ایسی ضروری باتیں جمع کی ہیں جو فن تعلیم کی انگریزی کتابوں میں عام طور سے پائی جاتی ہیں - لیکن اگر صاحب موصوف جدید تصانیفات کا مطالعہ کرتے تو ان کی کتاب جدید اور بہت مفید ہوجاتی - موجودہ صورت میں یہ کتاب جدید نہیں ہے —

آج کل اُردو میں فن تعلیم پرجو کتابیں لکھی جاتی ہیں وہ کسی کتاب یا چند کتابوں کا خلاصہ ہوتی ہیں اور اُن کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ کتاب بھی قوانین تعلیم کے بیان سے شروع ہوتی ہے - یہ ابتدا مناسب نہیں ہے - پہلے باب میں خود تعلیم کے مفہوم کی تشریح کی ضرورت تھی۔ چند قوانین رٹ لینے سے کوئی مدرس تعلیم کے وسیع مفہوم اور پیچیدہ ذہنی اعمال کی نوعیت کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ چند خشک قواعد کی پابندی سے وہ عمدہ معلم بن سکتا ہے۔ تعلیم میں قواعد دانی سے کہیں زیادہ ضرورت

وسیع النظری اور جدت کی ھے —

کتاب کی عبارت بھی غلط ھے۔ کوئی صفحہ زبان کی غلطیوں سے خالی نہیں۔ سلاست مفقود ھے۔ عبارت تھیٹ ترجمہ معلوم ہوتی ھے، ترجمے کی غلطیاں بہت سی ھیں مثلاً عمل کی جگہ کارروائی، رھنمائی کی جگہ تائید، طرح کی جگہ طور اور ایسے بہت سے الفاظ استعمال کئے گئے ھیں۔ نہ انداز بیان دلکش ھے نہ مضمون میں روانی — اختصار نے مضامین کو اور بھی مبہم کر دیا ھے، کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ ایسے مبہم تالیفات سے کہیں زیادہ مفید ھے۔ کتاب کی ترتیب بھی قابل ترمیم ھے، مضامین کا تسلسل واضح نہیں ھے۔ ابتدا میں اگر فہرست مضامین ھی دے دی جاتی تو اس سے مطالعۂ مضامین میں آسانی ہوتی —

اس میں شک نہیں کہ مؤلف صاحب نے مغربی مصنفین کے "اصول موتیوں کو چنا" مگر وہ ان موتیوں سے ایسا ھار نہ بنا سکے جو ھندی ضروریات کے مطابق ہوتا اور نئی صورت میں بھی اس کا حسن باقی رھتا —

ان نقائص کے باوجود کتاب نوآموز مدرسوں کے مطالعہ کے قابل ھے، لکھائی چھپائی غنیمت، کاغذ اچھا ھے —

(ط)

گہوارۂ اُردو

(مصنفہ حکیم سید محمد عثمان صاحب۔ محلہ بھگہ۔ شیخ پورہ۔ ضلع مونگیر۔ قیمت آٹھ آنے)

اس کے دو حصے ھیں۔ پہلے حصے میں زبانی تعلیم ھے۔ بچے کی زبان سے مختلف قسم کے الفاظ خاص ترتیب کے ساتھ نکلوانے کی ھدایت کی گئی ھے اور ھر شش ماھی کے سبق قائم کردئے گئے ھیں۔ دوسرے حصے میں پڑھنے اور لکھنے کی تعلیم ھے۔ افسوس ھے کہ اس حصے میں کسی قسم کی سہولت نہیں پیدا کی گئی۔ عام قاعدوں کی طرح سارا زور حافظے اور رٹنے پر ھے —

اتالیق

(مرتبہ سید مخدوم عالم مارہروی مرحوم- مسلم
یونیورسٹی پریس ' علی گڈھ - قیمت ۵ آنے)

بچوں کے لئے بہت اچھی کتاب ہے - سلیس زبان میں نظم و نثر کے بہت اچھے اور اخلاقی سبق ہیں - نظم و نثر دونوں شگفتہ ہیں --

اِسلامی کہانیاں

(مرتبہ جناب شیخ بدرالاسلام صاحب فضالی بی - اے ' بی - ٹی
حالی بک ڈپو پانی پت - قیمت غیر مجلد ۸ آنے مجلد ۱۲ آنے)

اِس چھوٹی سی کتاب میں سلیس زبان میں عرب ' آنحضرت صلعم اور خلفاء کا ذکر ہے علاوہ ان کے چند اور تاریخی قصے اور دو ایک نظمیں بھی ہیں - بچوں کے لئے اچھی کتاب ہے --

پھولوں کی ڈالی

(مرتبہ جناب شیخ محمد اسمعیل صاحب اڈیٹر کائنات
پانی پت - حالی بک ڈپو - پانی پت - قیمت ۴ آنے -)

یہ اکتالیس اخلاقی نظموں کا مجموعہ ہے جو بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں - اخلاقی نظمیں بہت اچھی چیز ہیں ' لیکن وہ ایسی شگفتہ اور پر لطف ہونی چاہئیں کہ بچے شوق سے پڑھیں ورنہ نصیحت وبال جان ہو جاتی ہے --

مذہب



ائمۂ اسلام

(مترجمۂ مولوی سید ریاست علی صاحب - دارالمصنفین - اعظم گڈھ)

یہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ "رفع الملام عن ائمۃ الاعلام" کا ترجمہ ہے۔ اصل رسالے کا جو موضوع بحث ہے اس کے لحاظ سے یہ نام کچھ ناموزوں سا ہے کیونکہ اس سے دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ائمۂ اسلام کے حالات اور سوانح عمریوں سے متعلق ہے۔ خیر اس وقت ہم کو نام سے کام نہیں' جس پاکیزہ کتاب کا یہ بہترین ترجمہ ہے اس سے مطلب ہے۔ اس رسالے میں علامۂ موصوف نے اُن اسباب کو نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے جن کی وجہ سے استنباط مسائل میں علمائے مجتہدین کو اجتہادی غلطیوں سے مجبوراً سابقہ پڑا اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت رسالتمآب صلعم کے تمام جزوی اقوال و افعال' حرکات اور سکنات پر کسی کی نظر حاوی نہیں ہو سکتی۔ کوئی بڑے سے بڑا رفیق اور اعلیٰ سے اعلیٰ عزیز و قریب بھی ایسا قریبی نہیں ہو سکتا جو بلحاظ ضرورت زندگی دربار رسالت سے ایک دم اور ایک لمحے کے لئے جدا نہ ہوا ہو۔ پھر بھول چوک بھی سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے یہاں تک کہ خلفائے راشدین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ پس ایسی حالت میں وہ اس قسم کی اجتہادی غلطیوں اور فروگزاشتوں پر نہ قابل مواخذہ ہیں' نہ لائق دار و گیر' نہ مستحق ملامت ہیں اور نہ مستوجب لعن و طعن؛ بلکہ وہ اپنی مجتہدانہ کوششوں کی وجہ سے عنداللہ ماجور ہیں۔ اگر انصاف و غور سے دیکھا جائے تو یہ رسالہ ان متعصب اور کٹر مقلدوں کے لئے سبق آموز ہے جو اپنے ائمۂ متبوعین کو اپنے طرز و روش سے معصوم خیال کرتے ہیں اور اُن خود غرض مولوی ملاؤں کے واسطے تازیانۂ عبرت ہے جو صحیح اور صریح اقوال و احادیث رسول اللہ صلعم سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی اختیار کرکے صحابۂ تابعین' تبع تابعین' ائمۂ مجتہدین اور محدثین کے مرجوح اقوال یا ان کے باہمی اختلاف سے فائدہ اُٹھا کر اپنے ہوا و ہوس کو پورا کرتے ہیں —

(م)

ذکر جمیل - ذکر حبیب (تالیف مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی - مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

ذکر مبارک (تالیف ہز ہائی نس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ بھوپال - مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

ان تینوں رسالوں میں آنحضرت صلعم کی سیرت و اخلاق بہت ہی شگفتہ اور اچھی عبارت میں بیان کئے گئے ہیں - میلاد کی تقریبوں کے لئے بہت مناسب ہیں —

الایمان

(مولفۂ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی - مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

اِس نام کے تحت میں دو رسالے مولوی محمد مقتدیٰ خان صاحب شروانی نے حروف شناس مسلمان بچوں کے دینی عقائد کی تعلیم کے لئے نہایت سہل اور سلیس اُردو میں لکھے ہیں۔ پہلے رسالے میں آمنت بالله کے معنے سمجھائے ہیں' دوسرے میں ایمان مفصل کی تفصیل اور تشریح کی ہے۔ اسی کے ضمن میں خدا کے صفات اور قرآنی احکام کی آیتیں باصحاورہ ترجمے کے ساتھ بالترتیب جمع کردی ہیں اور اسی کے ساتھ اُن مشہور نبیوں کے مختصر حالات بھی لکھدئے ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور سب سے آخر میں پیغمبر آخرالزماں کی مختصر مگر معتبر طریقے سے سوانح عمری اور آپ کے حکمت آموز اقوال یعنی وہ جوامع الکلم حدیثیں جن کا تعلق اخلاق' معاشرت' اور تمدن سے ہے بجنسہ آپ کے الفاظ میں مع ترجمہ درج کردی ہیں - اور نیز چند ماثورہ دعائیں بھی لکھدی ہیں جن کو آپ اکثر اُٹھتے بیٹھتے یا خاص خاص عبادتوں کے وقت پڑھا کرتے تھے - مسلمان بچوں کی ابتدائی اسلامی تعلیم کے لئے اس سے بہتر اور مستند سلسلہ ہماری نظر سے نہیں گزرا - لکھائی اور چھپائی بھی بہت صاف اور ستھری ہے —

اخلاق و معاشرت

..........*..........

آہ بے کساں، المعروف بہ، نالۂ بیوگاں

(تصنیف ابوالبرکات مولوی محمد عبدالشکور صاحب جوش نہٹوری – قیمت ۴ آنے)

یہ رسالہ بیواؤں کے عقد ثانی کے متعلق ہے - جس میں نظم و نثر کے ذریعہ اس غرض کی ہدایت کی گئی ہے - نظم بہت معمولی ہے —

امراض نوجوانان، حصۂ اول و دوم

(تالیف ڈاکٹر رام سروپ صاحب - مطبلہ چے گنج علی گڈہ -
قیمت فی حصہ ... سے آٹھ آنے اور دوسروں سے ایک روپیہ)

اس کتاب میں اُن امراض کا ذکر ہے جو نوجوانوں کو لاحق ہو جاتے ہیں - اُن کی تشخیص، علامات اور علاج تفصیل سے بیان کئے ہیں - اور علاج میں ڈاکٹری یونانی ویدک اور ہومیو پیتھی کے مجرب اور مفید نسخے لکھے ہیں - بہت مفید کتاب معلوم ہوتی ہے - البتہ چھپائی اچھی نہیں —

متفرق

..........*..........

گنجینۂ سلیمانی

(تالیف مولوی مظفر حسین صاحب سلیمانی - مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈہ)

اس کتاب میں مؤلف نے خان بہادر حکیم سید فرزند علی صاحب افسرالاطبا شاہ‌آبادی کے حالات و اخلاق اور ادبی ذوق کے نمونے تحقیق اور کوشش سے جمع کئے ہیں - حکیم صاحب مرحوم کو سرکار اودھ سے معالج‌الدولہ کا خطاب عطا ہوا - ریاست بھوپال

میں خدمت افسرالاطبا پر فائز رہے اور نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کا اُن پر بہت اعتماد تھا - اُن کے اخلاق اور کمال طبی کا بہت شہرہ تھا - ان حالات کے ضمن میں اور بہت سے مشاہیر کا تذکرہ آگیا ہے جن کا تعلق حکیم صاحب سے کسی نہ کسی حیثیت سے رہا ہے - علاوہ طب کے فارسی اور عربی میں بھی اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے اور شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی —

نتشے

(مترجمۂ پروفیسر سید مظفرالدین صاحب ایم ۔ اے ،
مطبع معارف اعظم گڈہ - قیمت ایک روپیہ)

یہ ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جس میں چار باب میں نتشے کے فلسفے پر بحث کی ہے - فریڈرک نتشے نے جدید خیالات پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے - اخلاق ، ادب ، فن تعلیم ، سیاسیات ، مذہب وغیرہ تمام شعبوں پر اس کا اثر پڑا ہے اور ہر ایک میں وہ بہت بڑا انقلابی نظر آتا ہے - وہ ایک عجیب و غریب شخص تھا اور اس کی تصانیف سمجھنے کے لئے اُس کی زندگی اور اس زمانے کے حالات کا سمجھنا ضرور ہے - اس کا فلسفہ نہ تو منتظم ہے اور نہ منتظم حالت میں پایا جاتا ہے ، مگر اس کے قلم اور طبیعت میں عجیب قسم کی قوت ہے - اور اس کے سمجھنے کے لئے اُس کی تصانیف کا باقاعدہ مطالعہ لازم ہے ، تاہم اس کتاب کے پڑھنے سے اس کے فلسفے کے مختلف رنگ معلوم ہو جاتے ہیں اور باوجود خیالات کے تضاد کے اس میں ایک خاص خیال نظر آتا ہے - اگرچہ وہ پادری خاندان کا تھا ، مگر عیسائی مذہب اور خیالات کا سب سے بڑا دشمن تھا - اور ایک مذہب ہی پر کیا ہے ، موجودہ اخلاق اور سیاسیات سب پر ہاتھ صاف کرتا ہے —

ترجمہ بہت صاف اور ستھرا ہے - اس قسم کے ترجموں کی اُردو زبان کو بہت ضرورت ہے - گو بعض الفاظ و اصطلاحات کے ترجمے سے ہمیں اختلاف ہے ، لیکن قابل مترجم نے جو محنت کی ہے اور جس طرح مشکل عبارت اور مشکل خیالات کو عام فہم بنانے میں کوشش کی ہے ، وہ بہت قابل قدر ہے —

[انگریزی]

THE ORIENTS, PIONEERS OF WESTERN SCIENCES AND CIVILIZATION – BY I. A. ISAAC, BALUGAON (PURI).

اس مختصر کتاب میں جواهل مشرق کے علوم اور تہذیب کا خاکہ هے قابل مصنف نے یہ ظاهر کیا هے کہ یہ خیال غلط هے کہ یہی زمانہ تہذیب و تمدن اور علوم کی ترقی کا هے بلکہ اس سے پہلے بھی دنیا نے ایسے حیرت انگیز کارنامے دیکھے ہیں - اور اس کے ثبوت میں انہوں نے هسپانیہ کی اسلامی حکومت کی وہ عجیب و غریب ترقیاں دکھائی هیں کہ جن کو آج بھی دنیا پڑھ کر ششدر رہ جاتی هے - ادب ، فلسفہ ، هیئت ، زراعت ، فنون لطیفہ غرض هر شعبے میں اس کی تہذیب و ترقی کے اعلیٰ کارنامے دکھائے هیں - یہودیوں نے اس ترقی میں جو مدد دی تھی اسے بھی بڑی خوبی سے بیان دیا هے - پھر مسلمانوں کی رواداری اور بے تعصبی اور عیسائیوں کے مظالم اور خون آلود تعصب کی داستان نہایت دردانگیز هے —

قابل مصنف نے یہ تمام حالات بہت هی بہجوش اور بہخلوص الفاظ میں بیان کئے هیں اور چھوٹی سی خوب صورت کتاب میں بہت سے معلومات جمع کردئے هیں —

اُردو کے جدید رسالے

———:o:———

حیدرآباد ٹیچر

یہ رسالہ انجمن اساتذۂ حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع هوتا هے - رسالہ سہ ماهی هے اور اُردو انگریزی دونوں زبانوں میں هوتا هے - یعنی ایک حصہ اُردو میں اور ایک حصہ انگریزی میں - مضامین زیادہ تر تعلیمی هوتے هیں اور لکھنے والے مدرسین هیں جن کی تعداد ماشاءالله کچھ کم نہیں - رسالے کا مقصد اساتذہ میں معلمی کا احساس

پیدا کرنا اور معلمین کے تعلیمی تجربوں اور انجمن کے مفید مضامین کا شائع کرنا ہے -
قیمت تین روپیہ سالانہ ہے - کاغذ ' چھپائی اور لکھائی اچھی ہوتی ہے —

ہنرمند

(ماہانہ رسالہ' اڈیٹر شیخ محبوب الہی صاحب بی-اے' ال-ال-بی' پلیڈر' لاہور -
سالانہ چندہ تین روپے - پتہ: دفتر رسالۂ ہنرمند' حویلی کابلی مل' لاہور)

اس رسالے کا مقصد تجارت' صنعت و حرفت اور زراعت کی عملی تعلیم کے ذریعے سے ملک کے ادبار کو دور کرکے اس کو خوش حال بنانا ہے - بہت مبارک اور اچھا مقصد ہے - مضامین بھی کارآمد اور مفید ہیں—

تفریح

(ماہانہ رسالہ - اڈیٹر' آغا رفیق صاحب بلند شہری اور محمد رفیق صاحب - سالانہ قیمت دو روپیہ - قاضی اسٹریٹ - بنگلور)

عنوان پر لکھا ہے کہ یہ علمی' ادبی' تاریخی' سیاسی' تفریحی اور زرعی مضامین کا مجموعہ ہے - اور ہے بھی ایسا ہی - اس میں ہر قسم کے مضمون پائے جاتے ہیں اور دل بستگی کا بہت اچھا سامان مہیا کیا جاتا ہے - قیمت کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے—

معلم العلوم

(ماہانہ - مطبع معلم العلوم' چھتہ بازار' حیدرآباد دکن -
قیمت سالانہ عام اشخاص اور طلبہ سے تین روپے سالانہ)

اس رسالے میں دینیات' طبابت و معالجات' معلومات' زراعت' تجارت'

صنعت و حرفت اور ادبیات، اخلاقیات، عمرانیات و اخبارات کے تحت میں مختلف مضامین ہوتے ہیں۔ مضامین دلچسپ اور مفید ہیں مگر چھپائی بہت ہی ناقص اور خراب ہے۔ اس کی اصلاح ہو جائے تو رسالہ کام کا ہے۔

سنہ ۱۹۲۷ء کے [illegible] انعامات کی تقسیم

پہلا انعام دو سو روپیہ کا عطائے [illegible] حضرت پروفیسر محمود شیرانی صاحب کے نذر کیا گیا جن کے سلسلہ وار مضامین [illegible] قدردان خوب واقف ہیں۔

دوسرا انعام ڈیڑھ سو روپیہ کا عطائے عبدالحق [illegible] مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا جن کے پرلطف اور پاکیزہ مضامین اردو میں شایع ہو چکے ہیں۔ مرزا صاحب نے [illegible] یہ رقم انجمن کو بطور عطیہ مرحمت فرمادی جس کا ہم نہایت ہی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

تیسرا انعام سو روپیہ کا عطائے ہاشمی، بہترین نظم کے لئے تھا۔ افسوس کہ سنہ ۱۹۲۷ء میں کوئی نظم اس قابل نہ تھی جس کے لئے یہ انعام تجویز کیا جاتا۔ تاہم مولوی سید ہاشمی صاحب نے اپنی قدردانی سے یہ رقم بھیج دی اور تحریر فرمایا کہ انجمن میں جمع کر لی جائے۔ اس عطیے کا شکریہ ہم الفاظ اور دل دونوں سے کرتے ہیں۔

سکریٹری انجمن ترقی اُردو

یادگار مولانا شرر مرحوم

تین سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکرتری انجمن ترقی اُردو، اور جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ھے—

(۱) "عطائے سلیم"

رسالۂ اُردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ھر اعتبار سے بہترین اور ادب اُردو کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ ۲۰۰ روپیہ کلدار پیش کیا جائے گا۔

(۲) "عطائے عبدالحق"

رسالۂ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی - اے، عطا فرمائیں گے—

(۳) "عطیۂ ہاشمی"

کے نام سے تیسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا، مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالۂ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی—

ہر سال کے اخیر مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کر کے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا۔ انعام کی اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا—

المعـــــــــــلن

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

سائنس

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے، دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہورہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہونگے، اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے - ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جائےگی - اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے —

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے سائنس دانوں کے علاوہ یورپ کے فضلائے بھی اس رسالے میں مضمون لکھنا منظور فرمایاہے چنانچہ پروفیسر انڈریڈ -ڈی ایس سی- پی ایچ ڈی، پروفیسر فرانیڈلش پروفیسر برلن یونیورسٹی اور پروفیسر سر آرتھر کیتھ کے مضامین وصول ہوچکے ہیں جن کے ترجمے اس رسالے میں شائع ہوں گے - متعدد بلاک بھی ہوں گے —

رسالہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۸ع میں شائع ہوگا - تقطیع بڑی رسالہ اُردو کی ہوگی - سالانہ چندہ آٹھ روپے سکۂ انگریزی (نو روپیہ چار آنے سکۂ عثمانیہ) —

امید ہے کہ اُردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے-

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اردو

نرخ نامۂ اُجرت اشتہارات

	ایک بار کے لئے	چار بار کے لئے
۲ کالم یعنے پورا ایک صفحہ	۱۰ روپے سکۂ انگریزی	۴۰ روپے سکۂ انگریزی
ایک کالم (آدھا صفحہ)	۵ روپے سکۂ انگریزی	۲۰ روپے سکۂ انگریزی
نصف کالم (چوتھائی صفحہ)	۲ روپے آٹھہ آنے سکۂ انگریزی	۱۰ روپے سکۂ انگریزی

رسالے کے جس صفحے پر اشتہار شایع ہوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت میں نمونے کے لئے بھیج دیا جاے گا - پورا رسالہ لینا چاھیں تو اُس کی قیمت بحساب ایک روپیہ بارہ آنے سکۂ انگریزی فی رسالہ اس کے علاوہ لی جاے گی —

المشتہر:— انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد - دکن

سوسید فاؤنٹین پن



بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنوا کر منگوائے گئے ہیں - قلم کی نب اصلی ۱۴ کیریٹ گولڈ کی ہے جو سالہا سال تک خراب نہیں ہوتی—

دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) اسپشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ کیریٹ گولڈ کی جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے' سلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت - ایک دفعہ خریدئے برسوں کو فراغت - قیمت چھہ روپیہ - قسم اول' یہ قلم دو طرح کے ہیں ایک وہ جن میں خود بخود روشنائی بذریعے لیور بھر جاتی ہے (سلف فلنگ) - دوسرے وہ جن میں روشنائی بذریعے انک فلر بھری جاتی ہے جو قلم کے ساتھہ مفت دیا جاتا ہے- قیمت ۴ روپیہ (ہر قلم کے ساتھہ پاکٹ کلپ مفت) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے-ملنے کا پتا:- نظام الدین حسین اینڈ سن - بدایوں—

واشرمین انک اکسٹریکٹ

(یعنی روشنائی کا جوہر)

یہ روشنائی بالکل نئی چیز ہے' بلیو' بلیوبلیک - سرخ رنگ اسٹاک میں موجود ہیں - فاؤنٹن پن میں بھی استعمال کی جا سکتی ہے - نمونے کا پیکٹ ایک آنے کا ٹکٹ بھیج کر مفت منگائیے—

ملنے کا پتا:—
نظام الدین حسین اینڈ سن- بدایوں

علی گڈھ میگزین کا کانووکیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالے علی گڈھ میگزین کا کانووکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھہ جنوری سنہ ۱۹۲۸ع میں شایع ہوگا - اس پرچے میں تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز انشا پردازوں کے مضامین اور بلند پایہ شعرا کے افکار عالیہ شایع ہوں گے - اس پرچے کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی اور اُردو کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہوگا - تمام اہل علم ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی سے بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہے استدعا کی جاتی ہے کہ اپنے مادر علمی کے اس رسالے کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں - مضامین اور حصۂ نظم ایڈیٹر صاحب علی گڈھ میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے پتے پر بہت جلد پہنچ جانا چاہئیں -

خریداریء رسالہ و اُجرت اشتہارت کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ سے خط و کتابت کیجئے -

المشـــــــــــــــــــــــتہر

منیجر علی گڑھ میگزین

صرف اخبار نویس حضرات کے لئے

دھلی کا اخبار "ریاست" خاص اہتمام کے ساتھہ ہندوستان کی اُردو اخباری برادری کے اُن اراکین کی زندگی کے حالات اور بلاک کی تصاویر ایک کتاب کی شکل میں شائع کرنے والا ہے جو فن صحافت کو فروغ دینے اور ترقی کے اعلیٰ درجے تک پہنچانے کے لئے قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں -

اُمید ہے کہ تمام اخبار نویس حضرات خواہ وہ کسی حیثیت میں کام کرتے ہوں اپنی زندگی کے حالات مع عکسی تصاویر زیادہ سے زیادہ فروری سنہ ۱۹۲۸ ع کے آخر تک دفتر ریاست میں بھیج کر مشکور فرمائیں گے -

المشـــــــــــــــــــــــتہر

منیجر ریاست دھلی

(و)

تحریری مقابلہ

انجمن اتحاد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے طے کیا ہے کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کو جناب عبدالعزیز صاحب انصاری ایم - اے، ایل - ایل - بی، وکیل بارہ بنکی کی جانب سے اُن کے مرحوم دوست اور ملک کے مشہور انشا پرداز جناب ولایت علی صاحب بمبوق کی یادگار میں ایک پچاس روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے - عنوان حسب ذیل ہے :

"سنہ ۱۸۵۷ع کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جد و جہد اور اس کے نتائج"

شرائط - (۱) مضمون تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہو —

(۲) مضمون ۳۱ - مارچ سنہ ۱۹۲۸ع تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی کے پتے سے آجانا چاہئے —

(۳) طلبا اور دیگر تمام حضرات اس میں حصہ لے سکتے ہیں —

مندرجۂ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں :

مولوی عبدالحق صاحب بی - اے، ناظم انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

مولانا عبدالماجد صاحب بی - اے مدیر "سچ" لکھنؤ

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم - اے، پی - ایچ - ڈی (برلن) شیخ الجامعہ

مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوے امید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلبہ اس طرف توجہ فرمائیں گے —

المشتہر

ناظم انجمن اتحاد

جامعہ ملیہ اسلامیہ - دہلی

شمع

سچ فرمائیے

۱- کیا جناب کو علم و ادب سے ذوق ہے ؟

۲- کیا جناب کو سیاسیات سے دلچسپی ہے ؟

۳- کیا جناب کو تاریخ سے شوق ہے ؟

۴- کیا جناب اپنی زبان میں یورپ کا بہترین لٹریچر دیکھنا پسند کرتے ہیں ؟

۵- کیا جناب ہندوستان کے بہترین شعرا کا پاکیزہ کلام ہر ماہ دیکھنا چاہتے ہیں ؟

۶- کیا جناب اخلاق و تمدنی مضامین سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں ؟

۷- کیا جناب اعلیٰ پیمانے کے افسانوں سے نیک سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟

۸- کیا جناب زمانے کی جدید ترین ترقیات معلوم کرنا چاہتے ہیں ؟

۹- کیا جناب جدید ترین مطبوعات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں ؟

۱۰- کیا جناب مصوری کے لاجواب نمونے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں ؟

۱۱- کیا جناب تاریخی اور کمیاب تصاویر کے شایق ہیں ؟

۱۲- کیا جناب اپنے فاضل وقت کو بہترین مشغلے میں صرف کرنا چاہتے ہیں ؟

اگر آپ ان میں سے ایک بھی خواہش کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو رسالۂ "شمع" کو ضرور ملاحظہ فرمائیے اور آج ہی دس آنے کے ٹکٹ بھیجکر نمونہ طلب فرمائیے۔ لکھائی، چھپائی بہترین، کاغذ چکنا حجم ۱۱۲ صفحے، چندہ سالانہ ۶ روپے - ششماہی ۳ روپے آٹھہ آنے — [نوٹ] جنوری سنہ ۱۹۲۷ع سے مصوری کے بہترین نمونوں کے شاہان اودہ کی نہایت قیمتی اور بےمثل تصاویر شایع ہورہی ہیں —

المشتہر

منیجر شمع - حسن منزل - شاہ گنج - آگرہ

انجمن کے تازہ ترین مطبوعات

ہماری شاعری

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب، ایم - اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے رسالۂ اردو میں اردو شاعری پر ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو عام طور پر بہت پسند کیا گیا تھا اب رضوی صاحب نے اُس میں بہت کچھہ اضافہ کرکے کتابی صورت میں کردیا ہے - اور انجمن ترقی اردو نے اُسے نہایت عمدہ طور پر پوری کتاب دو رنگوں میں (لیتھو میں) طبع کرائی ہے - اور پورے کپڑے کی خوشنما جلد ہے - حجم دو سو صفحے قیمت دو روپیہ سکۂ انگریزی —

علم المعیشت

(مصنفہ مولوی محمد الیاس برنی صاحب)

اس کتاب کے دو ایڈیشن شایع ہو چکے تھے اور تھوڑے ہی عرصے میں ختم ہوگئے تھے - اب تیسرا ایڈیشن مسلم یونیورسٹی پریس میں پہلے کی طرح لیتھو میں طبع کرایا گیا ہے - تیسرے ایڈیشن میں مصنف نے نظر ثانی میں بہت کچھہ اضافہ اور ترمیم بھی کردی ہے - معاشیات پر اردو میں یہ بہترین کتاب ہے - قیمت فی جلد مجلد پانچ روپیہ آٹھہ آنے (جلد نہایت مضبوط پورے کپڑے کی ہے) —

البیرونی

(مصنفۂ مولوی سید حسن برنی صاحب، بی - اے)

مشہور علامہ ابو ریحان بیرونی کی سوانح عمری اور اُن کے مقبول عام تصانیف خصوصاً کتاب الہند پر تفصیلی تبصرہ - یہ کتاب بھی انجمن میں ختم ہو گئی تھی - اب اس کا دوسرا ایڈیشن مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈہ میں طبع کرایا گیا ہے - مصنف نے اس دوسرے ایڈیشن کے وقت نظر ثانی میں جدید تحقیق و تلاش کے بعد اس قدر اضافہ اور ترمیم کی ہے کہ یہ کتاب بالکل نئی ہوگئی ہے - قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ (جلد نہایت خوشنما پورے کپڑے کی ہے) —

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ھے - جو ھمارے اھل وطن کے لئے بہت سبق آموز ھے - اردو میں یہ پہلی کتاب ھے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ھے - ھر محب وطن کا فرض ھے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ھونے کے پر از معلومات ھے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ھے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ھیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۳ روپیہ —

سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ھی سلیس زبان میں بیان کی گئی ھے - حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ھے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ھے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھہ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ھے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ھے اور ھر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ھے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اُردو

مولفۂ میر حسن دھلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ھوا شاید ھی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ھوا ھو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ھے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ھے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ھے - اس پر مولانا محمد حبیب‌الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ھے جو قابل پڑھنے کے ھے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں—

تاریخ تمدن

سر تامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد دو روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہٰین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں، ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریائے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - ۳۰۰ صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی ملسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سہرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم‌الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق‌النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ - حصۂ دوم مجلد ۴ آنہ —

علم‌المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے- معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے- مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں، اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے- قیمت مجلد ۲ روپیہ —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا - پانی غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کی بہترین تصنیف ہے ۔ اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں- مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلسچپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی، مفرد ومرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اورعلمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں-اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیاباب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ھے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ھے - جو اِس شان کی لکھی گئی ھے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ھے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ھے - اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی ' آشوری ' بابل - بلمی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ھیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طور پر طبع کرایا ھے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ھیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ھے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ھے اور سہل زبان میں لکھی ھے - ھمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ھے' کہاں سے آتی ھے' کیا کام آسکتی ھے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ھے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ھے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ھیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ھے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رھی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ھیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمالیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ غیرمجلد ڈیڑ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ھے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ھے اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ھے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ھے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں —

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں

[سب قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں]

انتخاب زریں

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن نے اُردو شعرا ئے ماضی و حال کے کلام کا اِنتخاب فرمایا ھے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام اُن کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ھے عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایوں نے شایع کیا ھے اور جلد بھی بہت خوبصورت ھے - قیمت فی جلد ڈھائی روپیہ —

قاموس المشاھیر
جلد اول و دوم

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ھے - یعنی دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کردئیے گئے ھیں - ھندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ھیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھہ روپیہ ' جلد دوم چھہ روپیہ —

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ایک روپیہ —

مجموعۂ قصائد مومن

ھندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دہلوی کے اُردو قصاید - مرتبۂ ضیاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت بارہ آنہ -

گوتم بدھ

ھندوستان کے مشہور رھنما مہاتما بدھ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا خلاصہ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ —

مسالک النظر فی نبوت سید البشر

مصنفہ سعید بن حسن الاسکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمن صاحب ایم - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

حکایۂ لیلیٰ مجنوں

ایک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

مقتل فریب مغربی معین خالی

مؤلفہ مولوی سید طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی ' آشوری ' بابل - بلی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے' کہاں سے آتی ہے' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمالیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ غیر مجلد ڈیڑ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں

[سب قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں]

انتخاب زریں

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن نے اُردو شعرا ئے ماضی و حال کے کلام کا اِنتخاب فرمایا ھے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام اُن کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ھے - عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایوں نے شایع کیا ھے اور جلد بھی بہت خوبصورت ھے - قیمت فی جلد ڈھای روپیہ —

قاموس المشاھیر
جلد اول و دوم

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ھے - یعنی دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کردئے گئے ھیں - ھندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ھیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھہ روپیہ ' جلد دوم چھہ روپیہ —

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ایک روپیہ —

مجموعۂ قصائد مومن

ھندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دھلوی کے اُردو قصاید - مرتبۂ ضیاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت بارہ آنہ —

گوتم بدھ

ھندوستان کے مشہور رھنما مہاتما بدھ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا خلاصہ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ —

مسالک النظر فی نبوت سیدالبشر

مصنفہ سعید بن حسن الاسکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمن صاحب ایم - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ —

حکایۂ لیلی مجنوں

ایک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ —

مقتل فریب مغربی معمل خانے

مؤلفہ مولوی سید طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

کلیات ولی

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں - اور یہی گویا ہماری قدیم شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اور اس کا کلام اُس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے —

یہ کلیات جناب احسن صاحب مارہروی نے نہایت محنت ' کاوش اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں اکثر غلط اور نامکمل ہیں - یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم ' قلمی ' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں اُن تمام قدیم ' متروک ' اجنبی ' ہندی ' دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آئے ہیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے ' دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دیکر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ' قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دان اُردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی' بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا' اُردو کی خوش نصیبی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی ، اور اب خاص اہتمام کے ساتھہ عمدہ اردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ، طبع کی گئی ھے ، جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر و ماکراس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ھے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی ، تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آ جاتا ھے - حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ھیں ، جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ھیں- یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ھدیہ ھے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ھے - حجم دو سو صفحے سے زاید، قیمت مجلد ڈیڑہ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ھے ، اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر، سہل، جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ھے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ھوی - جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ھے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ، ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ھے ، شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجائے خود قابل دید ھے - انجمن نے اپنے پریس میں، عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ھے ، کاغذ بہت عمدہ ، جلد نہایت نفیس اور مضبوط ، قیمت مجلد دو روپے آٹھہ آنے سکہ انگریزی ، غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں ، یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ھے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ھے اور حقیقت یہ ھے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ھے ، یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ھوچکا ھے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کرلیا ھے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں—

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ھے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور' نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ھے - کاغذ چکنا' نہایت عمدہ' حجم دو سو صفحات سے زیادہ' جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ھے' قیمت مجلد دو روپے—

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ' جس میں حسب ذیل علوم داخل ھیں -

Astronomy, Botany, Economics. History, (Constitutional, Greece England etc); Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaelogy, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماھرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ھے - مصنفین' مترجمین اور معلمین کے لئے نا گزیر ھے—

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھہ روپے—

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ھے جس کی اشاعت کا اھل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ھے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ھاتھہ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ھوا ھے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم- مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر' کے' سی' آئی' ای' سی' ایس' آئی' ایم' اے' بی' ایل' ایف' آر' ایس' چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ھے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھہ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں—

صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں، زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ، فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ہے - انجمن سے بارہ آنہ میں مل سکتی ہے -

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی‌بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم - اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ہر جگہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آگئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ہے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ، مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

بانگ درا (مطبوعہ لاهور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاهور قیمت غیر مجلد ۴ روپیہ —

یاد گار غالب

یعنی مرزا اسداللہ غالب دھلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر ، اردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے-قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ- مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

و کرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں هندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑہ روپیہ —

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی ' زهرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھہ لکھے تھے - یہ جواهر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار هیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ' بی - اے معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات ' اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ محمد امین صاحب مارهروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ' هر صاحب ذوق جانتا ہے ' اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو هاتھوں هاتھہ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اهتمام و نفاست سے طبع هوا ہے - ٹائپ ' کاغذ ' چھپائی ' جلد ' سائز ' هر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

معشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دهلی نے خاص اهتمام سے چھپوایا ہے-

---

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں هیں —

سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' اُن کے مضامین خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے ' قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

چمن

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اُردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے- کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست-احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ —

اُردوے قدیم

مجلس دارالمورخین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ‌زیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور مصنفین اُردو کے صحیح خیالات تحریر ہیں ' جسے مشہور مورخ مولوی شمس‌اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی ' فارسی اُردو ' انگریزی ' فرانسیسی ' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب وتالیف کیا ہے- قابل دید ہے- قیمت قسم اول دو روپیہ ' قسم‌دوم ایک روپیہ‌آٹھ‌آنہ -

معراج العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ' جنہوں نے سنہ ۸۲۵ ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے - قیمت ۹ آنہ —

مسکوکات قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو '' ہون '' کہا جاتا تھا ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلباے تاریخ ڈگری کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس‌اللہ صاحب' قیمت ۹ آنہ —

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے ' اس میں فارسی کے مشہور و غیرفانی شاعر ظہیر فاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر قابلانہ

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت ۲ آنہ —

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالت کا ہو بہو خاکہ کھینچا ہے- وہاں کی بدنظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھلایا ہے ' مرتضیٰ' مشفق' کاظمی - تین فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور برلن پایہ تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کار روائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں- غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات- قیمت ڈیڑہ روپیہ —

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفیٰ کمال پاشا کی کتاب " المسئلۃالشرقیہ " کا اُردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بےنقاب کردیے گئے ہیں- قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ہارون‌الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جد و جہد - تاریخی ' علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے -

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سیدجمال‌الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوتی بستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال‌الدین افغانی

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار)

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا ' قیمت ۵ آنے ——

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں' علما و طلبا' شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا' اور ان خرابیوں کا علاج - مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی قیمت ڈیڑہ روپیہ ——

فقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اُن پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنہوں نے با وجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا - ان کی فیاضی' ہمدردی' قناعت' توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے - قیمت ڈیڑہ روپیہ ——

پھل اور میوہ جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ٨ آنہ ——

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے - قیمت ٨ آنہ ——

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام' تابعین' مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار' جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات سے کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں - قیمت ۴ آنہ ——

(دارالمصنفین اعظم گڑہ)			
سیرۃالنبی حصۂ اول	۴ روپیہ	کلیات شبلی	ڈیڑہ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ٨ آنہ	اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	٨ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ سوم	۲ روپیہ	انقلاب‌الامم	۲ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ	برکلے	ڈیڑہ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی	۲ روپیہ	مکالمات برکلے	ڈیڑہ روپیہ
علم‌الکلام	۲ روپیہ	مثنوی بحرالمحبت	۱۲ آنہ
الکلام	۲ روپیہ	تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
		سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ

(نوٹ' کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں ——

کتاب	قیمت
روح الاجتماع	۲ روپیه
ابن رشد	۴ روپیه
گل رعنا	۵ روپیه
سیرالانصار	۳ روپیه ۸ آنه
شعرالهند مجلد	۵ روپیه
شعرالهند غیر مجلد	۴ روپیه
(مطبع کاویانی برلن)	
تیاتر (فارسی)	۲ روپیه ۸ آنه
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی)	۲ روپیه ۸ آنه
نصاب الصبیان (فارسی)	۱ روپیه
رهنمای پسران (فارسی)	۱ روپیه ۸ آنه
تلغراف بی سیم (فارسی)	۱ روپیه
هزار و یک سخن (فارسی)	۱۱ آنه
(جامعه ملیه دلی)	
الخلافت الکبریٰ	۵ روپیه
الصراط المستقیم	۲ روپیه
بصائر	۹ آنه
سیرة الرسول	ڈیڑھ روپیه
خلافت راشده	۲ روپیه
خلافت بنی امیه	ڈیڑھ روپیه
خلافت عباسیه	۲ روپیه
خلافت عباسیهٔ بغداد	۳ روپیه
مبادی معاشیات	۱ روپیه
انتخاب کلام مهر (از نورالرحمن صاحب)	۱ روپیه
قواعد عربی	۲ روپیه
عرض جوهر	۸ آنه
مجموعهٔ کلام جوهر	۶ آنه

کتاب	قیمت
اسلامی تهذیب و قومی تعلیم	۴ آنه
ازهارالعرب (عربی)	۸ آنه
انتخاب مضامین جوهر	۱ روپیه
ترکوں کی کہانیاں	۴ آنه
خطبۂ شیخ الهند	۲ آنه
خطبه حکیم اجمل خاں صاحب	۲ آنه
همارے نبی	۸ آنه
تاریخ هند قدیم	۱ روپیه
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	۱۲ آنه
(نظامی پریس بدایوں)	
قاموس المشاهیر جلد اول	۹ روپیه
قاموس المشاهیر جلد دوم	۹ روپیه
نکات غالب مجلد	۱ روپیه
دیوان غالب مشرح مجلد	۲ روپیه ۸ آنه
دیوان جان صاحب مجلد	ڈیڑھ روپیه
دیوان درد	۱ روپیه ۴ آنه
دیوان غالب، لائبریری ایڈیشن)	ڈیڑھ روپیه
خطوط سر سید قسم اول	۳ روپیه
خطوط سر سید قسم دوم	۲ روپیه
ایتھو گرافی مجلد	۲ روپیه ۸ آنه
انتخاب زریں مجلد	۲ روپیه
مراثی انیس جلد اول مجلد	۱۰ روپیه
مراثی انیس جلد دوم قسم اول	۸ روپیه
قسم دوم	۴ روپیه
قصائد ذوق	۳ روپیه
(دائرۂ ادبیه - لکھنؤ)	
یادگار غالب مجلد	۳ روپیه
مکاتیب امیر مینائی	۲ روپیه ۸ آنه

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

کتاب	قیمت
مکاتیب اکبر	۱ روپیه
میدانِ سخن	۱ روپیه
حزن اختر	۸ آنه
درس عمل	۴ آنه
خواتین انگورا	۱ روپیه
بیگمات بنگال	۹ آنه
اسلام کا اثر یورپ پر	۴ آنه
مشرقی ترکستان	۶ آنه
سیاحت زمین	۱ روپیه
سیاحت هوا	۱ روپیه

(الناظر پریس - لکهنؤ)

کتاب	قیمت
فلسفیانه مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیه ۸ آنه
تاریخ عرب مجلد	۷ روپیه
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد	۳ روپیه
مقدمۂ شعر شاعری	۱ روپیه ۴ آنه
اصول الفسخ	۶ آنه
مسلمانان اندلس	۱ روپیه
اسرار رنگون	۱ روپیه
هوم رول	۵ آنه
خوان دعوت	۱ روپیه
مصنوعی شوهر	۲ آنه
و کرم عروسی	۱ روپیه ۸ آنه
مسلمانوں کی تهذیب	۶ آنه
الاحسان	۸ آنه
ارض نهرین	۴ آنه
تذکرۂ حزین	۴ آنه
حیات نظامی	۴ آنه
خطاب	۴ آنه

کتاب	قیمت
میلاد نبوی	۴ آنه
تصویر درد	۴ آنه
شمع و شاعر	۲ آنه
فریاد اُمت	۳ آنه

(دارالاشاعت پنجاب - لاهور)

کتاب	قیمت
صبح زندگی	۱ روپیه ۸ آنه
شام زندگی	۱ روپیه ۴ آنه
شب زندگی هر دو حصه	۲ روپیه ۴ آنه
منازل السائره	۱ روپیه
سنجوگ	۱۰ آنه
جواهر قدامت	۱ روپیه ۸ آنه
تحفۂ سائنس	۲ روپیه ۸ آنه
مشاهیر هند	۲ روپیه ۸ آنه
نیلی چهتری	۱ روپیه ۴ آنه
بهرام کی گرفتاری	۱ روپیه
اخترالنسا بیگم	۱ روپیه ۸ آنه
روشنک بیگم	۲ روپیه
رانی کرونارت	۱ آنه
رسوم دهلی	۴ آنه ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیه ۸ آنه
ایام غدر	۱ روپیه ۴ آنه
نقش فرنگ	۱ روپیه ۴ آنه
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیه
پریم بتیسی حصه اول	۱ روپیه ۸ آنه
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیه
نعمت خانه	۱ روپیه ۴ آنه
چلدن هار	۲ آنه
انمول موتی	۱ آنه و پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنه

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں هیں —

گوهر مقصود	۹ آنه	تین ٹوپیاں	۸ آنه
لیلیٰ	۲ روپیه	ظفر کی موت	۴ آنه
سواءالسبیل	۱ روپیه	قزاق	۸ آنه
سخندان پارس	۱۰ آنه	بگڑے دل	۸ آنه
قوانین دولت	۴ آنه	(دوسری قابل قدر کتابیں)	
مینا	۱۲ آنه	رسائل شبلی	۱ روپیه ۸ آنه
چترا	۱۲ آنه	کتب خانۂ اسکندریه	۵ آنه
امتیاز پچیسی	۸ آنه	بشریٰ	۹ آنه
دلپسند کہانیاں	۱۲ آنه	ذکریٰ	۱۰ آنه
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنه	سیرالمصنفین	۲ روپیه
(تصانیف نورالهی و محمدعمر صاحبان)		جہاں آرا بیگم	۸ آنه
موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیه		
ناٹک ساگر [یعنی دنیاے ڈراما کی تاریخ]	مجلد ۳ روپیه		



رسالهٔ اُردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیه چارآنه کمی قیمت کے ساتھ دی جائینگی - اُمید هے که ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھا ئینگے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت هوتی هیں، ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی —



(نوت) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں هیں—

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

ایے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کررهی هے جو اس بات کی عام اجا دیدیں که آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع هو، وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار هو هی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانه کردي جایا کرے - همیں اُمید هے قدردان زبان اُردو همیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے که اُن کے اسماے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شایع هو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانه کردی جایا کرے یه انجمن کی بہت بڑی مدد هوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت هوجاے گی - همیں اُمید هے که همارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی‌خواہ هیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نه فرمائیں گے—

اِن معاونین کي خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع هوں گی وقتاً فوقتاً چوتهائی قیمت کم کرکے روانه هوں گی—

اِلمشتہر

انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد (دکن)

اردو

جلد ۸ حصہ ۳۰



اپریل سنہ ۱۹۲۸

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

یادگار مولانا شرر مرحوم

تین سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکرٹری انجمن ترقی اُردو، اور جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے—

(۱) " عطاے سلیم "

رسالۂ اُردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ہر اعتبار سے بہترین اور ادب اُردو کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ ۲۰۰ روپیہ کلدار پیش کیا جاے گا -

(۲) " عطاے عبدالحق "

رسالۂ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی - اے، عطا فرمائیں گے —

(۳) " عطیۂ ہاشمی "

کے نام سے تیسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا، مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالۂ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی—

ہر سال کے اخیر مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کر کے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا - انعام کی اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا —

الم‍ـــــــعـــــــلان

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

سائنس

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے' دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہورہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہونگے' اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے - ان تمام مسائل کو حتی‌الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے‌گی - اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے —

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے سائنس دانوں کے علاوہ یورپ کے فضلا نے بھی اس رسالے میں مضمون لکھنا منظور فرمایا ہے۔ اس رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کریں گے —

سالانہ چندہ آٹھ روپے سکۂ انگریزی (نو روپے چار آنے سکۂ عثمانیہ) —

امید ہے کہ اُردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے۔

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

فہرستِ مضامین



قدیم اُردو

اُردو نثر کی ایک بہت قدیم کتاب

(از اڈیٹر)

حضرت میراں صاحب یا شاہ میرانجی حسن خدانما سید صحیح النسب تھے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے ہاں ایک سرشتے میں جو عالم روزگار کہلاتا تھا ملازم تھے - سلطان نے ایک بار انھیں بادشاہ بیجاپور کی خدمت میں بعض امور مملکت کے طے کرنے کے لئے بھیجا - جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوکر واپس ہونے لگے تو اطلاع ملی کہ حضرت امین الدین اعلیٰ اپنے حجرے سے برآمد ہیں اور لوگ جوق جوق آپ کی زیارت کے لئے جارہے ہیں، ان کے دل میں بھی شرف ملازمت کا شوق پیدا ہوا، وہاں پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوے - کہتے ہیں کہ حضرت کا یہ دستور تھا کہ غلبۂ حال سے فارغ ہونے کے بعد حجرے سے باہر آجاتے تھے اور لوگوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے اور سرنگوں ہوکر زمین کریدا کرتے تھے اور جب آنکھیں کھولتے تو تمام حاضرین سرنیاز جھکا لیتے اُس روز اتفاقاً آپ کی نظر ایک پتھر پر جاپڑی اور فرمانے لگے کہ یہ پتھر کیا کہتا ہے، تمام خادم خاموش تھے لیکن میرانجی ادب سے سامنے آے اور عرض کی کہ یہ پتھر کہتا ہے کہ امین الدین خدا ہوگیا اور خدا امین الدین - حضرت اُٹھے اور میرانجی کا ہاتھ پکڑ کر حجرے میں لے گئے اور چند گھنٹے وہیں رہے اور انھیں اپنا سا بناکر رخصت کردیا - روایت ہے کہ جب میرانجی فنافی الشیخ کے رتبے کو پہنچ کر باہر آے تو تمام خلفا اور مریدوں کو یہ تصور ہوا کہ خود حضرت (امین الدین اعلیٰ) باہر آے ہیں اور سب کے سب سربسجود ہوگئے، جب سر اُٹھایا تو دیکھا کہ میرانجی ہیں - اس کے بعد خود حضرت باہر تشریف لاے اور فرمایا کہ امین الدین میرانجی ہوگیا اور میرانجی امین الدین - اس کے بعد کچھ دنوں میرانجی

صاحب کو اپنے صحبت میں رکھا اور خرقۂ خلافت عنایت فرماکر حیدرآباد رخصت کیا۔

حیدرآباد میں آکر مسند مشیخت پر بیٹھے اور ہدایت خلق میں مشغول ہوے۔ آپ نے بہت سے رسالے دکنی زبان میں معرفت و سلوک میں لکھے ہیں - ان کی وفات ۱۸ جمادی الا ولی سنہ ۱۰۷۰ ھ میں ہوی - صاحب روضۃ الاولیا لکھتے ہیں کہ ان کا مکان اور روضہ بیرون حصار حیدرآباد ہے - مصنف تاریخ گلزار آصفیہ نے زیادہ صراحت سے لکھا ہے کہ آپ کی قبر بیرون حیدرآباد مغرب جانب متصل مستعدپورہ و کاروان عبدالعدپور میں ہے اور زیارتگاہ عام و خاص ہے - ان کے بیٹوں نے اس پر ایک گنبد بھی تعمیر کردیا تھا جو کھڑکی گنبد کہلاتا ہے —

یہ بزرگ میرانجی خدانما کے نام سے مشہور ہیں - کہتے ہیں کہ عالمگیر بادشاہ نے آپ سے فرمایا کہ کیا جناب خدانما ہیں؟ فرمایا " بابا اگر خدانما نباشم پس خودنما باشم"

افسوس ہے کہ تذکروں میں آپ کی تصانیف کا کچھ ذکر نہیں پایا جاتا حالانکہ ہمارے نقطۂ خیال سے ان کی بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب کے مؤلف ہیں جو اردو ادب کی تاریخ میں قدر و منزلت کے لائق ہے —

اس کتاب کا نام شرح تمہید ہمدانی یا شرح شرح تمہید ہے - اس کتاب کی حقیقت بتانے سے پہلے تمہید ہمدانی کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے —

تمہیدات عین القضات ایک تصوف کی کتاب ہے - جس کے مؤلف ابوالفضائل عبداللہ بن محمد المیانجی ملقب بہ لقب عین القضات ہمدانی ہیں - یہ شیخ احمد غزالی (برادر امام محمد غزالی) کے شاگرد تھے - سنہ ۵۲۳ ھ میں بحکم قوام الدین ابوالقاسم درگزینی وزیر سلطان سنجر قتل کئے گئے اور رتبۂ شہادت پایا —

ان کے خاندان کا اصل وطن میانہ تھا جو مراغہ اور تبریز کے درمیان واقع ہے اور اسی نسبت سے وہ میانجی کہلاتے ہیں - ان کے دادا ابوالحسن علی ہمدان کے قاضی تھے جو (بقول یاقوت) شہید ہوے - وہ ایک مشہور فقیہ' عالم اور شاعر تھے —

تمہیدات کے مصنف عین القضات ہی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں اور اُن کی شہرت زیادہ تر صوفی کی حیثیت سے ہے - اُن کی تصنیف سے فارسی عربی میں کئی کتابیں تصوف پر ہیں - علاوہ تمہیدات کے شیخ کی دوسری فارسی کتاب

ان کے مکتوبات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے صوفی دوستوں کو لکھے ہیں۔ اُن خطوں میں تصوف کے مسائل اور مسائل شرعیہ، عقائد اور قرآن کی بعض آیات کے باطنی معنے بیان کئے ہیں (یہی باتیں تو ان کی شہادت کا باعث ہوئیں)۔ جن صاحبوں کو یہ خط لکھے گئے ہیں ان کے نام درج نہیں؛ ہر خط "برادر عزیز" سے شروع ہوتا ہے۔ بعض خط "الولدالاعز عین‌القضات" کے عنوان سے ہیں، جو غالباً احمد غزالی (رح) نے شیخ کے نام لکھے ہیں۔ وہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے—

تمہیدات دس باب (یا اصل) میں منقسم ہے۔ ہر باب کا عنوان "تمہید اصل" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کتاب میں وہی مسائل ہیں جو اُن کے مکتوبات میں بیان کئے گئے ہیں۔ میرے ایک قلمی نسخے کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ اصل کتاب عین‌القضات کی عربی میں ہے، اُس کی ایک شرح فارسی میں حضرت بندہ نواز گیسودراز نے لکھی ہے۔ سید میراں حیدرآبادی نے اپنی شرح دکھنی زبان میں لکھی ہے۔ یہ صحیح نہیں، اصل کتاب فارسی میں ہے۔ چونکہ حضرت بندہ نواز کی شرح میری نظر سے نہیں گزری اس لئے وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سید میراں صاحب کی شرح، حضرت بندہ نواز کی شرح کا ترجمہ ہے۔ میرے پاس اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک میں اس کا نام شرح تمہید ہمدانی ہے اور دوسرے میں جو زیادہ قدیم (بلکہ مصنف کے زمانے کا ہے) شرح شرح تمہید لکھا ہے۔ جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ حضرت بندہ نواز کی شرح تمہید کی شرح یا اس کا ترجمہ ہے، لیکن کتاب کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شرح کا ترجمہ یا کوئی جدید شرح نہیں بلکہ اصل تمہیدات کا دکھنی ترجمہ ہے۔ اصل تمہیدات کی ابتدائی سطریں یہ ہیں —

"سپاس بیحد و ثنائے بیعد مر حضرت آں خدائے را کہ
در مبداء الوہیت او دیدۂ عقل حیراں............"

دکھنی شرح تمہید کا آغاز یوں ہوتا ہے:

''الله بڑا صاحب ہے، اس کوں بہوت سرانا، بہوت نوازنا؛ اس کی خدائی تھی دونو عالم پیدا کرنے میں عقل کی انکھیاں حیران ہیں''—

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اصل تمہیدات کا ترجمہ ہے۔ شرح کا لفظ جو اس کتاب کے ساتھ لکھا ہے، اُسے ترجمے بلکہ بے قید ترجمے کے معنوں میں سمجھنا چاہئے۔ مجھے اصل تمہیدات اور حضرت بندہ نواز کی شرح تمہید کے نسخے دستیاب نہیں ہوے ورنہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہتا۔ یہ جو اصل تمہیدات کی ابتدائی دو تین سطریں اوپر لکھی گئی ہیں وہ ابتھے کی فہرست سے نقل کی گئی ہیں اور وہ اس امر کے وثوق کے لئے کافی ہیں کہ یہ دکھنی کتاب اصل تمہیدات کا ترجمہ ہے —

میرے پاس اس کتاب کے دو نسخے ہیں - سب سے قدیم نسخے میں سنہ کتابت سنہ ۱۰۱۲ھ لکھا ہے جو یقیناً مؤلف کے زمانے کا لکھا ہوا ہے، کیونکہ کاتب اپنے آپ کو ''خادم درگاہ فالک بارگاہ'' لکھتا ہے۔ دوسرے نسخے کی کتابت سنہ ۱۰۶۷ھ کی ہے۔ سنہ ۱۰۱۲ھ کی کتابت سے یہ ظاہر ہے کہ اس وقت یہ اردو نثر کی سب سے قدیم کتاب ہے۔ اب ہم مختلف مقامات سے اس کی عبارت کے چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ اس وقت کی زبان کا صحیح اندازہ ہوسکے —

ابتدا کی چند سطریں ہم اوپر لکھ چکے ہیں، آخر کی سطریں یہ ہیں —

''خواب میں پیغمبر صلی‌الله علیه و سلم قاضی عین القضات کوں کہے کہ تمیں کئے سو کتاب منجے دکھلاؤ۔ تو کتاب دیکھ کر بہوت خوش ہوے ہور کہے کیا خوب بیان میرے نور کا ہور خدا کے نور کا کئے - ہور اے کہنا بھی میراچہ ہے ہور ظاہر شریعت کا کہنا بھی میراچہ ہے۔ اے یکسیں* ایک ملے ہیں - تمیں جوں

---

* باہم

پانا ہے یوں پاے۔ وے ہر کسی کوں اے نکو کہو' جسے
اس کی قدر معلوم ہوگی اسے کہو' ہور بھی کرئی طلب
رکھے گا تو اسے بھی کہو۔ وے اس جنس سوں تعلیم دیو
جوں دوده پیتا سو نہنواد● کوں ہیرا+ رتی کھانے
کے لایق کرتے ہیں یوں کرو جوں میں کیا ہوں —

یا بار خدا جیکچھ اس حقیقت کا راز منجے معلوم تھا
سو بولیا ' کیا ہے کہ اس میں مقصود حرب ہے کر' تو
میں ترے یہاں پناہ منگتا ہوں کہ اس میں خطا ہور
خلل ہور سہو منجھتے ہوا ہے سو او منجے بخش قاضی
عین القضات کی دوستی' ہور بھی کوئی تیری بات
میں اے ہیں' تیرے خاصاں انو کی دوستی' اے سلامتی
میں منگتا ہوں"—

اگرچہ اس قدر عبارت زبان کا اندازہ سمجھنے کے لئے کافی ہے تاہم مزید صراحت کی غرض سے در ایک مقام سے چند سطریں اور نقل کی جاتی ہیں:

"اے عزیزاں اے بات نہیں سنیاں' بادشاہاں گھوڑا
مستعد کئے باج نہیں سوار ہوتے؛ ہور گھوڑے میں
کچھ کھوڑ‡ اچھے تو نوی قبول کرتے۔ یعنی پیر کے
عشق میں پختا ہوے باج خدا کے عشق میں نا آسک سی
ہور دیکھ نا سکسی اگر عشق خالق نداری بارے عشق
مخلوقے مہیا کن۔ اس کا معنا خدا کی پچھانت کا
بل نہیں تو اول اپنی پچھانت کر۔ سو اے بات یوں
ہے کہ آفتاب کا ذات نوازنہارا ہے ہور اُس کا اجالا

● بچہ + گوشت ‡ نقص

جالنہارا • ہے - یعنی دوست سو نوازنہارا ہور خوبیاں دینہارا، ولے اُس کا محبت اُسے دگداتا† ہے یعنی معشوق کا محبت عاشق کو گالتا‡ ہے اس کے فراق میں۔ اے مقام ایسا ہے جو عاشق معشوق باج جی نہ سکے - باج دیکھے معشوق کا صورت عاشق کیاں انکھیاں کوں جالتا ‖ ہے ہور اپنا رنگ کرتا ہے''—

''افسوس سب خلق قرآن کا ظاہر معنا سمجھے ہور تسلی ہوے - اے سب قرآن کا چھوڑ راچد§ دیکے ولے مغز نہیں چاکھے - نبی کہے قرآن کندوری $ ہے خدا کی زمیں میں - نبی علیہ السلام تھی سن اِس جماعت کوں کیا مہنا دئیے سو خدا کہیا - قولہ تعالیٰ ''یا رب ان اتخذوا ھذاالقرآن مہجورا'' اس کا معنا، یا بار خدا تحقیق اے جماعت قرآن پھوڑنا ¶ سنگتے ہیں''—

• جلانے والا † ڈگمگاتا ‡ گلاتا ہے ‖ جلاتا ہے § چھلکا $ دسترخوان ¶ پڑھنا



هندوستانی مصنفین
اور
اُن کی تصانیف

(بقیہ حصہ)

از

گارساں دتاسی

(وہ مصنفین جن کا ذکر اصل تذکروں میں ہے)

ایسے شعرا کی تعداد جن کا ذکر تذکروں یا دوسری کتابوں میں آیا ہے، جن تک میری دسترس، بلا واسطہ یا بالواسطہ ہوسکی، تقریباً تین ہزار ہے، جن میں سے سات سو کا تذکرہ میں اپنی کتاب ' ہندوستانی ادب کی تاریخ میں کرچکا ہوں۔ لیکن یہ خیال نہ کرنا چاہئیے کہ یہ تمام مصنفین درحقیقت شاعر تھے۔ ان کا شمار اس ضمن میں اس لئے کیا گیا ہے کہ تمام ہندوستانی مصنفین خواہ ان کی تالیفات ریاضیات، طبعیات، قانون یا مذہب پر کیوں نہوں، شعر ضرور کہتے تھے اور اس لئے شاعر کہلاتے تھے۔ علاوہ اس کے شاعر کا لفظ مبہم سا ہے جس سے مصنف کے معنے بھی نکلتے ہیں چنانچہ یورپ میں بھی بعض اوقات عامیانہ طور پر یہ لفظ انھیں معنوں میں آتا ہے—

اس بنا پر شاعر سے مراد مصنف ہوگا۔ اگرچہ اصل تذکرے ایک قسم کے انتخابات ہوتے ہیں جس میں شعرا کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان میں

(گو شاذ و نادر هی کیوں نہو) مصنفین اور مختلف قسم کے نثر نگاروں کے متعلق بھی بعض باتیں آجاتی ھیں —

یہ سچ ھے کہ تمام مشرقی اور خصوصاً ھندوستان کی ادبیات میں شاعری غالب ھے - یہاں میرا مطلب صرف نظم سے نہیں ھے جو لفظوں کا منتظم مجموعہ ہوتا ھے، میرا مطلب اُن خیالات سے بھی ھے جو موزوں طور پر ظاھر کئے جاتے ھیں اور جو تمدن کی اصل ھیں اور جن سے تمدن کی حقیقت تاریخ کی نسبت زیادہ بہتر سمجھہ میں آتی ھے - یہ سچ ھے کہ ان شاعروں میں بہت سے ایسے ھیں جن پر ھوریس کے یہ اشعار صادق آتے ھیں —

"جو بری نظمیں لکھتے ھیں، لوگ اُن پر ھنستے ھیں، لیکن تاھم انھیں شعر کہنے میں لطف آتا ھے، اور اپنے متعلق وہ بڑی اچھی راے رکھتے ھیں: اور گو آپ کچھہ نہ کہیں، مگر وہ بڑے مزے سے آپ ھی آپ اپنی چیزوں کی تعریف کرتے ھیں" —

علاوہ اس کے ھندوستانی کی نثر کی کتابیں بھی ایک حد تک شاعری سے تعلق رکھتی ھیں، کیونکہ جیسا کہ مشرق کی دوسری اسلامی زبانوں میں ھے، نثر کی تین قسمیں ھیں - ان میں سے صرف ایک قسم ایسی ھے جس کا مفہوم نثر ھے - پہلی قسم مرجز کہلاتی ھے جس میں وزن تو ھوتا مگر قافیہ نہیں ھوتا - دوسری مسجع، جس میں قافیہ ھوتا ھے مگر وزن نہیں ھوتا اور تیسری عاری ھے، جس میں نہ قافیہ ھوتا ھے نہ وزن —

بہت سے ھندوستانی شاعروں نے فارسی میں بھی نظمیں لکھی ھیں جیسا کہ پہلے زمانے میں ھم (فرانسیسی) لاطینی اور فرانسیسی دونوں میں شعر کہتے تھے؛ اور روما میں یونانی اور لاطینی دونوں کے شاعر ھوتے تھے - جو ان دو قدیم زبانوں میں شعر کہتے تھے وہ (Utriusque linguæ Scriptore) یعنی "دونوں زبانوں کے

مصنف" کہلاتے تھے - اسی طرح هندوستان میں ایک اور رسم پڑگئی ھے جو اس کا ثبوت ھے - یعنے جو شاعر دونوں زبانوں میں شعر کہنے کی قابلیت رکھتے ھیں' اُن کے دو تخلص ہوتے ھیں : فارسی میں ایک اور اردو میں دوسرا - مثلاً وجیہالدین کے دو تخلص ھیں' ایک وجیہ اور دوسرا برنی؛ محمد خاں کے والہ اور ثاقب—

اب هم ان مصنفین کی جو تعداد میں کثیر ھیں تقسیم کرنا چاھتے ھیں- سب سے پہلا اور قدرتی امتیاز هندو مسلمان کا ھے' مگر اس کے ساتھہ ھی یہ بھی ھے کہ بہت ھی کم مسلمانوں نے هندی میں لکھا ھے' حالانکہ بیشمار هندو ایسے ھیں جن کی تصانیف اردو نیز دکھنی میں ھیں- اور پہلے تو وہ (جیسا کہ سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثارالصنادید میں لکھا ھے اور جس کا اقتباس میں دے چکا ھوں) فارسی میں بھی لکھتے تھے- تین هزار هندوستانی مصنف جن کا میں نے ذکر کیا ھے' ان میں سے دو هزار دو سو سے زائد مسلمان ھیں اور آٹھہ سو کے قریب هندو' جن میں سے صرف تقریباً دو سو پچاس نے هندی میں بھی شعر کہے ھیں- حقیقت یہ ھے کہ اس تقسیم کے رو سے مصنفین کی صحیح تعداد کا معلوم ھونا بہت مشکل ھے' کیونکہ هندی شاعروں کے تذکرے دستیاب نہیں ھوتے اور اس وجہ سے ان کی ایک بہت بڑی تعداد نامعلوم ھے - اردو مصنفین کی یہ حالت نہیں' اصل تذکروں میں ان کا ذکر آجاتا ھے ورنہ کم سے کم نام ھی لکھہ دیا جاتا ھے —

هندی میں لکھنے والے زیادہ تر پنجاب' کشمیر' راجپوتانہ اور ممالک مغربی و شمالی کی قدیم سر زمین (یہ نام کلکتہ سے جو انگریزی حکومت کا دارالحکومت ھے' عطا ھوا ھے) ' دهلی' آگرہ' برج' بنارس کے رهنے والے ھیں—

ٹھیٹ دکنی میں لکھنے والے صرف دو سو ھیں؛ اس طرح گویا بہت بڑی تعداد شعرا کی اصل اردو زبان میں ھے جو نہایت شستہ هندوستانی خیال کی جاتی ھے —

اگر هم ان شعرا کے وطنوں کو دیکھیں تو معلوم ھوگا کہ ان شہروں میں

مسلمانوں کی دونوں بولیاں نہ صرف استعمال ہوتی ہیں بلکہ ان کی تعلیم و ترقی کی بھی کوشش کی جاتی ہے - دکن کے شہر یہ ہیں: سورت، بمبئی، مدراس، حیدرآباد، سری رنگا پٹم، گولکنڈہ؛ اردو کے مرکز یہ شہر ہیں: دهلی، آگرہ، لاهور، میرٹھ، لکھنؤ، بنارس، کانپور، مرزا پور، فیض آباد، الہ آباد اور کلکتہ جہاں هندوستانی مثل صوبے کی بولی کے بولی جاتی ہے —

امن، جو پہلا هندوستانی نثرنگار خیال کیا جاتا ہے، کلکتے میں بیٹھ کر اپنی باغ و بہار میں لکھتا ہے —

سو اُردو کی کر زباں
کیا میں نے بنگالا هندوستاں

هندو مسلمانوں کو محض ناموں سے پہچان لینا ایک آسان بات ہے، لیکن ان ناموں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں- ایک دوسرے مضمون میں میں نے مسلمانوں کے ناموں اور القاب سے بحث کی ہے - یہاں میں صرف اتنا لکھنا چاہتا ہوں کہ هندوستان کے مسلمان شعرا کے ناموں کی چھہ صورتیں ہیں، جن میں ان کے نام اور لقب وغیرہ شریک ہیں، بعض ان میں سے دو دو تین تین ایک ساتھہ ہوتے ہیں، مثلاً علم اور لقب، جیسے غلام اکبر، عماد علی؛ کنیت، (جس سے نسل یا جدی رشتہ ظاهر ہوتا ہے) جیسے ابو طالب، ابن هشام؛ نسبت، جیسے لاهوری، قنوجی؛ خطاب، جیسے خان، مرزا وغیرہ اور تخلص جو معمولی اسم یا عربی فارسی صفت ہوتا ہے، مگر هندی نہیں ہوتا —

جیسے مسلمانوں کے ناموں کے ساتھہ مسلمان اولیا اور پیغمبروں کے نام ہوتے ہیں- اسی طرح هندؤں کے ناموں کے ساتھہ اُن کے دیوتاؤں کے نام آتے ہیں -مثلاً مسلمانوں کے نام یہ ہوتے ہیں، محمد، علی، ابراهیم، حسن، حسین وغیرہ اور هندؤں کے، هر، نراین، رام، لکشمن، گوپی ناتھہ، گوکل ناتھہ، کاشی ناتھہ● —

● یہ آخری تین نام سری کرشن کے ہیں —

جس طرح مسلمانوں کے معزز نام عبدالعلی ، غلام‌محمد ، علی مردان وغیرہ ہیں ، اسی طرح ہندؤں کے ہاں شیوداس ، کرشن داس ، مہوداس ، سور داس وغیرہ ہوتے ہیں —

ہندو نہ صرف اپنے دیوتاؤں ہی کے بندے ہوتے ہیں بلکہ اپنے دریاؤں ، پودوں اور مقدس شہروں کے بھی - مثلاً گنگاداس ، تلسی‌داس ، اگراداس ، کاسی‌داس متھراداس ، دوارکا داس —

مسلمانوں میں محبوب علی ، محبوب حسین وغیرہ ہیں تو ہندؤں میں شری‌لال ، ہر بنسی لال وغیرہ —

اسی طرح مسلمانوں میں عطاءاللہ ، علی‌بخش ہیں تو ہندؤں میں بھگوان‌دت ، رام پرشاد ، شیو پرشاد اور کالی پرشاد - بعض اوقات ہندؤں کے نام مخلوط ہوتے ہیں یعنے ہندی فارسی سے ملے جلے ، جیسے گنگا بخش وغیرہ —

برھمنوں‌کے ناموں کے ساتھہ بطور اعزاز کے چوبے ، تواری ، دوبے ، پانڈےکے الفاظ استعمال ہوتے ہیں ؛ چھتریوں ، راجپوتوں اور سکھوں کے ناموں کے ساتھہ ٹھاکر ، راے اور سنگھ ؛ ویشوں کے ساتھہ ساہ یا سیٹھہ : اہل علم کے ناموں کے ساتھہ پنڈت اور سین ؛ طبیبوں کے ساتھہ مسر (مصر)* —

ہندو فقیر گرو ، بھگت ، گوسا ئیں یاسائیں کہلاتے ہیں اور سکھہ‌فقیر‌بھای + —

ہندؤ ں کی تقلید میں ہندی مسلمانوں کی بھی چار ذاتیں ہوگئی ہیں ؛ سید ، شیخ ، مغل اور پٹھان - سید آنحضرت محمد کی اولاد ہیں ، شیخ عربی‌النسل ہیں ، لیکن یہ لفظ نومسلموں کے ناموں کے ساتھہ بھی استعمال ہوتا ہے ، مغل ایرانی نسل کے لوگ ہیں اور پٹھان افغان ہیں —

سید میر کہلاتے ہیں ؛ شیخوں کا کوئی خاص لقب نہیں ؛ مغلوں کے ناموں کے

---

* مسلمان طبیب حکیم کہلاتے ہیں —

+ ہندوستانی کے شعرا میں بھائی گورداس اور بھائی نند لال‌کے نام آتے ہیں —

ساتھہ شروع میں مرزا * یا آخر میں بیگ نیز آغا اور خواجہ کے لقب بھی آتے ھیں - پٹھان خان کہلاتے ھیں - مسلمان فقرا کے ساتھہ شاہ ' صوفی ' یا پیر کے القاب استعمال ھوتے ھیں - اُن کے علما ملا یا مولا کہلاتے ھیں - خواتین کے ساتھہ خانم ' بیگم ' خاتون ' صاحبہ ' صاحب ' بی یا بی بی کے الفاظ استعمال کئے جاتے ھیں —

شری اور دیو ھندؤں کے اعزازی القاب ھیں ' پہلے کے معنے ولی کے اور دوسرے کے معنے خدا کے ھیں ' شری نام کے اول آتا ھے اور دیو آخر میں - یہ القاب شہروں ' پہاڑوں اور دریاؤں وغیرہ کے † ناموں کے ساتھہ بھی آتے ھیں - اگلے وقتوں میں گال (Gaul) بھی شہروں ' پہاڑوں ' جنگلوں وغیرہ کے ساتھہ دیوس یا دیو کا لفظ استعمال کرتے تھے - یہ ھندی رسم تھی جو وھاں پہنچی تھی اور گنگا کے کنارے سے میوز (Meuse) ' مارن اور سین کے ساحلوں پر منتقل ھو گئی تھی - ھمارے زمانے میں روسی اب تک اپنے ملک کو مقدس روس (Holy Russia) کہتے ھیں - ھندوستان کے مسلمان بادشاہ اب تک اپنے ریاستوں کے مشہور یا درباری شعرا کو سیدالشعرا یا ملک‌الشعرا کے اسلامی خطابات یا کبیشر ' برکوی وغیرہ کے ھندو خطابات عطا کرتے ھیں —

جو ھندو اُردو میں شاعری کرتے تھے مسلمانوں کی طرح اُن کے بھی تخلص ھوتے تھے ' اور چونکہ یہ تخلص عموماً فارسی ھوتے ھیں اس لئے کہ فارسی ھندوستان کے مسلمانوں کی علمی زبان ھے ' دونوں مذھب والے ایک سے ھی تخلص کرتے تھے ' اس وجہ سے تخلص دیکھہ کر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شاعر مسلمان ھے یا ھندو —

---

* ایران میں یہ لفظ امرا کے بیٹوں یا شہزادوں کے نام کے آخر میں آتا ھے نام کے شروع میں ھو تو عام آدمی یا منشی اور پڑھے لکھے شخص سے مراد ھوتی ھے —

† ایسی صورت میں مسلمان حضرت کا لفظ استعمال کرتے ھیں - جیسے حضرت دھلی ' حضرت آگرہ —

ان مصنفین میں کچھہ ایسے هندو بھی هیں جو مسلمان هوگئے هیں، لیکن کوئی ایسا مسلمان نہیں جس نے هندو مذهب اختیار کرلیا هو، البتہ سکھوں کے فرقے میں (جو انتہائی اصلاح کا فرقہ تھا) بعض مسلمان شریک هو گئے تھے، سکھہ ایسے مسلمانوں کو مذهبی کہتے هیں - حقیقت یہ هے کہ اسلام سے هندو مذهب کی طرف جانا ایک قسم کا تنزل هے، مگر هندو کا مسلمان هو جانا ایک طرح کی ترقی هے، کیونکہ توحید اور عاقبت پر یقین رکھنا اسلام کے اصل عقائد میں سے هے علاوہ اس کے ابھی تک هندوستان کے مسلمانوں میں عقلیت نے گھر نہیں کیا هے، وہ اب بھی اپنے مذهب میں ویسے هی پرجوش هیں اور اگرچہ هندو مذهب کا رنگ اُن میں آگیا هے تو بھی وہ روزانہ هندؤں کو مسلمان بناتے رهتے هیں - یہی وجہ هے کہ هم دیکھتے هیں کہ هندو شاعر جو مسلمان هوگئے هیں، ترک دنیا کرکے اپنی نظموں میں توحید کے گیت گاتے هیں - ان میں سے چند کے نام یہ هیں مضطر (لالہ کنورسین) جس نے ایک بڑی اچھی نظم میں "شہادت حسین" کا واقعہ لکھا هے - ایسے دس بارہ اور شاعر هیں جن کا ذکر تذکروں میں آیا هے—

هندوستانی کے مصنفیں میں بعض ایسے هندو بھی پائے جاتے هیں جو عیسائی هو گئے هیں، نیز بعض مسلمان بھی هیں (بہت شاذ و نادر) جنھوں نے عیسائی مذهب اختیار کرلیا هے - ایک اُردو کے شاعر کی نسبت جس کا تخلص شوکت هے، شیفتہ اپنے تذکرے میں لکھتے هیں "کہتے هیں کہ شوکت بنارس میں ایک یوروپین کا بہت بڑا دوست تھا اور اُسی کی ترغیب سے اس نے اسلام ترک کرکے عیسائی مذهب اختیار کرلیا (خدا همیں ایسی آفت سے پناہ میں رکھے) چنانچہ اس نے اپنا نام بھی مونس علی سے بدل کر مونس مسیح رکھہ لیا هے—

ایسی حالت میں نام کی تبدیلی اکثر و بیشتر حالت میں ضروری هوتی هے - هندوستانی زبان کے ایک اور شاعر نے جو عیسائی هو گیا تھا اپنا نام فیض محمد سے فیض مسیح بدل دیا —

مگر ھندؤں کی حالت دوسری ھے - ایسا معلوم ھوتا ھے کہ ابتدا میں جو ھندو عیسائی ھوے اُن کی تقلید میں بعد کے ھندؤں نے با وجود مذھب بدلنے کے اپنے اصلی نام وھی رھنے دئے' حالانکہ اُن ناموں سے غیر مذھب کی بو آتی ھے - مثلاً ھمارے ھم عصر مصنفوں میں ایک صاحب بابو شری داس ھیں' جنھوں نے مسلمان ھونے کے بعد ایک کتاب خدا کی صفات پر لکھی ھے جس کا نام صفات رب العالمین ھے —

اصل تذکروں میں ھندوستانی زبان کے بعض ایسے شاعروں کا بھی ذکر آتا ھے جو ھیں تو یہودی نسل کے' مگر مسلمان ھو گئے ھیں - مثلاً میرٹھ کے جہاں (علی)' جن کا ذکر پہلے ھو چکا ھے' ساٹھ سال ھوے جب وہ حیدرآباد میں تھے؛ دھلی کے جوان (محب اللہ)' ڈاکٹر پیشہ اور شاعری میں عشق کے شاگرد تھے' اور مشتاق جو ایک تذکرے کے مؤلف ھیں —

اکثر پارسی عموماً گجراتی میں اور کبھی کبھی فارسی میں لکھتے ھیں' مگر بعض ایسے بھی ھیں جو ھندوستانی میں لکھتے تھے - چنانچہ بمبئی کے بومن جی دوساجی نے شکنتلا ناٹک ھندوستانی میں لکھا ھے —

انھیں تذکروں سے یہ بھی معلوم ھوتا ھے کہ ھندوستانی شاعروں میں یورپین عیسائی یا کم سے کم یورپین نسل کے لوگ بھی ھیں - مثلاً' یورپین سمرو اور مشہور بیگم سمرو ملکۂ سردھنا المخاطب بہ زینت النسا کا بیٹا صاحب' جو اس کا تخلص ھے اور خطاب ظفریاب ھے - یہ دلسوز کا شاگرد تھا - اس کی نظمیں موجود ھیں اور اچھی خاصی ھیں - دھلی میں اُس کے ھاں مشاعرے ھوتے تھے جن میں وھاں کے مشہور مشہور شاعر شریک ھوتے تھے - منجملہ اُن کے ایک شاعر سرور بھی تھا جس نے اُن مشاعروں کا ذکر لکھا ھے - کہتے ھیں کہ خوش خطی میں بھی اُسے کمال حاصل تھا (اس فن کی مشرق میں بڑی قدر ھوتی ھے) نیز موسیقی اور نقاشی میں بھی مہارت رکھتا تھا - وہ عالم نوجوانی میں سنہ ۱۸۲۷ع

میں انتقال کرگیا —

اس کا ایک دوست تھا جس کا عیسائی نام بال تھازر تھا اور تخلص اسیر کرتا تھا اور ہندوستانی شعر خوب کہتا تھا - سرور کا بیان ہے کہ وہ بھی فرنگی اور نصرانی تھا اور اس کے جو شعر اُس نے نمونے کے طور پر دئے ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں جدت پائی جاتی تھی —

اُسی زمانے میں سردھنے کے چھوٹے سے دربار میں ایک تیسرا یورپین ہندوستانی شاعر بھی تھا جو فرانسیسی تھا اور لوگ اُسے فرانسو کہتے تھے - کہتے ہیں کہ یہ سردھنے کی بیگم کا ایک عہدہ دار آگست یا آگستن کا بیٹا تھا - اس کی نظمیں بہت اچھی ہیں اور وہ بھی صاحب کی طرح دہلی کے مشہور شاعر دلسوز کا شاگرد تھا - -

ہمارے زمانے میں بھی ایک انگریز عیسائی کا نام لیا جاتا ہے جو ہندوستانی زبان کا شاعر تھا اور جس کا نام تذکرہ نویس کریم الدین) نے جارج بنس شور دیا ہے - غالباً یہ نام جارج برنز شور ہے - شور اس کا خاندانی نام معلوم ہوتا ہے اور یہی اس نے اپنا تخلص رکھا ہے - -

دو اور انگریز ہندوستانی شاعروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو دہلی کے رہنے والے تھے - ایک اسفن ہے ' یہ نام ستیفن یا استیونس کا بگاڑ ہے - یہ سنہ ۱۸۰۰ع تک زندہ تھا ؛ دوسرا جان تومس یعنے جان تامس ہے جسے خاں صاحب بھی کہتے تھے - یہ دونوں شاعر غالباً دوغلے تھے —

اسی قسم کے ایک ہندوستانی شاعر سے میں بھی واقف تھا ' یعنے ڈائس سومبر (سمرو) جو بیگم سمرو کا لے پالک بیٹا تھا ' اس شخص کا ذکر انگریزی اخباروں میں اکثر آیا ہے ' کیونکہ وہ اپنے حقوق کے لئے برابر لڑتا رہا - ڈائس سمرو ہندوستانی شعر بلا تکلف کہتا تھا اور پڑھتا خوب تھا —

ایک اور ہندوستانی شاعر کا بھی ذکر آیا ہے جو حبشی تھا اور اس کا قلمی

سیدی* حمید (حامد؟) بسمل تھا - یہ نام اُن ممتاز حبشیوں کی فہرست میں اضافہ کرنا چاهئے جس کی فہرست بشپ گری گر نے ''ادبیات حبشیاں'' Literature des Negres میں دی ہے۔ اس صدی (انیسویں) کے ابتدا میں ایک حبشی شاعر پٹنے میں رهتا تھا؛ معلوم هوتا هے کہ وہ غلام تھا —

هندی کے تقریباً تمام مصنفین هندؤں کے اصلاحی فرقوں یعنے جینیوں، کبیر پنتھیوں، سکھوں، ویشنویوں سے تعلق رکھتے هیں؛ ان فرقوں کے بزرگ، مشہور سے مشہور اور نیز غیر معروف سب هندی کے شاعر تھے؛ مثلاً راماننند، ولبھا، دریاداس، جے دیو (سنسکرت کی مشہور نظم گیتا گویند کا مصنف) دادو، بیر بھان، بابا لال، رام چرن، شیو نراین وغیرہ —

شیوائیوں میں بہت کم ایسے هیں جنھوں نے هندی میں کچھہ لکھا هے۔ ان میں سے اکثر قدیم زبان اور قدیم مذهب کے تابع رهے —

اب رهے مسلمان؛ مذهبی حیثیت سے هندوستان میں اُن کے دو فرقے هیں، سنی اور شیعہ۔ سنیوں کو اکثر رومن کیتھلک عیسائیوں سے اور شیعوں کو پراٹسٹنٹوں سے تشبیہہ دی جاتی هے، اس لئے کہ شیعہ سنت یعنے ان احادیث کو جو آنحضرت (صلعم) کے عمل کے متعلق هیں نہیں مانتے (حالانکہ ان احادیث کو جو آنحضرت کے اقوال هیں مانتے هیں) - مگر چارڈن جو پراٹسٹنٹ تھا، اس کے بالکل خلاف کہتا هے، اس کی وجہ شاید وہ رسوم هیں جو شیعوں کے هاں پائی جاتی هیں —

ان کے علاوہ ایک اور فرقہ جو بانیء فرقہ کے نام پر سید احمدی کہلاتے هیں۔ یہ هندوستان کے وهابی هیں اور وهابی هی بھی کہلاتے هیں۔ بہت سے هندوستانی زبان کے مصنفین اسی فرقے کے هیں؛ مثلاً حاجی عبداللہ، حاجی اسمعیل وغیرہ جن کا ذکر

---

* یہ لفظ اصل میں سیّدی هے اور هندوستانی میں حبشی نسل کے لوگوں کے نام کے ساتھہ آتا هے —

۱ دیکھو اسپرنگر، بیان عشقی (فہرست جلد ۱، صفحہ ۲۱۵)

میں بعد میں کروں گا ہندوستانی زبان کے مصنفوں میں بہت سے مسلمان صوفی بھی پائے جاتے ہیں، جن میں سے اکثر اولیا اللہ سمجھے جاتے ہیں؛ فقیر شعرا بھی ہیں؛ نہ صرف فقرا بلکہ حقیقی گداگر جو بازار میں اپنی نظمیں بیچتے پھرتے ہیں —

دہلی کے مرزا مکرم اور میاں کمترین معروف بہ پیر خاں* ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جو اردوے معلی† میں اپنی غزلوں کے پرچے دو دو پیسے کو بیچتے تھے۔ ان گداگر شاعروں کے ساتھ ساتھ پیشہ ور شاعر بھی ہیں یعنی وہ صاحب علم جن کا کام صرف شاعری ہے اور اسی میں لگے رہتے ہیں —

حالت یہ ہے کہ ہر طبقے میں بلکہ ادنی سے ادنی فرقوں میں بھی شاعر موجود ہیں، پھر بہت سے بادشاہ شاعر بھی ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے "کلام الملوک ملوک الکلام"‡ علاوہ گولکنڈہ کے تین بادشاہوں کے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، اور بھی کئی بادشاہ شاعر ہوے ہیں: بیجاپور کا بادشاہ ابراہیم عادل شاہ، میسور کا بدنصیب بادشاہ تیپو؛ مغل بادشاہوں میں شاہ عالم ثانی اور بہادر شاہ ثانی؛ اودہ کے نوابوں اور بادشاہوں میں آصف الدولہ، غازی الدین حیدر اور واجد علی شاہ —

اسی طرح ہم ہندوستانی زبان کے شاعروں میں عورتوں کی شق الگ قائم کرسکتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا ذکر میں نے اپنے ایک الگ مضمون میں کیا ہے§۔ اس مضمون میں جن کا ذکر میں نہیں کرسکا وہ یہ ہیں: شاہزادی خالہ: یہ تخلص انھوں نے اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے نواب عمادالملک (فرخ آباد) کے

---

* ان کا انتقال ۱۱۶۸ھ (۵۵ – ۱۷۵۴ع) میں ہوا۔ اب رہا خاں کا معزز خطاب، تو یہ ہندوستان میں ہر پٹھان اور افغان کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے، ہمارا شاعر پٹھان تھا۔

† اس سے مطلب دہلی کا بڑا بازار ہے (اردوے معلی سے مراد شاہی کیمپ ہے۔ مترجم)

‡ سنہ ۱۸۵۱ع میں ہندوستانی عدالتوں کے افتتاح پر —

§ "ہندوستان کی شاعر عورتیں"۔ اورینٹل ریویو، مئی سنہ ۱۸۵۴ع

محل میں اسی نام سے پکاری جاتی تھیں، لیکن ان کا خطاب بدرالنساء تھا* —

یہاں میں امۃالفاطمہ بیگم المتخلص بہ صاحب، معروف بہ جی صاحب، یا صاحب جی کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اردو شاعروں میں خاصکر اپنی غزلوں کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ یہ ایک ممتاز شاعر منعم کی شاگرد تھیں منعم شیفتہ (تذکرہ نویس) نیز اور بہت سے شاعروں کے اُستاد تھے۔ وہ باری باری سے لکھنؤ اور دلی میں رہتی تھیں۔ لکھنؤ میں معزالدہ خاں نے ان پر ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کا نام "قول غمیں" ہے —

ایک اور عورت شاعر، جو باوجود ہندو نام کے غالباً مسلمان ہے، چھپا ہے، یہ نواب حسام الدولہ کے حرم میں تھی۔ قاسم نے اسے اردو شاعروں میں شمار کیا ہے —

طوائفوں میں ایک فرح یا فرح بخش ہے جو ہندوستانی میں شعر کہتی تھی۔ شیفتہ نے ایک اور طوائف ضیا کا بھی حال لکھا ہے عشقی نے ایک تیسری کنچن نامی کا بھی ذکر کیا ہے —

ایک چوتھی طوائف ہندوستانی شاعر ہونے کے لحاظ سے ان سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ جان (میر یار علی جان صاحب) کہلاتی تھی†۔ وہ فرخ آباد کی رہنے والی تھی، مگر زیادہ تر لکھنو میں رہتی تھی، جہاں اس کی شاعری کی بڑی شہرت ہوئی۔ عنفوان شباب ہی میں اُس نے موسیقی اور ادب کا شوق پیدا کیا اور فارسی بھی پڑھی۔ لیکن ہندوستانی شاعری کی وہ دلدادہ تھی۔ کریم (تذکرۂ نویس) اُسے اپنا اُستاد سمجھتا ہے اور شعر میں اس سے مشورہ کرتا تھا۔ اس کا کلام لکھنو میں سنہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ ع) میں شایع ہوا جو زنانہ بولی میں ہے؛ اس وقت اس کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔ اس کے کلام کی بہت شہرت ہوئی —

---

* دیکھو عشقی، جس کا حوالہ سپرنگر نے دیا ہے —

† مصنف کو نام اور کلام سے دھوکا ہوا ہے۔ یہ عورت نہیں مرد ہیں اور اردو کے مشہور شاعر ہیں جو عورتوں کی زبان میں شعر کہتے تھے (مترجم)

یہاں ایک ہندو شاعرہ کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے - اس کا نام رام جی تھا اور نارنول کی رہنے والی تھی ' اس کے غیر معمولی حسن اور غیر معمولی ذہانت کی تذکروں میں بے حد تعریف ہے - یہ سنہ ۱۸۴۸ع تک زندہ تھی - تصویر اور ثریا بھی شاعر عورتیں ہیں جن کا حال ہمیں باطن اور کریم کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے - ایک عورت یاس تخلص ہے ' نام میاں بانو اور رہنے والی حیدرآباد کی تھی - فیض دہلوی کی شاگرد ہے اور پند نامہ نامۂ عطار کی مترجم ہے —

اس مضمون کی ایک اور اہم تقسیم سنہ واری ہو سکتی ہے' لیکن بعض اوقات یہ بہت مشکل ہوتی ہے - خصوصاً قدیم شعرا کے معاملے میں کیونکہ ان کے حالات نہیں ملتے - اس تقسیم کے رو سے ہمیں سب سے پہلے ہندو شاعر • ملتے ہیں اور گیارھویں صدی سے† مسلمان شاعر مسعود سعد ' جس پر نے تھینیل بلانڈ نے ایشیاٹک جنرل سنہ ۱۸۵۳ ع میں دلچسپ مضمون لکھا ہے - بارھویں صدی میں چند ہے جو راجپوتوں کا ہومر کہلاتا ہے : اور پیپا' جس کی نظمیں سکھوں کے ادی‌گرنتھ میں ہیں - تیرھویں صدی ‡ میں سعدی ہے جسے (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) اُردو زبان میں شعر کہنے سے عار نہ تھی ' اور چودھویں صدی میں خسرو دہلوی اور نوری حیدرآبادی ہے —

ان کے علاوہ ہندوستانی کے اور بہت سے مصنف ہیں جو انہیں صدیوں میں یا اس سے قبل ہوے ہیں - سنٹرل انڈیا کے کتب خانوں میں بلاشبہ بعض نامعلوم

• اکثر ہندی کے شاعروں کا صحیح سنہ و تاریخ ملنی بہت مشکل ہے - میں ایک سنسکرت کے شاعر امرسنگا کا نام لے سکتا ہوں جس نے ہندی میں بھی شعر کہے ہیں ' یہ نویں صدی کا شخص ہے - دیکھو مری تاریخ جلد دوم ' صفحہ ۴۳ —

† سنہ ۱۰۸۰ ھ کے قریب —

‡ سنہ ۱۲۵۰ ھ کے قریب - یہاں بھی مصنف کو دھوکا ہوا ہے - یہ سعدی شیرازی نہیں تھے (مترجم)—

قدیم هندی تصانیف محفوظ هیں - بہر حال ایسے بہت سے هندی گیت موجود هیں جو لوگوں میں عام طور سے مقبول هیں اور جن سے هندوستان کی زبان کا ارتقا قدیم ترین زمانوں سے معلوم هوتا هے --

پندرهویں صدی میں جدید فرقوں کے پہلے بانی نظر آتے هیں جنھوں نے مذهبی اور اخلاقی اغراض کے لئے هندی میں بھجن اور شعر لکھنے شروع کئے - ان میں ایک کبیر هیں جو سب سے زیادہ قابل ذکر هیں کیونکہ انھوں نے سنسکرت کے استعمال کے حلاف سب سے زیادہ کوشش کی ؛ اُن کے چیلوں میں سرت گوپال داس سکھہ ندهان* کا مؤلف اور دهرمداس مؤلف امرمل† ؛ نانک اور بھگوداس بہت مشہور هیں اور میں اُن کے متعلق دوسری کتابوں میں جو کچھہ لکھہ چکا هوں ‡ اس کا اعادہ کرنا نہیں چاهتا ؛ لالچ بھگوت کا مؤلف هے جس نے یہ کتاب مغربی هندوستانی میں لکھی هے —

سولهویں صدی کے هندؤں میں ایک سکھہ دیو هیں جس کے متعلق پریاداس (تذکرہ نویس ' نے ایک خاص مضمون لکھا هے - نابهاجی ' جس نے نظم میں تذکرہ لکھا هے جو بھگت مالا کا بہت بڑا ماخذ هے - ولبھا اور دادو دونوں ایک ایک فرقےکے بانی اور مشہور شاعر هوے هیں - بہاری جو ست سئی § کا مشہور مصنف هے اور گنگاداس مؤلف صنایع و بدایع وغیرہ —

شمالی هند کے مصنفین میں ابو الفضل ' شہنشاہ اکبر کے وزیر اور بایزید انصاری سردار فرقۂ روشنای یا جلالی هیں - دکن کے مصنفین میں افضل (محمد)

---

* اس کتاب کے حالات کے لئے میری تاریخ کی جلد اول میں میرا مضمون کبیر پر دیکھو —

† دیکھو میری کتاب " هندی زبان کے مبادی " کا دیباچہ صفحہ ۵ —

‡ دیکھو میری تاریخ اور " هندی زبان کے مبادی " کا دیباچہ —

§ ان اشخاص کے حالات کے لئے مذکورہ بالا کتابیں دیکھو —

جس کی نسبت کہاں اپنے تذکرے میں لکھتا ھے "اس کے کلام میں صفائی نہیں ھے اس لئے کہ اُس کے زمانے میں ریختے کی شاعری زیادہ مقبول نہیں ھوئی تھی اور وہ دکنی میں لکھنے پر مجبور تھا"- محمد قلی قطب شاہ، بادشاہ گولکنڈہ جس کا عہد حکومت ۱۵۸۲ سے ۱۶۱۱ تک رھا اور جس کا جانشین عبداللہ قطب شاہ تھا، ھندوستانی ادب کی خاص‌کر بڑی سرپرستی کرتا تھا —

سترھویں صدی میں (جب کہ تھیٹ اُردو شاعری کا ذوق صحیح اصول و قواعد کے ساتھہ خاص‌کر دکن میں پیدا ھوا) ھندو شعرا میں سے میں صرف تین ھی کا نام لوں گا - یعنے سورداس، تلسی داس اور کیشوا داس، جو اس زمانے کے اھل ھند میں بہت مقبول شاعر ھیں اور جن کی نسبت یہ مشہور قول ھے کہ "سورداس سورج ھے؛ تلسی‌داس چاند؛ کیشوا داس ستارہ؛ دوسرے شاعر جگنو ھیں جو یہاں وھاں اپنی چمک دکھا جاتے ھیں"—

اُردو شاعروں میں قابل ذکر یہ ھیں: حاتم جن کا ذکر ھو چکا ھے؛ آزاد (فقیراللہ) جو اگرچہ حیدرآبادی تھے مگر دھلی میں جا بسے تھے اور وھیں انھیں قبولیت حاصل ھوئی - جواں (محمد) جو بہت سی مذھبی کتابوں کے مصنف ھیں—

دکن کے شاعر یہ ھیں: ولی جو بابائے ریختہ کہلاتا ھے؛ شاہ گلشن ولی کا اُستاد؛ احمد گجراتی؛ تاناشاہ جس کا ذکر پہلے ھوچکا ھے؛ شاھی بھاگ نگری اور مرزا ابوالقاسم، تاناشاہ کے عہدے‌دار؛ غوری یا ابن نشاطی*، پھول بن کا مصنف؛ غواص یا غواصی، مصنف طوطی نامہ؛ محقق، دکن کا ایک نہایت قدیم شاعر جس نے ایسے ریختے میں شعر کہے ھیں جو ھندوستانی سے ملتا جلتا ھے؛ رسمی†، خاورنامے کا مصنف، اس نظم کی تفصیل میں اپنی کتاب میں دے چکا ھوں؛ عزیز (محمد) وغیرہ —

---

* یہ دونوں ایک ھی شخص کے نام ھیں—

† یہ نام اصل میں رستمی ھے (دیکھو فہرست قلمی کتب، انڈیا آفس) مترجم

اٹھارھویں صدی کے ایسے ہندوستانی شعرا کے ذکر میں زیادہ وقت صرف ہوگا جنھوں نے اپنے ہم عصروں میں نام پایا ہے - ہندي مصنفین میں ہم صرف ان کا ذکر کریں گے: گنپتی، ایک رسالے کا مصنف ہے جس میں ہندؤں کی مختلف فلسفی تعلیمات کا بیان ہے: بیربھان، سادھوؤں کے ایک مشہور فرقے کا بانی اور معروف مذہبی نظموں کا مصنف*: رام چرن، ایک فرقے کا بانی جو اس کے نام سے مشہور ہے اور مذہبی نظموں کا مصنف: شیو نراین، یہ بھی ایک فرقے کا بانی اور ہندی نظم کی گیارہ کتابوں کا مصنف ہوا ہے۔ ان نظموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ابتدا میں بجاے ''شری گنیشیا نما'' کے ''سنتا سرن'' (اولیا کے محافظ) کے الفاظ سے شروع کرتا ہے—

اُردو مصنفین میں صرف چند کا ذکر کروں گا: سودا†، میر اور حسن گذشتہ صدي (اٹھارھویں) کے تین نہایت مشہور شاعر گذرے ہیں؛ جرأت، آرزو، درد، یقین، فغاں، امجد دھلوي، امین الدین بنارسی، عاشق غازی پوری - دکنی شعرا میں ایک حیدرشاہ معروف بہ مرثیہ گو ہے (کیونکہ وہ مرثیئے لکھتا تھا)، علاوہ مرثیوں کے اس کے مخمس بھی یادگار ہیں، اس میں اُس نے ولی سے ترقی کی ہے - ابجدی ایک اور دکنی شاعر ہے جو قابل ذکر ہے؛ اس نے ایک چھوٹی سی منظوم انسائکلوپیڈیا‡ لکھی ہے، جس کا ہر باب مختلف بحر میں ہے اور ہر بحر کا نام باب کے شروع میں بتا دیا ہے۔ سراج اورنگ آبادی نے تقریباً سنہ ۱۷۵۴ع میں وفات پائی—

اُنیسویں صدی کے نہایت ممتاز مصنفین یہ ہیں- ہندی میں: بھگت ور، جس نے جینیوں کے عقائد و تعلیم کو نظم میں لکھا ہے؛ دلھا رام تذکرہ نویس

---

* دیکھو ہندوستانی ادبیات کی تاریخ اور ہندوی مبادی کا دیباچہ —

† سودا ملک الشعراے ریختہ کہلاتا ہے—

‡ تحفۃ الصبیان

اور اس کا جانشین چتر داس رام سنیہیوں میں خاص عظمت رکھتے ہیں—

اُردو میں: صہبائی اور کریم نے مومن دھلوی کا ذکر کیا ہے جو بہت خوشگو اور فصیح شاعر تھا، سنہ ۱۸۵۲ع میں انتقال کیا، اُن کا دیوان "بے نظیر" کہا جاتا ہے؛ نصیر کا انتقال ۱۸۴۲ یا ۱۸۴۳ع میں ہوا اور آتش جس نے سنہ ۱۸۴۷ع میں انتقال کیا، ان دونوں نے دیوان مرتب کئے جو بہت مقبول ہوئے؛ سول چلد جس نے ملخص شاهنامے کا نظم میں ترجمہ کیا ہے؛ ممنون بھی بہت مشہور شاعر ہوا ہے - ان کے علاوہ اور بہت سے ہیں جن کا ذکر میں ابتدا میں کرچکا ہوں—

دکنیوں میں صرف کمال حیدرآبادی اور عبدالحق مدراسی کا ذکر کرونگا —

تذکرہ نویسوں نے جس ڈھنگ سے اپنے شاعروں کا ذکر کیا ہے، اگر ہم اُس کا خیال کریں تو ہم آسانی سے اُن کی تین تقسیمیں کرسکتے ہیں: وہ شاعر جن کا صرف ذکر آیا ہے؛ وہ جن کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے؛ وہ جن کا ذکر زیادہ خصوصیت اور عزت سے کیا گیا ہے - اول صف میں میں اُن کو شریک کروں گا جن کے حالات کی کوئی تفصیل نہیں، بلکہ بعض اوقات صرف نام، وطن اور نمونے کے چند اشعار پر اکتفا کیا گیا ہے - یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صرف چند ہی غزلیں لکھی ہیں اور صاحب دیوان نہیں ہیں یا جن کی متفرق طویل نظمیں ہیں مگر ان نظموں کے نام معلوم نہیں - دوسری صف میں وہ ہیں جو صاحب دیوان یا صاحب کلیات ہیں، جس کی تشریح آگے چل کر کی جائے گی - آخر میں تیسری صف ہے جو نظم و نثر دونوں کے مصنف ہیں؛ اگر ہندی کے مصنف ہیں تو اکثر و بیشتر اُن کی کتابیں سنسکرت نثر میں ہیں اور اگر اُردو یا دکنی کے ہیں تو فارسی عربی نثر میں—

———

——(تصنیفات جن کا ذکر تذکروں میں آیا ہے)——

ہندوستانی میں ادب کی مختلف اصناف کا امتیاز صرف ظاہر سے کیا

جاتا ہے، معنی کی نسبت الفاظ زیادہ اہم خیال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ غزل ایک مختصر نظم ہے جس میں ایک ہی قافیے کے چھہ سے بارہ تک شعر ہوتے ہیں، پہلے دو مصرعوں میں قافیے کا اعادہ ہوتا ہے، لیکن مضمون کی کوئی خاص پابندی یا پروا نہیں کی جاتی، ممکن ہے کہ سنجیدہ ہو یا سخیف، لیکن اکثر ایک ہی ساتھہ عاشقانہ بھی ہوتا ہے اور صوفیانہ بھی۔ غزل پٹرارک اور شیکسپیر کے خاص رنگ کا سانٹ ہے۔ شیکسپیر نے اس مشہور اتالین شاعر کے رنگ میں اپنے سانٹ لکھے ہیں جو بہت لطیف ہیں، لیکن ان کا چرچا بہت کم ہے، اس کے ڈراموں نے ان کو مدھم کردیا ہے۔ قصیدہ بھی بظاہر اسی قسم کی نظم ہوتی ہے، لیکن وہ یا تو مدح میں ہوتی ہے یا ہجو میں یا کسی دوسرے مضمون پر —

مثنوی ایسی نظم ہے جس کا ہر مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کے مضمون پر ہوسکتی ہے۔ مختصر بھی ہوتی ہے اور طویل بھی۔ بعض وقت دو تین ہی صفحے کی ہوتی ہے اور بعض وقت ہزار صفحے سے بھی زیادہ کی۔ ہندوستانی شعرا نے مثنوی میں ہر قسم کے مضمون لکھے ہیں؛ قصہ، فسانہ، اخلاق، مذہب، غرض درشت و نرم، سنجیدہ و سخیف ہر طرح کے مضامین آگئے ہیں —

تین، چار، پانچ چھہ، سات، آٹھہ، دس مصرعوں والی نظمیں مثلث، مربع مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، معشر کہلاتی ہیں؛ یہ شکوہ و شکایت، مرثیہ، خوشی کے گیت، مبارک باد یا کسی دوسری قسم کے مضامین پر مشتمل ہوتی ہیں —

بعض نظم کی ایسی قسمیں بھی ہیں جن کے نام سے مضمون کا تعین ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں اُسے مضمون سے کچھہ تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً ساقی نامہ جو پینے پلانے کی نظم ہونی چاہئے، مگر اکثر اس میں دوسری قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔ مثلاً حیدر (حیدر بخش) کا ساقی نامہ حضرت علی کی منقبت میں ہے —

یہی حال ہندی شاعری کا بھی ہے۔ نظم کے نام اور مضمون میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً پد ہر چیز پر ہوسکتا ہے، اسی طرح پٹا ہولی کے گیتوں میں بھی کام آتا

هے اور شادي بیاہ کے وقت بدھاوے کی نظموں میں بھی —

مسلمانوں کی چھوٹی نظموں میں تصوف کا رنگ ھوتا ھے جس سے فوراً یہ امتیاز ھوجاتا ھے کہ یہ کس کی لکھی ھوئی ھیں- ھندوستانی میں فارسی کی طرح عورتوں کے حسن کو امردوں کی مناسبت اور مشابہت سے بیان کرتے ھیں —

ھندی زبان میں اس کے خلاف عشق کا اظہار عورت کی طرف سے ھوتا ھے- اردو میں بھی کبھی کبھی اس کی تقلید کی جاتی ھے اور اس قسم کی نظم کا نام ریختی (ریختہ کا مؤنث) ھے- انشا اللہ خاں نے اس صدی کی ابتدا میں اس قسم کی نظم کو رواج دیا —

اردو میں بھی شاعری کی وھی اصناف اور بحریں ھیں جو فارسی میں ھیں، البتہ دو تین قسم کی نظمیں ایسی ھیں جو ھندوستانی زبان سے مخصوص ھیں، ان کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا —

شروع شروع میں عربی میں دیوان نظموں کا سادہ مجموعہ ھوتا تھا، جیسے دیوان متنبی، دیوان ابن درید، دیوان امرءالقیس؛ یہ گویا مشہور شعرا کے کلام کا مجموعہ تھا- لیکن اب عربی میں نیز مسلمانوں کی دوسری مشرقی زبانوں مثلاً ھندوستانی، پشتو، فارسی اور ترکی میں غزلوں کے ایسے مجموعے سے مراد ھے جو قافیے کے لحاظ سے بہ ترتیب حروف ابجد مرتب کیا گیا ھے- جب دوسری قسم کی اور نظمیں شامل کرلی جاتی ھیں تو وہ کلیات کہلاتا ھے، یعنی دیوان اور دیوانوں اور اسی شاعر کی بہت سی اور نظموں کا مجموعہ- یہ دونوں لفظ یعنی دیوان اور کلیات ایک ھی شاعر کے کلام کے متعلق استعمال ھوتے ھیں- دھروں کبتوں اور اشلوکوں کے مجموعے کو جو عموماً دیوناگری میں لکھے ھوتے ھیں یہ نام نہیں دیے جاتے —

سوائے بعض بعض حالتوں کے دیوانوں اور کلیاتوں کے خاص نام نہیں ھوتے-

مثلاً دیوان اختر (واجد علی شاہ) بادشاہ اودہ کے دیوان کا نام فیض بلیان* اور حوش (احمد حسن) کے دیوان کا نام گلدستۂ سخن ھے؛ رشک کے دو دیوانوں کے نام نظم مبارک اور نظم گوھریں ھیں' اور کلیات طپش گلزار مضامین سے موسوم ھے —

ان چھوٹی نظموں میں جن کے مجموعے دیوان کہلاتے ھیں' اکثر و بیشتر صوفیانہ عاشقانہ مضامین ملے جلے ھوتے ھیں' کیونکہ مسلمان' جن کی تعداد شعرا میں زیادہ ھے' حسن ازلی اور مخلوق کے حسن کو گڈ مڈ کردیتے ھیں جو ھماری نظروں میں خلاف تقدس ھے- وہ خدا کا جلوہ عورت یا امرد میں دیکھتے ھیں اور اس لئے کبھی کبھی خالص رومانی اشعار کے ساتھہ عیاشانہ بلکہ فحش † شعر بھی آجاتے ھیں - یورپین اور عیسائی خیالات کی نظر سے اس خاص قسم کی نظموں کا اندازہ ان ترجموں سے ھوسکتا ھے جو میں نے دیوان ولی کے بعض حصوں کا کیا ھے' یا بہت سے غزلوں کے ترجمے جو میں نے اپنی تاریخ ادبیات میں دیے ھیں یا عام مقبول گیت جن کا ترجمہ میں نے رسالۂ Revue Contemporaine Vol. XV P.562 میں دیا ھے بہت ھی پاکیزہ ھیں اور میری راے میں بعض اوقات پندار (Pindar) اور کبھی اناکرون (Anacreon) یا حافظ کی غزلوں کا مقابلہ کرتے ھیں اور اس میں تو شبہ ھی نہیں کہ ترکی شاعر حقی کی غزلوں سے کہیں بہتر ھیں—

ان مجموعوں کا بڑا نقص یکسانی ھے- ایک ھی سے خیالات ھیں جو بار بار اسی طرز اور اسی قسم کے جملوں میں دھراے جاتے ھیں—

---

* اس دیوان میں جو لکھنؤ میں ۱۲۵۹ھ (۴۴-۱۸۴۳ع) میں طبع ھوا' ھر غزل کے سرے پر بحر کا نام بھی لکھہ دیا ھے' یہ عربی بحور کے مطالعے کے لئے بہت کار آمد ھے —

† اس سے میری مراد ان فحش نظموں سے نہیں جو عام طور پر فحش مانی جاتی ھیں - مثلاً چرکین کی نظمیں' جس کے نام ھی سے غلاظت ٹپکتی ھے—

بھرتی کے شعر بہت زیادہ ہوتے ہیں، معلوم ہوتا ہے بٹلر نے یہ شعر مشرقی شاعروں ہی کے لئے لکھا تھا —

" جو لوگ اب تک نظم مقفیٰ لکھتے ہیں
وہ ایک مصرع کی خاطر دوسرا مصرع کہتے ہیں"

سوائے ان چند مشہور دیوانوں کے جو قبولیت اور شہرت حاصل کرچکے ہیں، دوسرے دیوانوں کا پڑھنا وبال جان ہے -

ان غزلوں میں ایہام کا ایک اور عیب ہے، اسے اہل مشرق بڑی خوبی سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے جو ریات (Yriate) نے بندر اور بازیگر کی کہانی میں بتایا ہے "Sin Claridad no hai obra buena"

ہندوستانی دیوانوں میں ولی کا دیوان بہت مشہور ہے تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممالک مغربی و شمالی میں بہت کم پڑھا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ دکنی بولی میں ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا طرز پرانا ہے - سودا، میر، درد، جرأت اور یقین کے کلام کا یہ حال نہیں جو اس کے مقابلے میں زیادہ جدید ہیں اور اب تک مقبول ہیں —

ہمارے ہم عصر شاعروں میں آتش، ذوق، نوید اور نظیر کے دیوان زیادہ قابل لحاظ ہیں —

ان دیوانوں کے ابتدا اور آخر میں جو نظمیں ہیں وہ مختلف قسم کی ہیں- میں ان کے متعلق اپنی تاریخ ادبیات نیز ایک علحدہ مضمون میں لکھ چکا ہوں- تکرار سے بچنے کے لئے میں صرف اُن چند کا ذکر کروں گا جن کے متعلق میں نے پہلے کچھ نہیں لکھا —

اول فرد ہے، اس کے نام ہی سے اس کے معنے ظاہر ہیں یعنے علحدہ شعر، یہ دو مصرعوں کا ایک بیت ہے - دیوان کے آخر میں اکثر بہت سے فرد ہوتے ہیں جو " فردیات " کے عنوان کے تحت میں لکھ دئے جاتے ہیں —

نوحے (سوز) ایک ھی شخص پڑھتا ھے ' اسے بازو کہتے ھیں ' لیکن ٹیپ کے مصرعوں کو جو دھراتے ھیں وہ جواب کہلاتے ھیں —

عیدی وہ ھے جو ھندو مسلمانوں کے تہواروں کے لئے لکھی جاتی اور گائی جاتی ھے —

مختصر سی نظم جسے معما کہتے ھیں ' اُسے (Logoguple) یا (Lags) سمجھنا چاھئے —

چھوٹی نظمیں جن میں چھوٹی بحر کے شعر ھوتے ھیں' مقطعات* کہلاتی ھیں—

نعت کا لفظ اُن نظموں کے لئے استعمال ھوتا ھے جو خود ' آنحضرت صلعم اور بعض اوقات خلفا اور ائمہ کی تعریف میں لکھی جاتی ھیں اور مسلمان اپنی کتابوں کی ابتدا اس سے کرتے ھیں - سالگرہ ' وہ نظم جو سالگرہ کے موقع پر کہی گئی ھو —

واسوخت یا سوز کسی قدر غزل ھی جیسی ھوتی ھے ' کیونکہ اس میں بیس تیس بند ھوتے ھیں ' اس کے تین شعروں میں سے پہلے دو ھم قافیہ ھوتے ھیں اور تیسرے کے دو مصرعے الگ ھم قافیہ ھوتے ھیں —

میر جعفر زٹلی کی سی نظمیں زٹلیات کہلاتی ھیں جو آدھی فارسی اور آدھی ھندوستانی ھوتی ھیں —

آخر میں میں ایک ایسی چیز کا ذکر کرتا ھوں جو صرف ھندوستان ھی سے مخصوص ھے ' اسے نسبتیں کہتے ھیں - اس میں کئی جملے ھوتے ھیں جن میں بظاھر باھم کوئی تعلق نہیں معلوم ھوتا اور جس کا جواب سائل سے پوچھنا پڑتا ھے - یہاں میں ایک مثال سید احمد سے لیکر لکھتا ھوں —

سوال : انار کیوں نہ چکھا

سوال : وزیر کیوں نہ رکھا

---

* مصنف کو نعت' مقطعات اور زٹلیات کی تعریف میں مغالطہ ھوا ھے (مترجم)

جواب : دانا نہ تھا -

میں خاص خاص ھندی نظموں کے ناموں کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھہ چکا ھوں یہاں میں تھوڑا اضافہ کرنا چاھتا ھوں —

" چوپائی " کے معنی جیسا کہ اس کے نام سے ظاھر ھے رباعی کے ھیں چار مصرعوں والی نظم ' عملاً اس کی تعداد معین نہیں ' کیونکہ چو پائیاں پانچ کی بھی ھوتی ھیں اور نو کی بھی —

" دوھا " ایسا ھی ھے جیسے مسلمانوں میں بیت؛ لیکن اس کا ھر مصرع کئی حصوں میں تقسیم ھوتا ھے جسے چرن یا پد کہتے ھیں —

" گن " عام نام ایسی نظموں کے لئے ھیں جو لے میں پڑھی جاتی ھیں - اور وہ نظمیں جو موسیقی کے طرز پر باقاعدہ گائی جاتی ھیں وہ کرتان کہلاتی ھیں —

سید احمد لکھتے ھیں* کہ مکری میں عورت کے منہ سے ایسا لفظ کہایا جاتا ھے جس کے دو معنے ھوتے ھیں اور سوال کرنے والا یہ سمجھتا ھے کہ اس کے معنے کچھہ اور ھیں —

میں نہیں جانتا کہ کوک شاستر* کو تصانیف کی کس صنف میں رکھوں - یہ کتابیں حد درجہ کی عیاشانہ نظمیں ھیں جن میں شہوت انگیز اعمال کی تشریح و تجزیہ ھوتا ھے اور عورتوں کی اخلاقی اور جسمانی تقسیم اُن کے صفات و احساسات اور دلربائیوں کے لحاظ سے کی جاتی ھے - مردوں کی تقسیم بھی اسی قسم کی ھوتی ھے - دکن کا علی حسن اور شہاب الدین اور موتی رام اس قسم کے خاص ھندوستانی مصنف ھیں جنھوں نے ان مضامین پر کتابیں لکھی ھیں —

طویل مثنویاں خاص مضامین پر ھوتی ھیں، مثلاً کوئی تاریخی منظر یا بعض اوقات پوری تاریخ؛ اکثر کم و بیش تاریخی یا خیالی فسانے ھوتے ھیں؛ لیکن عام طور پر عام پسند قصوں کو شاعر اپنے مذاق کے مطابق گھڑ کر بیان

---

* آثار الصنادید

کرتا ھے - ایسے کئی ھندوستانی، ایرانی اور ترکی شاعر ھیں جنھوں نے پانچ پانچ سات سات ایسے قصے نظم کئے ھیں - یہیں سے خمسے اور ھفتے کی بنیاد پڑی، گویا بڑی بڑی مثنویوں کے دیوان ھیں - زیادہ تر مشہور نظامی اور خسرو کے خمسے اور جامی کا ھفتہ ھے، جو استعارتاً ھفت اورنگ کے نام سے معروف ھے—

اس قسم کے ادب کا جزو اعظم مقبول اور عام پسند قصے ھیں - یہ قصے مشرق کے مشہور عاشقوں کے فسانے ھیں؛ مثلاً یوسف و زلیخا، فرھاد و شیریں، مجنوں لیلیٰ، وامق و عذرا --

علاوہ اس کے بڑے بڑے بہادروں کے قصے ھیں جو ایک قسم کے فسانے بن گئے ھیں، مثلاً سکندر، رستم، حمزہ، حاتم طائی، بہرام گور (یہ نام گور خر کے شکار کے شوق میں پڑگیا)—

ھندوستانی زبان میں ان مسلمانی قصوں کو خوب خوب بیان کیا ھے اور ان میں مقامی رنگ بھی پیدا کردیا ھے جس سے ان کی خوبی میں اضافہ ھو گیا ھے—

بہت سے ایسے قصوں کو اُن کے مصنفوں نے ترجمے سے تعبیر کیا ھے، لیکن یہ ایک قسم کا طرز بیان ھے جس کا مفہوم یہ ھے کہ ان کی بنیاد اُن فارسی کتابوں پر ھے جو شہرت عام حاصل کرچکی ھیں - یہ پہلے بیان ھو چکا ھے کہ ھندوستانی کے رواج سے قبل خود ھندو ایک زمانے تک فارسی زبان میں تصنیف و تالیف کرتے تھے - اُس وقت بھی شروع شروع میں اُس عام اور مشترک زبان (فارسی) میں لکھنے پر وہ معذرت سی کرتے اور اپنی تالیفات کو فارسی تصنیفات سے منسوب کیا کرتے تھے - لیکن ان ادعائی ترجموں کو ذرا غور سے دیکھنے کی زحمت گوارا کی جائے تو معلوم ھو جائے گا کہ ترجمے تو کیا انھوں نے تقلید بھی نہیں کی بلکہ وہ جدا کتابیں ھیں؛ قصہ تو وھی ھے مگر مضمون اور صورت بالکل الگ ھے—

قطع نظر قصوں کے سنجیدہ تالیفات کا بھی یہی حال ہے مثلاً آرائش محفل جو سجان رائے کی فارسی تصنیف خلاصۃالتواریخ کی اردو نقل سمجھی جاتی ہے اور جس میں ہندوستان کی تاریخ و مقامات کا ذکر ہے، در حقیقت فارسی کتاب کے مضامین کو ایک دوسری صورت میں پیش کیا گیا ہے —

میں " یوسف زلیخا " کے چھہ مختلف نسخوں سے واقف ہوں - ایک امین* کا جو سنہ ۱۹۰۰ع میں لکھا گیا - دوسرا طپش کا جو اس نے بزمانہ قید قید خانے میں لکھا- تیسرا فندری لاہوری کا† جس پر اس کے ایک ہم عصر نے بہت کچھ نکتہ چینی کی ہے- چوتھا مجیب کا جو اس زمانے کا شاعر ہے- پانچواں عاشق (مہدی علی) کا جو عشق نامہ کے نام سے موسوم ہے اور سنہ ۱۸۴۷ع میں بمبئی میں طبع ہوا—

لیلیٰ مجنوں کی پانچ مختلف مثنویوں کا مجھے علم ہے- تجلی کی*؛ اعظم دہلوی (معروف بہ شاہ جھولن) کی جو شاہنامے کی بحر میں ہے؛ ہوس کی جو اودھ کے ایک نواب آفان الدولہ کے رشتہ دار ہیں جو رضا† رضی اور رسا کے ناموں سے مشہور ہیں؛ ولا کی جو امیر خسرو کی مشہور فارسی مثنوی کی تقلید میں لکھی گئی ہے اور ایک اور قدیم نسخہ جس کا ذکر ڈاکٹر سپرنگر نے کیا ہے‡ —

ہندوستانی میں بہرام گور کے تین نسخوں سے واقف ہوں- ایک حیدری کا جس کا نام ہفت پیکر ہے جو نظامی کی مثنوی کا نام ہے؛ دوسرا طبعی (ساکن گولکنڈہ) کا جو سنہ ۱۰۸۱ھ (۱۶۷۱ — ۱۶۷۰ع) میں لکھا گیا؛ تیسرا حقیقت بریلوی

---

* اس کا ایک باب میں نے اپنی کتاب " ہندوستانی کے مبادی " میں نقل کیا ہے اور بعض اجزا کا ترجمہ اپنی تاریخ میں دیا ہے —

† دیکھو تذکرۂ قاسم - دیکھو میری کتاب تاریخ ادبیات جلد اول صفحہ ۵۰۲ —

* یہ نکتہ چیں میر فتح علی ہے - اس کی نظم قصۂ بوم و بقال میں فدوی کے باپ کے پیشے کی طرف اشارہ ہے - دیکھو میری تاریخ جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ —

† دیکھو میری تاریخ جلد اول میں اس کا احوال —

‡ دیکھو اس کا احوال میری تاریخ جلد اول میں —

کا جس کا سال تصنیف سنہ ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰—۱۱) اور نام هشت گلزار هے۔ غالباً یہ نام آٹھویں آسمان کی مناسبت سے رکھا گیا هے ورنہ نظامی کی هفت پیکر اور هاتفی کی هفت منظر کی مناسبت سے هفت گلزار هونا چاهئے تھا وجہ یہ هے کہ ایران کے بادشاہ بہرام گور پسر یزد جرد کا قصہ هے جس کے سات بیویاں تھیں جو سات باغوں میں الگ الگ رهتی تھیں —

هندوستانی میں اسکندر کے قصے کے متعلق مجھے صرف دو مثنویوں کا علم هے' ایک آگرے کے اعظم کی جو اس زمانے کا شاعر هے' دوسرے نگہت دهلوی کی جو اس کتاب کی پیروی میں لکھی گئی هے —

حاتم کے قصے بھی هندوستانی اور فارسی میں بہت عام اور مشہور هیں۔ حیدری' سراج اور گوپی ناتھ نے ان قصوں کو لکھا هے۔ "شاہ و درویش" کا قصہ بھی هندوستانی' فارسی اور ترکی میں کئی مصنفوں نے لکھا هے۔ جہان (بینی نراین) کا لکھا هوا سب سے زیادہ مشہور هے —

بعض اور بھی فسانے هیں جن کا تعلق امیرحمزہ کی داستان سے هے۔ ایک تو اشک کی لکھی هوئی هے جس کا تفصیلی ذکر میں نے اپنی تاریخ ادبیات میں کیا هے اور دوسری غالب لکھنوی کی تالیف هے' سنا هے کہ اس کا ترجمہ فارسی میں هوا هے اور کلکتے میں چھپی هے —

حنیف یا بن حنیفہ* (فرزند حضرت علی) کے قصے بھی بعض لوگوں نے لکھے هیں هر مصنف نے اپنے مذاق کے مطابق اسے بڑھایا گھٹایا هے۔ تین نسخوں کا' جن کے نام بھی مختلف هیں' مجھے علم هے۔ یعنے آزاد' سیوک اور واحدی کے —

مشرق میں جو نامور لوگ هوے هیں اور جن کی نسبت قصے اور فسانے مشہور هوگئے هیں' ان میں سے میں ایک اور کا ذکر کروں گا۔ وہ "ایران کے بادشاہ

---

§ دیکھو اُن کی فہرست' دیوان هوهی کا ذکر جلد اول صفحہ ۶۱۲ —

* ان کا ذکر دیکھئے ابن خلکان میں (مترجمۂ سلین جلد ۲ ' صفحہ ۵۷۴) —

شاپور کے بیٹے ہومزد کی تاریخ'' ہے' وہ ہرمزد س فرزند شاپور کے نام سے بھی مشہور ہے' یہ وہی شخص ہے جس نے مانی کے عقائد کی اشاعت میں مدد دی؛ اہل مشرق کے خیال کے مطابق مانی بہت بڑا مصور اور شعبدہ باز تھا -

لیکن علاوہ ان قصوں کے جو تمام اسلامی ممالک میں عام اور مشترک ہیں' ہندوستانی کے شاعروں نے ہندی قصوں کو بھی جو ملک رالہ ن میں مقبول ہیں' نہیں چھوڑا - مثلاً شکنتلا کا درد ناک قصہ' جو نہ صرف شاکنتلا ناٹک کی پیروی میں بلکہ مہابھارت کے بیان کے مطابق بھی ہندوستانی زبان میں تالیف کیا ہے' میں نے اس قصے کو ہندی سے ترجمہ کیا ہے* جہاں تک مجھے معلوم ہے اس پر ہندوستانی میں چار مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک نواز کی جسے سلطان فرخ سیر نے کبیشور کا خطاب عطا فرمایا †؛ دوسری حسن (کاظم علی) کی جس کا نام شکنتلا ناٹک ہے جو کلکتے میں سنہ ۱۸۰۱ ع میں چھپی۔ ڈاکٹر گلکرسٹ نے جو طریقہ رومن حروف میں لکھنے کا اختراع کیا تھا یہ کتاب انہیں حروف میں طبع ہوئی ہے؛ تیسری غلام احمد کی جس کا نام فرامرش باد ہے' یہ کلکتے میں سنہ ۱۸۴۶ ع میں چھپی؛ اس کا خلاصہ ایشیاٹک جرنل‡ میں بھی دیا گیا تھا؛ چوتھی ایک پارسی مصنف کی $ —

اسی قسم کا قصہ پدماوتی کا ہے' جو ہندوستان کے زمانۂ وسط کی مشہور رانی ہوئی ہے۔ وہ لنکا کے ایک بادشاہ کی بیٹی تھی اور اس کی شادی چتوڑ کے راجہ رتن سے ہوئی تھی' جسے علاءالدین نے سنہ ۱۳۰۳ ع میں مغلوب و مفتوح کیا۔ جائسی کے قول کے مطابق (جس نے اس قصے کو نظم کیا ہے) وہ اپنی رضا و رغبت سے

---

* اورینٹل ریویو سنہ ۱۸۵۲ ع —

† دیکھو میری تاریخ ادبیات جلد اول صفحہ ۲۰۹ —

‡ ایم - سی چھلو نائن برٹریلڈ سنہ ۱۸۵۰ ع —

$ بومن جی دوساب جی' جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے

کئی ہزار عورتوں کے ساتھ چتا میں جل کر مرگئی تاکہ فاتح کے ہاتھوں اُسے ذلت دیکھنی نصیب نہ ہو۔ جٹ مل نے اسی قصے کو ہندی میں لکھا ہے، لیکن وہ اس قصے کو دوسری ہی طرح بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پدماوت چتا میں جل کر نہیں مری بلکہ وہ مسلمان فوج کے سپہ سالار کو جل دے کر نو پالکیوں کے ساتھ، ٹرائے کے گھوڑے کی طرح، ان کے لشکر گاہ میں داخل ہوتی ہے۔ ان پالکیوں میں راجپوت سپاہی بھرے ہوئے تھے جو اچانک نہتے مسلمانوں پر جا پڑے اور ان کا خاتمہ کر دیا —

عشرت اور عبرت دو شاعر ہوئے ہیں جنھوں نے ہندوستانی میں اس بہادر راجپوت رانی کے قصے کو نظم کیا ہے * —

کرشن کی دلچسپ تاریخ پر ہندوستانی میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، سب سے بہتر لال چ کی ہے جو فرانسیسی میں ترجمہ ہوگئی ہے؛ بھوپتی اور کرشنا داس نے بھی اس مضمون پر بڑی اچھی نظمیں لکھی ہیں؛ لیکن سب سے بڑھ کر پریم ساگر ہے جو ہندی ادب میں بڑا پایہ رکھتی ہے۔ اس کتاب کے متن میں جگہ جگہ نظم بھی آتی ہے جس میں پرانے لفظ استعمال کئے گئے ہیں، اس کتاب کی نثر اور نظم میں عجیب تضاد نظر آتا ہے —

رام چندر جی کی تاریخ صرف والمیکی نے سنسکرت ہی میں نہیں لکھی بلکہ بہت سے شاعروں نے ہندی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان میں سے ایک تلسی داس ہیں، جن کی نظم اگرچہ سنہ ۱۵۸۰ع سے قبل لکھی گئی ہے لیکن اب بھی وہ اہل ہند میں والمیکی سے زیادہ مقبول ہے۔ کیشو داس نے رام چندریکا تالیف کی ہے، یہ دوسری راماین ہے جس کی شرح جھگن لال نے لکھی ہے۔ سورج چند اور بہت سے اور ہندی شاعروں نے اس باعظمت ہستی کی مدح میں اپنا اپنا کمال

---

† مصنف کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے دو الگ الگ نظمیں لکھی ہیں، حالانکہ نظم ایک ہے اور لکھنے والے دو ہیں (مترجم) —

دکھایا ہے' جسے گورسیو اور موسیو فوشے کے ترجموں نے یورپ میں روشناس کیا ہے —

یہ وہ قصے ہیں جن میں تخیل نے تاریخ سے مل کر اپنی صنعت دکھائی ہے' ان کے بعد ایسے قصے آتے ہیں جن کی بنیاد محض تخیل پر ہے- میرے خیال میں کامروپ کا قصہ بھی اسی تحت میں آتا ہے- یہ عجیب قصہ ہے اور ہندوستانی نظم و نثر میں بہت سے مصنفوں نے اسے لکھا ہے- نظم میں تحسین‌الدین' ضیغم' آرزو' حسن اور سراج نے طبع آزمائی کی ہے؛ نثر میں کندن لال کی کتاب ہے جس کا نام دستور ہمت یا ہمت ہے' چونکہ یہ فارسی مصنف ہمت نامی کی تالیف کی پیروی میں لکھی گئی ہے اس لئے یہ نام رکھا ہے - کہتے ہیں کہ سندباد کا قصہ جو الف لیلہ میں ہے اور سن براں دین کا قصہ جو میری دی فرانس کی تالیف ہے ان کی اصل یہی ہے ہندوستان کے فرضی خیالی قصے یہ ہیں: نل دمن' ہندوستانی میں جو اس پر بے شمار نظمیں لکھی گئی ہیں' انہیں یورپ میں کوئی نہیں جانتا بلکہ وہاں مہابھارت کی وجہ سے مشہور ہوا ہے- سب سے مشہور ہندی کے نامور شاعر سورداس کی نظم ہے- آخر میں میر علی بنگالی کی تالیف ہے جس کا نام بہار عشق ہے اور دوسری احمد علی کی جو حال میں لکھنؤ میں چھپی ہے —

گل بکاؤلی کا قصہ بہت ہی دلفریب ہے ' اس میں ہندی تعلیم و عقائد کو قرآن کی تعلیم میں سمویا ہے ' یہ ہندوستان جدید کی بہت بڑی خصوصیت ہے - اس قصے کو ایک تو نہال چند نے لکھا ہے جس میں نثر اور نظم ملی ہوی ہے' نسیم نے اسے گلزار نسیم کے نام سے منظوم کیا ہے- یہ نسیم آگرہ کالج میں پروفیسر تھے - ایک دوسرے شاعر نے تاریخی نام 'تحفۂ مجالس سلاطین' رکھا ہے ' جس سے ۱۱۵۵ ھ (۱۷۳۸ — ۱۷۳۹) نکلتا ہے- ریحان کی نظم کا نام 'خیابان ریحان' ہے - یہ نظم دوسری نظموں سے زیادہ طویل ہے - اس میں چالیس باب ہیں اور ہر باب کو وہ 'گلشن' سے

موسوم کرتا ھے - ڈاکٹر سپرنگر * کو دکھنی زبان کا ایک قلمی نسخہ بھی کتاب خانہ توپ خانہ لکھنؤ میں دستیاب ہوا تھا ' جو ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ - ۱۶۲۶ء) کا لکھا ہوا تھا —

ھیر رانجھا ' یہ پنجابی قصہ ھے - مقبول نے جو اس زمانے کا شاعر ھے ' مخلوط فارسی اُردو نظم و نثر میں لکھا ھے - میں نے اس کا ترجمہ کیا ھے + - اسی نام کا ایک شاعر بھی ھے ' یہ اس سے الگ ھے —

سسی پنو ' ان کے عشق کا قصہ ھیررانجھے کی طرح مقبول نے نثر میں لکھا ھے اور محبت نے نظم میں اور ھندو ‡ مؤلفین نے فارسی میں —

پھول بن اور اس کے عاشق طالع شاہ کا قصہ بہت سے دکھنی شاعروں نے لکھا ھے - عوری (ابن نشاطی) کی مثنوی زیادہ مشہور ھے جس کا علم ھمیں محمد ابراھیم مترجم انوار سہیلی سے ہوا ھے —

گل و صنوبر ' میں اس عجیب قصے کے چھ مختلف نسخوں سے واقف ھوں ؛ ایک احمد علی کا جو اس کے خمسے کا جز ھے ؛ دوسرا نیم چند § کا گلدستہ کا ؛ تیسرے کا نام گلشن ھند ھے ؛ چوتھا دکنی میں جس کا ایک نسخہ نظام $ کے کتب خانے میں ھے ؛ پانچواں جو سنہ ۱۸۳۵ع میں لکھنؤ میں طبع ہوا فارسی ¶ کا ترجمہ ھے —

قصہ چہار درویش ' ایک ترجمہ کا ھے جس کا نام باغ و بہار ھے ' (یہ تاریخی نام ھے) اور سول ملٹری عہدہ داروں کے نصاب امتحان میں داخل ھے - اس پر کئی

---

* ڈاکٹر سپرنگر فہرست صفحہ ۶۳۳ —

+ ریویو دی اورنیٹ اے دی الجیریا ' ستمبر ۱۸۵۷ ع -

‡ اندرجیت منشی ' جونت پرکاش وغیرہ —

§ نیم چند کی کتاب کا ترجمہ میں نے اورینٹل ریویو امریکہ میں شایع کیا —

$ دیکھو میری تاریخ ادبیات ھندوستانی صفحہ ۴۳ —

¶ ممکن ھے کہ یہ نیم چند ھی کی کتاب ہو —

مصنفین نے طبع آزمائی کی ھے ' منجملہ اُن کے ایک تحسین (عطاحسین) ھے' جس کی کتاب کا نام نو طرز مرصع ھے —

گرو پرمارتھم کا فسانہ تامل میں زیادہ تر مشہور ھے مگر ھندوستانی میں بھی پایا جاتا ھے جو مدراس میں سنہ ۱۸۴۸ ع میں طبع ہوا —

بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی' یہ دو مشہور قصے کی کتابیں ھیں۔ دھرم نراین ' للو' سورت اور دوسرے بہت سے ھندی مصنفین نے اس پر طبع آزمائی کی ھے —

طوطا کہانی کے متعلق میں صرف اپنی یاد سے لکھتا ھوں - اصل کتاب سنسکرت میں ھے - اور ھندی ' اُردو اور دکھنی میں کوئی آٹھ مختلف کتابیں لکھی گئی ھیں جن کا علم مجھے ھے - یہاں میں صرف اُن کے نام گنوائے دیتا ھوں :—

خاورشاہ * ' لعل‌وگوھر اور جذب عشق جس کا میں نے ملخص ترجمہ کیا ھے † اور ماہ‌منور کی مہروماہ جس کا متن میں نے طبع کیا ‡ —

علاوہ ان منظوم فسانوں کے جو مقبول عام قصوں سے لئے گئے ھیں اور بہت سے ایسے ھیں جن کے ھیرو غیر معروف ھیں - ھندوستانی میں ایسے قصے بہ کثرت ھیں اور اکثر مشہور ھیں - میں صرف چند کا ذکر کرتا ھوں - قصۂ بلندا‌ختر جو میر خان نے لکھا ھے : اخوان‌شاہ ' میں اس کے دو نسخوں سے واقف ھوں ' ایک تو

---

* علاوہ عاشق کی تالیف کے ایک رسمی کی بھی ھے جس کا نہایت عمدہ نسخہ نسخہ میں ایسٹ انڈیا کے کتاب خانے میں ھے - اس میں بہت سی عجیب عجیب تصویریں ھیں —

† دیکھو میری تاریخ ادبیات جلد اول ص ۵۷۳ —

‡ علاوہ اخی کے نسخے جو میں شایع کرچکا ھوں (اُردو اور دکنی) صالم کا نسخہ اس سے زیادہ قدیم ھے - یہ سنہ ۱۱۳۳ ھ (۱۷۲۰ - ۱۷۲۱) میں لکھا گیا —

چندربدن اور مہیار جس کے کئی نسخوں کا مجھے علم ھے * اور دوسرا دلارام اور دلربا جس کے مؤلفوں میں ایک متی رام ھے ؛ پری رخ و ماہ سیما ' جس پر وجیہ نے ایک مثنوی لکھی ھے ؛ فسانۂ عجائب جو سرور کانپوری کی تصنیف ھے اور جو ایسا ھی مقبول ھے جیسا کہ قصۂ چہار درویش —

اس قسم کے قصوں کا مزید ذکر باعث طوالت ھوگا - ان کی کیفیت اُن ترجموں اور خلاصوں سے معلوم ھوسکتی ھے جو میں نے بعض قصوں کے کئے ھیں - عام طور پر پہلے ھیرو اور ھیروان کا جسمانی اور اخلاقی حال تفصیل سے بیان کیا جاتا ھے - اس کے بعد کم وبیش عجیب و غریب یا پیچیدہ واقعات کا ذکر ھوتا ھے جو اُن کو پیش آتے ھیں اور جو ھمیشہ اُن کی ملاقات کے مانع اور ھارج ھوتے ھیں اور آخر میں اُن کی محبت اور وفاداری کا صلہ ملتا ھے - بعض اوقات مگر شاذ و نادر انجام المناک بھی ھوتا ھے جیسا میر کی مثنوی " شعلۂ عشق " یا " دریاے عشق " میں ' یا مجروح کی مثنوی " اعجاز عشق " یا اخی کی مثنوی " مہرو ماہ " میں ھوا ھے —

ھندوستان میں نظم کی ایک اور قسم بھی ھے جو بہت عام ھے ' اس میں قدرت کے سموں کا جو مختلف موسموں یا مختلف مہینوں میں نظر آتے ھیں ' بیان ھوتا ھے - اس قسم کی نظموں کو " بارہ ماسہ " کہتے ھیں ' ان میں بعض وقت فطرت کے سموں کا سادہ بیان ھوتا ھے اور کبھی ناٹک کی طرز پر - مثلاً فرض کرو ایک عورت ھے جس کا خاوند سال بھر سے باھر ھے جو موسموں کی تبدیلیوں کے بیان کے ساتھ اپنی تنہائی اور فراق کا دکھڑا بھی ملادیتی ھے - یہ دلکش بیان جو عورت ھر مہینے اپنے خاوند کو بھیجتی ھے آسانی سے خیال میں آسکتا ھے + - بعض شعرا

---

* دیکھو میری تاریخ ادبیات جلد دوم صفحات ۵۳۲ وغیرہ —

+ دیکھو جرنل ایشیا ٹیک سنہ ۱۸۵۰ ع —

صرف عجائبات قدرت هی پر نہیں لکھا بلکہ اس قسم کی نظموں میں هندوستان کے مذهبی اور معاشرتی تہواروں کو بھی نظم کیا هے' لیکن ان میں اکثر هندؤں کے تیوهار زیادہ هوتے هیں - اس قسم کی بہت سی نظمیں هیں جن کا میں نے ذکر بھی کیا هے * —

ان کے علاوہ اور بھی خاص قسم کی نظمیں هوتی هیں - مثلاً ایک نظم هندوستان کے پھولوں کے بیان میں هے جس کا نام "پھول چرتر" هے - مسلمانوں کے ادب میں تصنیف کی ایک اور خاص قسم هوتی هے جو همارے قصے کے مماثل نہیں بلکہ قصوں کا ایک سلسلہ هوتا هے' یعنی ایک هی قصے میں بہت سے قصے ملے هوتے هیں - یہ ایک عجیب قسم کی تصنیف هوتی هے اور اس میں اخلاقی اور بعض اوقات حکیمانہ اور مذهبی شان پائی جاتی هے - مثلاً کشف الاسرار†' منطق الطیر‡' اخوان الصفا وغیرہ جو بہت مشہور هیں - اخوان الصفا اکرام علی کے پاکیزہ ترجمے کی وجہ سے هندوستان میں بہت مقبول هے - اس میں جانور باری باری سے اپنے اپنے صفات بیان کرتے هیں - یہ سچ هے کہ خداوند تعالی اکثر همیں جانوروں میں ایسے صفات کے نمونے دکھاتا هے جو انسان کے لئے قابل تقلید هوتی هیں - گے جس نے بہت سی کہانیاں لکھی هیں' اسی مضمون کو ایک نظم میں اس طرح بیان کرتا هے —

"شہد کی مکھی کی شب و روز کی محنت میری روح
کو محنت کی طرف مائل کرتی هے - کون هے جو محتاط

---

* منجملہ اوروں کے جوان کا بارہ ماسہ هے - دیکھو میری تاریخ جلد دوم صفحہ ۴۷۳ —

† اس کا مصنف مقدسی هے - یہ کتاب طیور اور پھول کے نام چھپی هے —

‡ میں نے یہاں اس کتاب کے مجازی حصے سے بحث نہیں کی - اس کے لئے دیکھو "Notices et Extraits des Manuscripts" جلد ۹ صفحہ ۳۹۷ اور The "Journal de Savants" سنہ ۱۸۱۷ع صفحہ ۶۸۵ اور جرنل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ' جون و اگست سنہ ۱۸۴۸ع —

چیونٹی کو دیکھے اور آئندہ کی احتیاج کی فکر نہ
کرے؟ میرا کتا جو نہایت قابل اعتبار اور وفادار
ہے میرے دل میں احسان مندی کی آگ مشتعل کرتا
ہے - میں فاختہ سے وفاداری اور زن و شوہر کی محبت
کا سبق سیکھتا ہوں - ہر ایک پرند جو ہوا میں آزادی
سے اُڑتا ہے مجھے والدین کی نگرانی کا سبق دیتا ہے"۔

اس قسم کی تالیفات میں سب سے مشہور پنچ تنتر ہے- اصل کتاب سنسکرت میں ہے اور ہندوستانی میں بھی ترجمہ ہوگئی ہے- اس کے بہت سے قصے یورپ کی تمام زبانوں میں مختلف صورتوں میں پہنچ گئے ہیں اور ہمارے ملک (فرانس) میں زندہ جاوید لا فان تین (La Fontaine) کی بدولت اس کے اصل مضامین بہت ہی مقبول ہوئے ہیں —

ہندوستانیوں میں اب تک ناٹک کا وہی ذوق موجود ہے جو ان کے بزرگوں میں تھا؛ لیکن صرف بڑے بڑے موقعوں ہی پر اس کا اظہار ہوتا ہے- تھوڑا ہی عرصہ ہوتا ہے کہ کلکتے کے ایک متمول مسلمان کے گھر میں یوسف زلیخا کا ڈراما ہوا *- محرم کے ایام عشرہ میں بھی امام حسین کے ماتم میں تعزیے کی صورت میں ان اسرار کا اظہار کیا جاتا ہے- ان اسرار میں خاص خاص آنحضرت صلعم اور امام حسن کی وفات اور سب سے بڑھ کر امام حسین کی شہادت ہے- ہندؤں میں ہولی کے دنوں میں طرح طرح کے سانگ بھرے جاتے ہیں- ان میں وہ فی البدیہ بھی کچھ کچھ کہتے ہیں، لیکن عموماً اس میں بہت بد مذاقی اور فحش پایا جاتا ہے- لیکن تاہم بعض اوقات وہی مضامین بیان کئے جاتے ہیں جو قدیم سنسکرت کے ناٹکوں میں ہیں- راگ ساگر میں اس قسم کے ناٹکوں کی مثال میں ہنومان ناٹک کا نام دیا ہے، یہ ایک سنسکرت کے ناٹک کی

---

* ایم اے گروٹ صدر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا خانگی خط —

نقل ھے جس کا ترجمه ولسن نے کیا ھے —

میں معقول وجوہ کے ساتھہ اوپر بیان کرچکا ھوں که "تذکرہ" مشرق کے مسلمانوں ھی کی ایجاد ھے۔ اسی قسم کی ایک دوسری چیز ھے جس کا نام "انشا" ھے۔ یه خطوط کا مجموعه ھوتا ھے جو کسی ایک ھی شخص کی تصنیف ھوتے ھیں۔ یه گویا فصاحت و بلاغت سکھانے کی کتاب ھوتی ھے۔ مشہور ھندوستانی زبان کی انشائیں یه ھیں -

فیض کی انشا' یه شخص شیخ فریدالدین عطار کے پند نامے کا مترجم بھی ھے؛ خالق (کرامت‌الله) کی: نظام‌الدین (پونے والے) کی' یه حکایات لقمان کا بھی مترجم ھے: چرنجی لال کی (جو آگرے میں چھپی)' نظام‌الدین اور یه اِسی زمانے کے شخص ھیں؛ یوسف دکھنی کی' اس کے نام ھی سے معلوم ھوتا ھے که یه دکن کا رھنے والا ھے اور انشاے ھرکرن جو فارسی میں ھے اور بہت مقبول اور مشہور ھے' اس کا ترجمه ھندوستانی میں کیا گیا ھے —

اب میں اُن چند کتابوں کا ذکر کرتا ھوں جو زباندانی کے متعلق ھیں۔ اس مضمون پر بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ھیں جن کے مطالعے سے ایشیا کی قدیم اور علمی زبانوں کے طالب عام بھی استفادہ کرسکتے ھیں۔ اردو میں سنسکرت زبان کی نحو بھی لکھی گئی ھے جس کا نام مفتاح‌اللغت ھے (سنسکرت میں اس کا نام لگھو کو مودی ھے)' بنارس میں سنه ۱۸۴۹ع میں طبع ھوئی - مصدرالافاضل جو فارسی عربی کی لغت ھے ھندوستانی میں ترجمه ھوگئی ھے' اس کا ایک نسخه ڈیوک آف سسکس کے کتاب خانے میں ھے - ایک اور عربی فارسی لغت کا ترجمه لغت اردو کے نام سے ھوا ھے۔ مصدر فیض' فارسی اور ھندوستانی صرف و نحو ھے جس کے مؤلف مظہرالدین ھیں۔ میزان فارسی کا بھی اردو میں ترجمه ھوگیا ھے۔ مظہر نحو' عربی نحو کی کتاب ھے جو اردو میں تالیف کی گئی ھے۔ ایک اور اردو الفاظ کی لغت طبع ھوئی ھے جس میں شعرا کے کلام سے سند کے لئے اشعار نقل کئے گئے ھیں۔

لغت السعید بھی اُردو کی لغت ھے۔ ایک اور اُردو کی لغت آگرے میں سنہ ۱۸۵۱ع میں طبع ھوئی ھے۔ اردو صرف و نحو پر کئی کتابیں لکھی گئی ھیں جن میں سے ایک صہبائی کی ھے، ان کی زباندانی اور زبان پر اور بھی تالیفات ھیں۔ بھاشا پنگل ھندی عروض کی کتاب ھے، جس کے کئی اڈیشن چھپ چکے ھیں —

انگریزی صرف نحو پر بھی ھندوستانی میں کئی کتابیں لکھی گئی ھیں، ان میں رام کرشنا کی زیادہ مشہور ھے —

سنسکرت میں تاریخ کہیں کہیں فسانے کے ضمن میں آجاتی ھے لیکن ھندوستان کی جدید ادبیات میں یہ فن پایا جاتا ھے لیکن کم، اگرچہ یہ صحیح ھے کہ بعض منظوم روایتوں اور قصوں میں ایسے بیش قیمت واقعات بھی مل جاتے ھیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتے —

اب رھی تاریخی نظمیں، سو چند کا ذکر تو میں اس سے قبل کرچکا ھوں جو راجپوتانے کا ھومر بھی ھے اور تھیوسی ڈای ڈس بھی۔ دوسری کتاب چترا پرکاش ھے جو چترا سال راجۂ بندھیل کھنڈ کی تاریخ ھے، اس کا مصنف لال کوی ھے۔ ان کے علاوہ ایک کتاب گوپاچکا کتھا یا تاریخ گوالیار ھے اور ایسی ھی اور چند کتابیں ھیں۔ یہاں میں مان کبیشر کی راج ولاس کا ذکر کرنا چاھتا ھوں، یہ رام راج سنگھ راجۂ میواڑ (مخالف اورنگ زیب) کا شاعر ھے: ایک دوسری کتاب ھمیر راسا ھے جو ھمیر راجۂ چتوڑ کے حالات میں ھے: ھری چندر لیلا۔ اس میں راجہ ھري چندر کے حالات ھیں؛ سورج پرکاش میں سورج بنسی خاندان کی تاریخ ھے، اس کا مصنف کرن ھے جو شاعر بھی اچھا ھے اور سپاھی بھی۔ منظوم کتاب ابھے سنگھ راجۂ مارواڑ کے حالات میں ھیں اور بس، اس راجہ کی حکومت ۱۷۲۴ سے ۱۷۲۸ع تک رھی۔ لیکن کتاب کے شروع میں بطور تمہید کے راٹھوروں کی تاریخ پر بھی ایک سرسری سی نظر ڈالی ھے جو اپنا نسب سورج بنسی خاندان سے ملاتے ھیں۔ کرب چنتامنی ایک بھاشاکی نظم ھے جو کرن کی شان میں لکھی گئی ھے، جو گجرات کا نامور راجہ گزرا ھے جسے پٹھان سلطان علاءالدین شاہ سکندر

ثانی نے سولھویں صدی عیسوی کے آخر میں شکست دے کر مغلوب کیا- راج پٹن میواڑ کی تاریخ ھے اس کا مصنف رنچھوڑ بھٹ ھے؛ رشا بھا چرتر میں جینیوں کے ایک رشی رشا بھا کے سوانح ھیں ؛ بنس کلی کتاب انساب ھے اور اس کا مصنف بکوتا ھے ؛ کلپا درم یہ جے سنگھہ کا ایک قسم کا تاریخی روز نامچہ ھے —

صرف ھندو مصنفوں کی بدولت ھندوستانی میں چند تاریخی یادگاریں نظر آتی ھیں- انھوں نے اسلامی مضامین پر بعض کتابیں لکھی ھیں؛ مثلاً ھری ناتھہ کی پوتھی محمد شاہ جس میں محمد شاہ کی تاریخ ھے —

اس زبان کی اردو شاخ میں ھم صرف ترجمے پاتے ھیں- تاھم ان میں بعض ایسی تالیفات ھیں جو بذات خود بہت دلچسپ ھیں- علاوہ ان کتابوں کے جن کا ذکر میں کسی دوسری جگہ کرچکا ھوں، یہاں بعض کا ذکر کروں گا- دھلی* اور آگرے† پر بہت دلچسپ کتابیں موجود ھیں؛ کلکتہ نامہ، جس میں کلکتے کے حالات ھیں، نظم میں ھے؛ نصرتی کا علی نامہ جس میں علی عادل شاہ کی تاریخ ھے؛ واقعات گورکھا، جو نیپال کا صوبہ ھے اور جہاں کے راجاؤں نے اپنا تسلط تمام نیپال پر کرلیا تھا؛ ایک نظم سومناتھہ پٹن کی تباھی پر ھے‡: انگریزوں کی حکومت بنگال کی تاریخ مؤلفۂ نور محمد؛ خاندان سندھیا کی تاریخ مؤلفۂ دم نواین وغیرہ —

ھندوستانی میں خود نوشت سوانح بھی ھیں، علاوہ تیمور، بابر، اکبر اور جہانگیر کے تزکوں کے جو ترکی اور فارسی سے ترجمہ کی گئی ھیں، پتھمبر سنگھہ، موھن لال، علی حسین اور بعض دوسرے اصحاب کے خود نوشت حالات بھی موجود ھیں، جن کا ذکر میں ابتدا میں کر چکا ھوں —

جو کچھہ بھی ھو اھل مشرق کی نظروں میں تاریخ کی وہ وقعت نہیں جو

---

* آثارالصنادید، اس کتاب سے کئی بار اقتباس دے چکا ھوں —

† تاریخ آگرہ —

‡ ٹاڈ کا سفرنامہ صفحہ ۲۳۱ —

هم میں ہے - ہندوستان کے ایک جدید مورخ نے اپنی تاریخ کے عنوان پر حافظ کا یہ
شعر لکھا ہے :-

حدیث از مطرب و مے گو ز راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

اب میں چند سفرناموں کا ذکر کرتا ہوں: سفرنامۂ یوسف خاں لکھنوی یہ
سفر انگلستان و فرانس ہے جو انھوں نے سنہ ۱۸۳۸ میں کیا' یہ کتاب دہلی میں
چھپی ہے: کریم خاں دہلوی کا سفرنامۂ لندن سنہ ۱۸۴۰ع' اس کا ترجمہ میں نے
''اورینٹ ریویو'' میں شایع کیا - پہلے صاحب نسلاً پٹھان اور درویش یا صوفی ہیں
اور کمبل پوش کے نام سے مشہور ہیں —

مذہبی فلسفے کا ذخیرہ بہت ضخیم اور دلچسپ ہے اور زیادہ تر اس کا تعلق
ہندو مذہب سے ہے' مجھے در حقیقت اپنا تبصرہ اُسی سے شروع کرنا چاہئے تھا -
کبیر پنتھیوں' سکھوں' جینیوں اور ویشنویوں کی تصانیف بہ کثرت ہیں -
کچھ کچھ شیوائیوں کی کتابیں بھی ہیں' مثلاً مہادیو چرتر' شوا لیلا مرتم'
گورا منگل وغیرہ —

مسلمانوں کے مذہبی فلسفے یا دینیات میں ان کے مذہب یا عبادت کی
کتابیں ہیں- شاعرانہ تالیفات آنحضرت صلعم' حضرت فاطمہ' امام حسن' امام حسین
کی منقبت میں ہیں' یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی شان میں بھی
نظمیں پائی جاتی ہیں - حالانکہ مسلمان تثلیث کے مخالف ہیں مگر وہ انھیں بھی
دوسرے پیغمبروں کے برابر سمجھتے ہیں —

اگرچہ ہندوستان میں شیعوں کی تعداد بہت ہے' لیکن میں دیکھتا ہوں کہ
مسلمانوں کی مذہبی تصانیف زیادہ تر سنیوں ہی کی لکھی ہوئی ہیں- تاہم بعض
کتابیں شیعوں کی تصنیف سے بھی ہیں' لیکن ان میں عجیب تصانیف ان مسلمان
فرقوں کی ہیں جو ہندوستان ہی سے مخصوص ہیں' مثلاً ''سید احمدیوں'' یا

هندوستانی وهابیوں اور "روشنائیوں" کی تصانیف اور ان کی تردیدی کتابیں —

قانون کا تعلق مذهب سے جیسا هندؤں میں هے ویسا هی مسلمانوں میں هے۔ دیوانی قانون مذهبی قانون (فقه) سے بالکل ملا هوا هے۔ هندوستانی ادب میں اس کے متلق بعض کار آمد کتابیں پائی جاتی هیں۔ مگر وه عموماً ترجمے هیں —

سائنس اور دیگر علوم و فنون پر ایسی کتابیں نہیں هیں جو قابل ذکر هوں۔ اس قسم کی کتابیں تقریباً سب کی سب جدید اور انگریزی طرز پر لکھی هوئی هیں۔ بہرحال یه ترجمے اور تالیفات اُن لوگوں کے لئے مفید هیں جن کی خاطر لکھی گئی هیں۔ اور اس قسم کی تمام کتابیں اهل هند کو همارے عقائد اور جدید اختراعات اور ایجادات سے باخبر رکھتی هیں —

ایسی تصانیف میں جو ترجمے نہیں هیں بعض فن تعمیرات پر هیں، بعض سنگ تراشی پر؛ کچھه طبی نباتات پر، جیسے چرب چینی کے خواص پر؛ اسی طرح شاهین اور باز کے فن پر (جو تی هبهر آنجهانی کی کتاب کے مماثل هیں)، فن بیطاری پر؛ موتیوں* کی قیمت اور وزن پر؛ شطرنج پر؛ خوابوں کی تعبیر اور طباخی کے فن پر —

هندوستانی ادب کی اهم شاخ مشرقی زبانوں کی تصانیف کا ترجمه هے۔ یه ترجمے سنسکرت، فارسی اور عربی کی قدیم اور مشکل تصانیف کے سمجھنے کے لئے بہت کار آمد هیں، کیونکه یه اصل کی صحیح ترجمانی کرتے هیں اور اُنھیں قدرتی مناظر اور اُنهیں عادات و رسوم کے درمیان بیٹھه کر لکھے جاتے هیں۔ میں اس سے قبل ایسی بہت سی کتابوں کا نام لکھه چکا هوں جس کا اعاده یہاں نہیں کروں گا —

مجھے اس کی اطلاع نہیں که ویدوں کا ترجمه هندوستانی زبان میں هوا هے یا

---

* رسالهٔ موتی، مطبوعهٔ حیدرآباد سنه ۱۲۵۱ ه (۱۸۳۵-۱۸۳۶ع) —

نہیں - البتہ ایک اعلان اس مضمون کا چھپا تھا کہ هندؤں کی مقدس کتابوں کے ترجمے کا ایک سلسلہ شایع کیا جائے گا اور ویدوں کا ترجمہ اس کا ایک جز هوگا- قرآن کے ترجمے بہت سے هوچکے هیں جن کا خاص امتیاز یہ هے کہ بہت صحت اور احتیاط کے ساتھہ کئے گئے هیں —

سید احمد نے اپنی کتاب آثارالصنادید میں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجموں کا ذکر کیا هے - اکثر ترجموں کے ساتھہ تفسیر اور شرح بھی هوتی هے- ایک ترجمہ جو دهلی میں چھپا هے اس سے بڑی رواداری کا اظہار هوتا هے کیونکہ اس میں اهل سنت اور اهل تشیع دونوں کے عقائد کے مطابق تفسیر دی گئی هے- قرآن کی ایک تفسیر منظوم بھی هے جس کا مصنف اشرف هے- ضمناً میں یہ بھی بیان کرنا چاهتا هوں کہ ایرانیوں کی تقلید میں هندی مسلمان برخلاف ترکوں کے اپنی مقدس کتاب کا ترجمہ عوام کی زبان میں کرنے سے خائف نہیں هیں هندوستان کی عورتیں جمعہ کے روز اسی طرح قرآن پڑھتی هیں جیسے انگریز عورتیں اتوار کے روز بائبل- عام طور پر هندوستان کی عورتیں ترکی عورتوں سے جو حسن میں زیادہ مشہور هیں' زیادہ تعلیم یافتہ هوتی هیں -

سنسکرت کے ترجموں میں مہابھارت' هتوپدیش اور ترکا سنگرہ کے ترجمے هیں- آخری کتاب هندی فلسفے کی هے اور اس کا مصنف اونم بھژ هے* - هندوستانی ڈراموں میں وہ خاص خاص ڈرامے جن کا ترجمہ ولسن نے کیا هے' سنسکرت ناٹک' دهلی' سنہ ۱۸۴۰ ع —

مہمنا ستوترا کا ترجمہ سنسکرت سے سمیرسنگھہ نے کیا هے حالانکہ یہ شیوائیوں کی کتاب هے' وغیرہ —

سنہ ۱۸۴۵ ع دهلی میں بھگوت کا ترجمہ هورها تھا- یہ نظم بھگو خاندان

---

* یہ کتاب ۱۸۵۲ ع میں بنارس میں سنسکرت کے عالم بے لن ٹائن Ballantyne کی نگرانی میں طبع هوئی- اس میں اصل متن' هندی اور انگریزی ترجمہ هے —

پر ھے اور کالیداس سے منسوب کی جاتی ھے؛ ادیاتھا کی راماین اور اور سنسکرت کی دوسری کتابوں کے ترجمے بھی ھورھے تھے مگر مجھے اس کا علم نہیں کہ یہ شایع بھی ھوے کہ نہیں۔ میں اس رسالے کی ابتدا میں متعدد ترجموں کا ذکر کرچکا ھوں —

سنسکرت کے ضمن میں مجھے ھندوستان کی جدید زبانوں یعنے تامل' بنگالی اور مرھٹی کے ترجموں کا بھی ذکر کرنا چاھئے۔ مرھٹی میں منجملہ دوسری کتابوں کے سیتانروپن نے اچھی خاصی شہرت حاصل کی ھے —

عربی سے جن کتابوں کا ترجمہ ھوا ھے ان میں خاص خاص کتابیں یہ ھیں: تاریخ ابوالفدا' مترجمہ کریم و عرشی؛ ابن خلکان' مترجمہ سبحان بخش؛ اخوان الصفا' اس کا ذکر اوپر ھوچکا ھے؛ مشکوۃ شریف' فقہ* کی مشہور کتاب؛ ادب القاضی' یہ فقہ کی دوسری مشہور کتاب ھے جس کا مصنف قدوری ھے' اس کا ترجمہ "مختصر" سے کیا گیا ھے —

مقامات حریری کا لفظی ترجمہ دھلی میں شروع ھوا تھا' لیکن جس وجہ سے مجھے فرانسیسی ترجمہ ترک کرنا پڑا' اُسی وجہ سے ھندوستانی مترجموں کو بھی دست بردار ھونا پڑا' بات یہ ھے کہ مصنف نے جو لفظی تلازمے اور صنعت کی رعایت رکھی ھے اور جو کتاب کا اصلی حسن ھے' وہ ترجمے میں قائم نہیں رہ سکتی —

الف لیلی عربی ادب میں بے نظیر کتاب ھے' ھندوستانی میں اس کے مترجم ھندو مسلمان دونوں ھیں۔ مسلمانوں میں ایک مولوی حسن علی خاں ھیں جو اسی زمانے کے مصنف ھیں' دھلی کالج میں پروفیسر رہ چکے ھیں اور کئی اور کتابوں کے مترجم بھی ھیں؛ دوسرے شمس الدین احمد ھیں جنھوں نے مدراس میں پہلی دو سو راتوں کا ترجمہ شایع کیا' انھوں نے کلکتہ اڈیشن کی پیروی کی ھے۔ جو ھے بخت اور فیشر سے بہت مختلف ھے۔ ھندؤں میں دیا شنکر نسیم ھیں' جن کا ترجمہ لکھنؤ میں سنہ ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ - ۱۸۲۹ع) میں تین جلدوں میں چھپا۔ حال ھی

---

* مصنف کو مغالطہ ھوا ھے۔ فقہ کی جگہ حدیث ھونا چاھئے (مترجم) —

میں ۵ھای میں پچاس راتوں کا ترجمہ عربی سے اردو میں چھپا ھے، اسی میں اس کتاب کے دوسرے قصے بھی منتخب کرکے شامل کردیے گئے ھیں - سوداگر بچے کا قصہ بھی چھپ چکا ھے —

"ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی" نے ابوالفدا کے جغرافیے کا ترجمہ شایع کیا ھے - اس کے علاوہ رشیدالدین کی تاریخ مغلاں اور تاریخ ابن خلدون اور بعض مشہور و معروف کتابوں کے ترجموں کا اعلان کیا ھے، مگر میرا خیال ھے کہ یہ ترجمے یونہیں رہ گئے اور کبھی شایع نہوے —

فارسی کے ترجمے بہ کثرت ھیں - بعض مقبول فارسی کتابوں کے کئی کئی ترجمے ھوے ھیں - مثلاً گلستاں کے کئی ترجمے ھوے اور کئی بار چھپے - بوستان سعدی کا ترجمہ مغل نے کیا، جس سے بعض مشکل مقامات کے حل میں مدد ملتی ھے - شاھنامے کے خلاصے کا ترجمہ نظم میں منشو* نے اور نثر میں ایک تو محمد علی تومزی نے اور دوسرا سرور نے سرور سلطانی کے نام سے کیا، سہراب کے قصے کا ترجمہ کاظم نے کیا؛ جلال‌الدین رومی کی مشہور نظم کے بھی جو مثنوی شریف† کے نام سے مشہور ھے ترجمے ھوے ھیں؛ پند نامۂ عطار اور پند نامۂ سعدی، منطق الطیر اور حسن و عشق کے ترجمے بھی ھوچکے ھیں؛ اظہار دانش کا ترجمہ دوست نے کیا ھے؛ بہار دانش کا ترجمہ بھی ھوچکا ھے - محمد اعظم کی تاریخ کشمیر کا ترجمہ شرافت نے کیا جو کئی بار چھپ چکا ھے؛ تاریخ طبری کا ترجمہ جعفرشاہ نے کیا ھے، ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ھیں —

ایک بات قابل ذکر یہ ھے کہ بعض ھندی کتابوں کا ترجمہ مشرق کی دوسری

---

* خسروان عجم کے نام سے —

† اس کے کامل ترجمے کے متعلق، جو نشاط نے کیا ھے، کریم نے ذکر کیا ھے - ایک دوسرا ترجمہ شاہ مستعان نے کیا ھے - یہ پوری کتاب کا نہیں بلکہ ملخص کا ترجمہ ھے - یہ دونوں نظم میں ھیں اور سنہ ۱۸۴۵ع میں کلکتے میں طبع ھوے —

زبانوں میں کیا گیا ھے۔ مثلاً ست سئی بہاری کا ترجمہ سنسکرت میں ھوا ھے؛ باغ و بہار کا ارمنی زبان میں؛ راگ درشن* کا فارسی میں ترجمہ ھوچکا ھے؛ اُردو کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ اس زبان میں جو جدید ھندوستان میں لاطینی کا درجہ رکھتی ھے، ھوچکا ھے۔ مثلاً دھرم سنگھ کا قصہ اور سراج پور کی کہانی، یہ اخلاقی قصے ھیں جو فارسی میں ترجمہ ھوئے ھیں؛ پہلا ترجمہ قصۂ صادق خاں کے نام سے اور دوسرا قصۂ شمس آباد کے نام سے ھوا ھے —

اسی کے ساتھ میں ان بے شمار ترجموں کا بھی اضافہ کرنا چاھتا ھوں جو انگریزی سے اردو میں ھوے ھیں اور یہ ھندوستان کے جدید آقاؤں کے حق میں تعریف کی بات ھے۔ فرانسیسی زبان سے بھی بہت سے ترجمے ھوے ھیں مثلاً فلوری کی تاریخی کتاب عقائد بصورت سوال و جواب جس کے ترجمے کے لئے ھم کیتھالک مشنریوں کے ممنون ھیں؛ یا نامور مستشرق دي ساسی کی عربی صرف و نحو کا ترجمہ جو کئی سال سے دھلی کے مطبع کے لئے تیار ھو رھا ھے اور رولن کی ملخص تاریخ قدیم کا ترجمہ وغیرہ - لیکن فرانسیسی کتابوں کے ترجمے جو ھندوستانی میں ھوے ھیں وہ انگریزی سے ھوے ھیں اور ھمارے ھاں کے بہت سے فضلا مثلاً ایلی دي بوساں یہ نہیں جانتے کہ ان کی کتابیں اس بدیسی لباس میں آگرے اور دلی میں پڑھی جاتی ھیں۔ عجیب بات یہ ھے کہ سید احمد نے اپنی عجیب تفسیر انجیل میں انجیل کا ترجمہ عبرانی سے کرنا شروع کیا ھے —

ان ترجموں کے افادے سے کسی کو انکار نہیں ھوسکتا، ان کا مقصد یہ ھے کہ ھندوستان والوں کو ھمارے علوم و فنون، ھماری قدیم و جدید تاریخ، یونان و روما کی تاریخ اور مشہور کتابوں مثلاً رسالیس (Rasselas) قزلباش (Cazilbaasch)،

---

* یہ کتاب مان سنگھ راجۂ گوالیار کے حکم سے مرتب ھوئی - نظم میں ھندوستانی راگوں کا بیان ھے - فارسی میں اس کا ترجمہ فقیراللہ نے کیا —

W. Ousely, Oriental Collections Vol III p. 75

وکار آف ویکفیلڈ (Vicar of Wakefield)، رابنسن کروسو (Robinson Crusoe)، بنین کی پلگرمس پروگرس (Bunyan's Pilgrim's Progress)، دی اکانمی آف هیومین لائف (The Economy of Human life) وغیرہ سے آشنا کیا جاے - سب سے زیادہ اهم بات یہ هے کہ عیسوی مذهب سے انهیں باخبر کیا جاے جو ایک زندہ درخت هے جس کا سایہ جودیا سے لیکر تمام عالم پر پهیلا هوا هے- ایسے ترجمے جو عیسوی مذهب سے متعلق هیں، اُن میں سے بعض میں همارے عقائد سادہ طور سے بیان کئے گئے هیں اور هماری کتب مقدسہ کو جا بجا نقل کیا گیا هے؛ اور بعض مناظرے کی کتابیں هیں جن میں خاص طور پر مسلمانوں سے بحث هے جو عیسائی مذهب سے علانیہ تعصب رکھتے هیں —

اس قسم کی مطبوعات میں سب سے دلچسپ قرآن کا ایک اڈیشن هے جسے ایک پرسبی‌ٹیرین امریکن نے سنہ ۱۸۴۴ع میں الہ آباد میں طبع کرایا- اس کے شروع میں ایک دیباچہ هے جس میں مسلمانوں کی غلطیوں اور عیسائی مذهب کے خلاف ان کے اعتراضوں کی تردید کی گئی هے، متن کے ساتھ تفسیر بھی هے جو اسی قسم کی هے جو مراشی (Maracci) نے لکھی هے - باقی کے لئے هندوستان میں اس کا دروازہ پہلے هی ایک پراٹسٹنٹ مشنری بغجمن نے اپنی کتاب "Compendiosa Alcorani refutatio, Ind'c." لکھ کر کھول دیا هے: یہ کتاب Halle میں سنہ ۱۷۴۴ع میں چھپی تھی —

مذهبی کتابوں Anglican Liturgy کا ترجمہ بھی هے - یہ ترجمہ صرف هندوستانیوں کی واقفیت کے لئے نهیں بلکہ ان نو عیسائی هندیوں کے استعمال کے لئے هے جن کی خاطر کلکتے اور بلاشبہ بعض دوسرے شهروں کے چرچوں میں هندوستانی زبان میں عبادت هوتی هے، جیسے نو عیسائی یہودیوں کے لئے لندن اور یروشلم میں عبادت کے رسوم عبرانی میں ادا هوتے هیں- یہاں تک کہ نغمات بھی هندوستانی میں لکھے گئے هیں لیکن بحریں انگریزی هیں تاکہ ویسٹ منسٹر ایبے

یا سینٹ پال کے گرجاؤں میں ایک ھی راگ میں گاے جاسکیں، جیسا کہ پیرس کے لوتھری فرانسیسی الفاظ کو جرمانی لی میں لے آئے ھیں —

کچھہ دنوں قبل تک ھندوستانی کتابیں قلمی ھوتی تھیں کیونکہ مطبع عام نہیں ھوے تھے۔ ان کتابوں کے حروف کی نسبت یہ خیال ھے کہ یہ بھاری اور بے ڈول ھیں، نہ تو یہ خط پورا نستعلیق ھے جو اعلیٰ درجے کی قلمی کتابوں اور قطعات کے لئے استعمال ھوتا ھے اور نہ شکستہ اور نہ مشرقی خوش خطی اور نہ خوبصورت عنوانات اور زیبائش کے لئے موزوں ھے۔ خوشی کی بات ھے کہ ان دشواریوں کو سنگی مطبع نے رفع کردیا اور لوگوں نے اس کو بڑے شوق سے رواج دینا شروع کردیا ھے۔ سب سے پہلا لیتھوگراف مطبع سنہ ۱۸۳۷ع میں دھلی میں قائم ھوا اور سنہ ۱۸۵۴ع میں ممالک مغربی و شمالی کے شہروں میں ایسے مطابع کی تعداد ۳۴ تک پہنچ گئی تھی۔ شمال کے ھر شہر میں اور ھندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کے مطبع قائم ھوگئے ھیں۔ مثلاً صرف لکھنؤ اور کانپور میں ۲۳ ھیں جن میں کئی سو کتابیں چھپ چکی ھیں، ان میں سے بعض دس دس بار طبع ھوچکی ھیں۔ آگرہ گورمنٹ گزٹ بابت یکم جون سنہ۱۸۵۵ع میں تقریباً دوسو ھندوستانی مطبوعات کی فہرست دی تھی جس میں نقشے وغیرہ شریک نہ تھے، اور اگرچہ یہ ادب اور علوم و فنون پر ھندوستانیوں کے استعمال کے لئے محض ابتدائی کتابیں ھیں تاھم بعض ایسی ھیں جن سے علماے یورپ بھی اغماض نہیں کرسکتے، مثلاً انوار سہیلی اور گلستان کے خلاصے جو کریم الدین نے مرتب کئے ھیں؛ سفرنامۂ امین چند، جس میں پنجاب، کشمیر، سندہ، دکن، خاندیس، مالوا اور راجپوتانے کی سیاحت کا حال ھے، اور ایک کتاب چندو دپکا، جس کا علم اب تک یورپ کو نہ تھا، وغیرہ—

''ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' ایک قابل تعریف جماعت ھے جس نے ادبی معلومات اور لیتھو گرافی کی اشاعت میں بہت بڑا کام کیا ھے۔ اس انجمن کا پہلا سکرٹری ھمارا ھم وطن موسیو بوتروس (M. Boutros) تھا جو اُس وقت

دهلی کالج کا پرنسپل تھا - اس انجمن نے سنسکرت، عربی، فارسی کی اعلی درجے کی تصانیف نیز انگریزی کی مفید کتب کے دیسی زبان میں عمدہ ترجمے کرکے اهل هند کی بڑی خدمت کی هے —

چھپائی کے ذکر سے خود بخود میرا خیال ایک دوسرے مضمون کی طرف پہنچا جس کا تعلق بھی ایک طرح ادب سے هے اور جو پہلے ایشیا میں ناپید تھا مگر اب هندوستان میں ترقی کر رها هے - میرا مطلب پریس (اخبار و رسائل) سے هے جس کی حکومت روز بروز پھیلتی جاتی هے اور جس نے فارغ‌البال بے فکرے هندوستانی کو بھی اپنا غلام بنالیا هے - پانچ سال هوے کلکتے میں سوله اخبار ایسے تھے جو دیسی نکالتے تھے، یعنے پانچ فارسی یا هندوستانی میں اور نو بنگالی میں اور دو انگریزی میں* - کچھه دنوں تک مولوی نصیرالدین مارتنڈ اخبار شایع کرتے رهے جس کے پانچ کالم هوتے تھے اور جو پانچ زبانوں میں هوتا تھا، یعنے هندي، هندوستانی، بنگالی، فارسی اور انگریزي میں†، اور تھوڑے هی دن هوے که ایک دیسی اخبار خاص کر عورتوں کے لئے شایع هوا هے - بمبئی میں تین یا چار هندوستانی ‡ اخبار هیں جو عام طور پر سب هندیوں کے لئے هیں اور دو خاص مسلمانوں کے لئے، ان کے علاوہ چار گجراتی میں هیں جو پارسیوں کے لئے هیں اور دو مرهٹی میں مرهٹوں کے لئے - مدراس میں بھی کئی هندوستانی اخبار هیں $ اور اس سے زیادہ دهلی، میرٹھه، آگرہ، لاهور، بنارس اور لکھنؤ میں

---

* ولسن - دی ایتھینیم، دسمبر سنه ۱۸۴۸ ع —

† سنه ۱۸۴۶ ع میں —

‡ بمبئی کا هرکارہ، اخبار دفتر جزیرۂ بمبئی، تازہ بہار وغیرہ —

$ مرأۃالاخبار، قاصد مدراس وغیرہ —

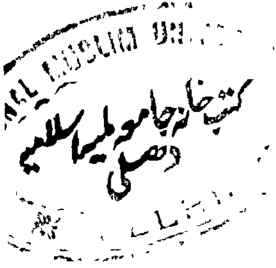
ھیں* - چند اخبار سری رام پور، کدار پور، مرزا پور، بھرت پور، ملتان، بریلی، اندور وغیرہ میں بھی ھیں —

اگر یہ اخبار آسانی سے یورپ میں پہنچ سکیں تو بہت سی دلچسپ معلومات ان میں ایسی ملیں گی جو ھمارے اخباروں میں نقل کرنے کے قابل ھوں گی اور جس پر ھوریس کا یہ قول صادق آسکتا ھے —

"یہ سب ایک دوسرے کو مدد دیں گے اور ان میں
باھم ایک خوش گوار اتحاد پیدا ھوجائے گا" —

---

* رپورٹ انجمن ترقی تعلیم دیسی زبان- سنہ ۱۸۴۵ع، از ڈاکٹر سپرنگر —





عمر خیام

از

(جناب سید حسن صاحب برنی، بی - اے، ال ال، بی (علیگ)

[یہ چھوٹا سا مضمون فرانسیسی مستشرق بیراں کرادے وو
(Baron Cara de Vaux) کی کتاب "محققین اسلام"
(Les Penseurs de l'Islam) جلد چہارم مطبوعہ
پیرس سنہ ۱۹۲۳ع صفحات ۲۶۳ - ۲۷۷ سے ماخوذ ہے، اور
رسالۂ اُردو کے لئے براہ راست فرانسیسی زبان سے ترجمہ
کیا گیا ہے —
"محققین اسلام ایک دلچسپ کتاب ہے، جس کے بعض
حصوں کا ہماری زبان میں ترجمہ ہوجانا یقیناً مفید
ثابت ہوگا - ہم کوشش کریں گے کہ انشاءاللہ وقتاً فوقتاً
اس کتاب کے بعض مضامین ناظرین کی خدمت میں
پیش کریں —
خیام کے متعلق اس قدر کثرت سے لکھا گیا ہے کہ اب وہ
ایک جداگانہ اور مستقل مبحث کی حیثیت رکھتا ہے -
غالباً یہ کہنا مبالغے میں داخل نہ ہوگا کہ اس مخصوص
مبحث پر اتنے تراجم، تصانیف، تالیفات و مضامین دنیا
کی مختلف زبانوں میں جمع ہوگئے ہیں کہ اُن سے ایک
کتب خانہ مرتب ہوسکتا ہے —

کرادے وو کا یہ مضمون گو نہایت مختصر ہے، لیکن
دلچسپی اور فائدے سے خالی نہیں ہے، اور اُس کا تنقیدی

پہلو کسی قدر ندرت لئے ہوے ہے—

اخیر میں یہ بتلادینا ضروری ہے کہ کرادے وو نے اس مضمون میں خیام کی فارسی رباعیات یا فارسی الفاظ نہیں لکھے ہیں اس لئے ہم نے بھی ترجمہ ہی پر اکتفا کی ہے] —

عمر خیام' رباعیات کا شہرۂ آفاق مصنف' تقریباً واحد مثال ایک ایسی ہستی کی ہے' جسے بحیثیت شاعر اور ریاضی داں کے اعلیٰ امتیاز حاصل ہے- وہ مشرق میں بمقابلہ رباعیات کے مصنف ہونے کے ایک فلسفی کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے- عمر خیام کی رباعیات کا ایک چھوٹا سا مجموعہ فٹز جرالڈ (Fitzgerald) انگریزی کے ترجمے کی بدولت ہم اہل مغرب میں کمال ہر دلعزیزی حاصل کرچکا ہے —

اس کا پورا نام "عمر بن ابراهیم الخیامی ہے اور وہ فارسی النسل تھا*- خیامی کے معنی خیمہ دوز کے ہیں- وہ سنہ ۴۳۰ ھ اور ۴۴۰ھ کے مابین پیدا ہوا اور سنہ ۵۱۷ ھ (۱۱۲۳ ع) میں اس نے نیشاپور میں وفات پائی- اس کے زندگی کے واقعات معدودے چند ہی معلوم ہیں- ایک قصہ مشہور ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں اس کی دوستی دو اور طالب علموں سے تھی جنھوں نے بعد میں بہت کچھ شہرت پائی- ان میں سے ایک نظام الملک تھا' جو آئندہ چل کر ملک شاہ سلجوقی کا

"خیام کی سوانح حیات حبیب السیر" مصنفۂ فارسی مورخ اخوند میر میں موجود ہیں- ویپک (Wœpcke) نے اس کے حالات "تاریخ الحکما" سے' جو حال ہی میں طبع ہوچکی ہے' اخذ کئے ہیں (دیکھو F. Wœpcke L' Algebre d' Omar al - کتاب الجبر والمقابلہ مصنفۂ عمر خیام مطبوعۂ پیرس (Khayyami, Paris, 1851, p. 5. سنہ ۱۸۵۱ع کا دیباچہ صفحہ ۵ —

خیام کی تصانیف کے لئے دیکھو "تاریخ عرب علماے ریاضی و ہیئات" مصنفۂ ایچ سوٹر H. Suter Die Mathematiker und Astronomer der Araber, Leipzig, 1900, p. 112-113).

وزیر هوا اور جس کے متعلق هم آئندہ چل کر کچھہ لکھیں گے- تینوں دوستوں نے آپس میں عہد کیا کہ اگر ان میں سے کوئی بڑے عہدے پر پہنچے گا تو وہ اپنی خوش‌حالی میں اپنے بقیه دونوں رفیقوں کو شریک کرے گا - ان میں نظام الملک پہلا شخص تھا٬ جو فائزالمرام هوا- اس نے اپنے وعدے کا ایفا کیا - حسن بن صباح کو اپنے سے وابسته کرلیا٬ اس نے اپنے آپ کو قابل اعتماد ثابت نہیں کیا- عمر خیام کو بھی نظام‌الملک نے عہدہ پیش کیا٬ لیکن اس نے انکار کردیا٬ اور صرت معمولی وظیفه قبول کرنے پر اکتفا کی٬ تاکه وہ خاموشی سے اپنے علمی و ادبی مشاغل میں مصروت رہ سکے- عمر خیام کا شمار ملک شاہ کے علماے هیئات میں هوتا هے اور ملک شاہ کے عہد میں سنه ۱۰۷۹ع میں جو اصلاح تقویم سرانجام پائی وہ اس کے ممتاز مہتممین میں سے تھا - سوٹر (Suter) نے زیادہ صحت کے ساتھہ لکھا هے که ملک شاہ نے سنه ۴۶۷ھ (۱۰۷۴ع) میں خیام کو دو اور مشہور ماهرین هیئات کے ساتھہ اپنی نو تعمیر رصدگاہ رے کا مہتمم مقرر دیا تھا - خیام نے مخصوص طور پر فارسی تقویم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اس طرح سنه جلالی کی٬ جوکه ملک شاہ کے لقب سے موسوم هے٬ بنیاد ڈالی —

عمر خیام کے عادات و اخلاق کے متعلق " تاریخ الحکما " میں حسب ذیل لکھا هے٬ جس کا ترجمه عرصه هوا ویپک (Wœpcke) کرچکا هے :—

" عمر الخیام٬ امام خراسان اپنے وقت کا علامه تھا اور یونانیوں کے علوم میں مہارت تامه رکھتا تھا - وہ حرکات بدنی کی پاکیزگی کے ذریعے سے نفس انسانی کے تزکیه کا داعی تھا اور سیاست مدنیه میں اهل یونان کے وضع کردہ قوانین کا التزام چاهتا تھا - خیام کے اشعار کے ظاهری مطلب سے متاخرین صوفیه نے واقف هوکر اس کے خیالات کو اپنے طریقوں میں منتقل کرلیا هے٬ اور اپنی مجلسوں اور خلوتوں میں ان پر بحث مباحثه کرتے هیں٬ لیکن اس کے اشعار کے باطنی معنی وسیع شریعت کے لئے بمنزلۂ حیات اور عملی فرائض کے لئے اصول کُلی کا مجموعه هیں" —

اس کے بعد اسی تذکرے میں لکھا ھے کہ خیام کے مذھبی خیالات سے اس کے معاصرین نہایت برھم تھے- آخرکار اس نے اپنی زبان اور قلم کی باگ کو روک لیا، حج کیا اور بغداد سے گذرتے ھوے ان لوگوں سے ملنے سے احتراز کیا جو اس کی طرح قدما کے علوم میں مشغول تھے- حج سے لوٹ کر رات دن عبادت میں مشغول ھوگیا اور اپنے اسرار اور اصلی خیالات کو مخفی رکھنے لگا —

ایک اور روایت کی رو سے جو کسی دوسری جگہ سے ماخوذ ھے کہا جاتا ھے کہ ایک نہایت بے دینی کے خیالات سے بھری ھوئی رباعی کے باعث خیام کا چہرہ سیاہ ھوگیا" جس کے یہ معنی ھیں کہ وہ ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ھوا اس لئے کہ قیامت کے دن بھی گناھگار روسیاہ ھوکر اٹھیں گے —

ایک اور روایت جو خوشگوار اور محبت کے جذبات سے مملو ھے خیام کے ایک شاگرد نے بیان کی ھے- یہ شخص ایک دن بمقام بلخ سنہ ۵۰۶ھ میں سراے بردہ فروشان میں "خواجۂ امام عمر خیام" سے جسے وہ "حجت الحق" کے لقب سے موسوم کرتا ھے ملاقی ھوا - اس وقت خیام کے ساتھ اس کا ایک ھم عصر عالم ھئیات بھی مقیم تھا- دوران کلام میں خیام نے کہا کہ "میری قبر ایک ایسی جگہ ھوگی جہاں سال میں دو مرتبہ درختوں سے پھول برسا کریں گے- کئی برس بعد سنہ ۵۳۰ھ میں یہی شاگرد نیشاپور آیا اور خیام کی زیارت کو گیا - وہ لکھتا ھے "چند سال گذر چکے تھے کہ یہ بزرگ نقاب خاک میں روپوش ھوچکا تھا اور دنیا اس کے وجود سے محروم ھوچکی تھی"- وہ گورستان واقع حیرہ میں جوکہ نیشاپور کا ایک بڑا محلہ تھا اور مرو کے راستے پر واقع تھا پہنچا تو سیدھے ھاتھ کی طرف اس نے دیکھا کہ قبر باغ کی دیوار کے نیچے واقع ھے، امرود و زرد آلو کے درخت دیوار کے باھر پھیلے

* دیکھو چار مقالہ ایڈیشن براؤن صفحہ ۷۱ - یہ امر قابل توجہ ھے کہ جس لقب (حجۃالحق) سے خیام کو نامزد کیا گیا ھے وہ وھی ھے جس سے غزالی بھی مشہور ھے—

ھوے ھیں'اورقبر پر اس قدر پھول بکھرے ھوے ھیں کہ قبر کی تمام سطح ان سے چھپی ھے --

---

فٹز جرالڈ (Fitzgerald) کی انگریزی رباعیات' جو خیام سے ماخوذ ھیں' شاید خیام کے فلسفے کو صحیح طور پر پیش نہیں کرتی ھیں* ان سے زیادہ تر فلسفۂ خیام کا یاس آمیز و غمناک پہلو تو نمایاں ھوتا ھے' لیکن فلسفۂ خیام کی عمیق و موثر طنز کا بہت کم احساس ھوتا ھے —

سوٹر (Suter) نے میرے خیال میں خیام کو بہتر طور پر سمجھا ھے اور اس کے متعلق حسب ذیل راے ظاھر کی ھے :-

"خیام ایک ممتاز حکیم تھا' جو کہ علوم قدیمہ میں مہارت تامہ رکھتا اور "ھمہ اوست" کے خیالات کی طرف مایل تھا - وہ ایک تلخ نوا نکتہ چین ھے' جس نے اپنی رباعیات میں مذھب اور دینیات کے کمزور پہلوؤں پر حملہ کیا ھے" —

ویپک (Wœpeke) نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ھے' وہ کہتا ھے :-

"خیام اپنی رباعیات کے باعث' جو فارسی میں لکھی ھیں' لامذھب اور رند

---

* ھیرن ایلن (Heron Allen) کی رباعیات عمر خیام کے ایڈیشن مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۹۹ع میں فٹز جرالڈ (Fitzgerald) کی رباعیات کے ساتھ ساتھ خیام کی رباعیات اور ان کے ترجمے دیے ھوے ھیں- خیام کی رباعیات کا صحیح صحیح ترجمہ فارسی زبان سے جے پالن (J. Pollen) نے سنہ۱۹۱۵ع میں اور انگریزی نظم میں (John Payne) نے کیا ھے' جس کا مخصوص اور محدود ایڈیشن ولن سوسائٹی (Villon Society) کے لئے شایع ھوا ھے- فرانس میں بھی ایک مخصوص و محدود ایڈیشن جنگ سے قبل شایع ھوا تھا- حال ھی میں ایک چھوٹی تقطیع کا ایڈیشن گرولے (Grolleu) نے باڈلین (Bodlein) کے قلمی نسخے سے بمقام پیرس سنہ ۱۹۲۴ع میں شایع کیا ھے —

مشہور ہے، لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئیے کہ دیکارت (Descarte) کے متعلق بھی ایک تند خو پادری نے جس کا نام ریکٹر وویت (Rector Woet) تھا اور جو یوٹریخت (Utrecht) کی یونیورسٹی سے تعلق رکھتا تھا، ایسے ہی اعتراضات کئے تھے"—

رباعیات کے علاوہ خیام کا ایک فلسفیانہ رسالہ "وجود" کے متعلق برلن میں موجود ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ بعض اوقات اس شاعر کی طنز بجاے مذہب پر حملہ کرنے کے زیادہ تر اُن طریقوں پر ہوتی ہے جو مذہب کے نام سے اختیار کئے جاتے ہیں، چنانچہ ایسی رباعیات موجود ہیں، جن کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ "ایسے ناکارہ طریقوں کو دیکھتے ہوے تو ہم بآسانی رندبن سکتے ہیں —

خیام کی جدت کیا ہے؟۔ اس کا طے کرنا مشکل ہے۔ اس نوعیت کے خیالات خیام سے پہلے بھی موجود تھے، بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ خیام کے قریبی زمانے میں متداول ہوچکے تھے —

ہر دو علماے متذکرہ صدر (یعنی موتر اور ویپک) نے نیز اُن عرب مصنفین نے، جن کی کتابوں میں خیام کا تذکرہ پایا جاتا ہے، اس بات پر خاص طور سے زور دیا ہے کہ خیام علوم قدیمہ سے بہرہ اندوز ہوا تھا، لیکن متقدمین میں دینیات کے خلاف جنگ کرنے کے وجوہ ہنوز وجود میں ہی نہیں آئے تھے —

خیام ایران قدیم کے ساتھہ وابستگی خاطر رکھتا تھا۔ بہت سے الفاظ اور تشبیہات و استعارات اُس دور سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً "مے مغانہ" جو عمدگی و خوبی کا ہم معنی ہے، "آئین مشتری و پروین" "از ماہ تا بماہی" "براق خیال" "بلبل کی پہلوی زبان میں نغمہ سرائی" "جوے کوثر" "بہرام و جمشید" "رستم و زال" "مملکت کاؤس" "پادشاہی فریدون" "تاج کیخسروی" "بلخ و بابل" (بغداد) وغیرہ —

ایک رباعی میں لکھتا ہے ۔ "اے بادشاہ ستاروں نے تجھے تخت خسروی کا مالک بنایا ہے اور تیرے واسطے رخش شاہی پر زین کسا ہے جب تیرا گھوڑا لعل زرین کے

ساتھ جنبش کرتا ہے اور گام زن ہوتا ہے تو زمین زرین ہوکر رہ جاتی ہے۔ ان تمام موقعوں پر محسوس ہوتا ہے کہ یونان و ایران قدیم کی طرف خیالات کا رخ ہے۔ خیام کے شکوک دو قسم کے ہیں اور دونوں قسمیں "تصوف" سے مطابقت رکھتی ہیں؛ پہلی قسم میں مذہبی رسوم کی مفید ہونے میں شک کیا گیا ہے اور دوسری قسم میں امور مذہبی کی بابت عملی اور عقلی دلائل کی بے مایگی ظاہر کی گئی ہے—

رسوم کے متعلق طنز بلکہ تقریباً تنفر آمیز ہجو کا اظہار خلوص دل سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے متعلق انکار نہیں کیا جاسکتا۔—

"میں نماز و روزہ کی ادائگی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا" اور پھر بھی یقین کرتا ہوں کہ میں نجات پاؤں گا۔ یہ وضو میری رنگ رلیوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور یہ روزہ شراب کی آدھی پیالی سے"۔ "ماہ رمضان نمودار ہوگیا اور اب شراب پینے کا موقع نہ ملےگا" میں شعبان کے اختتام پر اس قدر شراب پیوں گا کہ تمام ماہ رمضان مست رہوں"—

"تیرے ساتھ پوشیدہ طور پر مے خانہ میں سرگوشی کرنا محراب میں نماز ادا کرنے سے بڑہ کر ہے"—

"لوح و قلم، بہشت و دوزخ تیرے اندر موجود ہیں"—

بہشت وہ ساعت ہے جب کہ مجھے سکون خاطر حاصل ہو"—

یہ مضامین جن کی تصوف کے خیالات سے بھی تاویل کی جاسکتی ہے مذہبی جذبے کی باطنی حیثیت اور ظاہری رسوم کی لغویت کو ظاہر کرتے ہیں۔ بہر حال یہ امر ظاہر ہے کہ رسم و رواج کا پاس اس مضمون میں بھی موجود ہے جہاں خیام کہتا ہے کہ ماہ رمضان میں شراب پینے کا موقع نہ ملے گا، حالانکہ اسلامی شرع شراب نوشی کی کسی وقت اجازت نہیں دیتی—

ذیل میں "مسئلۂ تقدیر" کے متعلق چند طنزیہ رباعیات درج کی جاتی ہیں ان رباعیات میں طرز بیان یہ ہے کہ انسان خدا کو مخاطب کرتا ہے :-

"تونے گناہ کو مقدر کیا ہے؛ گناہ کا سرزد نہ ہونا قصور ہوگا"—

مقصود اس امر کا احساس کرانا ہے کہ اس بارے میں مذہبی اعتقاد مہمل ہے یا یہ کہ ایسے معاملات میں استدلال بے کار ہے؛ ان بعد کی رباعیات میں لہجہ درشت بے باکانہ اور مضبوط ہے:-

"تو جانتا ہے کہ گناہ سے باز رہنا ناممکن ہے اور تو اُسے ممنوع قرار دیتا ہے؛ قدرت کے اس آئین اور تیری ممانعت کے درمیان ہم حیران و مایوس کھڑے ہیں"-

" خیر و شر، لذت والم، جو ہمارے مقرر ہوچکے ہیں انہیں آسمان کی طرف منسوب نہ کرو، آسمان ہزار درجہ زیادہ معذور ہے"—

خدا آفرینش خلق سے ہی جانتا تھا کہ شراب پیوں گا، اگر میں نہ پیوں تو خدا کا علم جہل قرار پاجائے گا" —

عقل و حکمت کی قدر و قیمت کے متعلق خیام کے شکوک حسب ذیل چند اشعار سے صاف طور پر ظاہر ہوتے ہیں:-

"وہ لوگ جو کہ محیط فضل و آداب ہیں اور اپنے کمال کی وجہ سے شمع اصحاب بنے ہوے ہیں، وہ اس شب تیرہ کے باہر ایک قدم نہیں جاسکتے انہوں نے ایک افسانہ سنایا اور سوگئے" —

ابد اور ازل کے متعلق یہ بحثیں کب تک کی جاوینگی - یہ شراب نوشی کا وقت ہے، حکمت و کتابوں کے متعلق مباحثوں کو چھوڑو؛ مشکل مباحث کا حل شراب میں مل جاتا ہے- اس رباعی میں دینیات کی بعض اصطلاحات آگئی ہیں—

ایک اور رباعی - " شراب پی یہ تیرے غم کو دور کردے گی اور ہفتاد دو ملت پر غور کرنے سے روک دے گی " —

" حضیض خاک سے اوج فلک تک میں نے تمام عقدے حل کر ڈالے اور دھوکوں اور غلطیوں سے بچ گیا ، لیکن تقدیر کے پھندوں سے رہائی نہ پاسکا " -

اس وقت میں اُن مقامات کو نظر انداز کرتا ہوں جن میں زیادہ تر زندگی

کی عام غمناکی، ایام گذشتہ اور موت کی یاد اور اشیا کی یاس انگیز کیفیت بیان کی گی ہے اور جن میں بے ثبات و چلد روزہ زندگی کو داعی موت سے مقابلہ کر کے دیکھا گیا ہے - ان اشعار کی خوبی آسانی سے معلوم ہوجاتی ہے لیکن خیام کے کنایات و تشبیہات کے متعلق کچھہ بیان کردینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا —

دو چیزیں جن کا خیام کے مختصر مجموعۂ رباعیات میں بار بار ذکر آتا ہے شراب اور مٹی (گِل) ہیں - شراب اسلام میں ممنوع ہے، وہ نمایاں حصہ جو شراب کو دیا جاتا ہے ظاہر کرتا ہے کہ اسی قسم کی شاعری کا آغاز قبل اسلام ہوچکا تھا - شراب کی دو توجیہات کی جاسکتی ہیں، یا تو اُس سے مقصود اس دنیا کی لذات ہیں یا اُس سے منشا ہستی بالاے عشق کرنے کی حیات بخش لطف و گرمی سے ہے - میخانے سے مراد صوفیہ کے جمع ہونے کی جگہ ہے اور ساقی سے مطلب بمعنی ذات باری بحالت کرم گستری و رحمت ہے یا اُس سے مطلب کسی ایسی ذات سے ہے جسسے روح سے اتصال ہوسکے - شراب کا کنایہ قدیم ہے حتیٰ کہ اس کا وجود اناجیل میں بھی پایا جاتا ہے بالخصوص نغمات سلیماں " Contiques des Contiques " میں جہاں انگور اور شراب کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے - یہ امر معلوم ہے کہ اسلام سے بہت پہلے انگور نے مسرت ومحبت انسانی کی حیثیت سے اس نظم میں ایک باطنی تفسیر پالی تھی اور گویا قدیم سے ایک روایت اس قسم کی موجود تھی جس سے ایسے معنے نکا لے جاسکتے تھے - یہ امر بھی توجہ کے قابل ہے کہ مٹی اور اُس کے برتن جن سے مراد انسان کا جسم ہے ایک ایسا کنایہ ہے جو انجیل میں موجود ہے یعنے خدا نے انسان کو خاک و گل سے بنایا ہے - علاوہ ازیں یہ بھی خیال کیا جاسکتا ہے کہ شراب کا مضمون بعض قدیم یونانی اور عیسوي مراسم سے جہاں شراب کام میں آتی تھی ماخوذ کیا ہے —

دیگر تشبیہات و کنایات کم تعداد میں استعمال ہوے ہیں لیکن خوب ہیں۔ بعض کا تعلق قدیم یونان سے اور کچھہ کا تعلق قدیم ایران سے ہے۔ "سورج کے وحشی گھوڑے" "رات دن کے گھوڑے" "شمع و تاریکی" میرا دل تاریک ہے، تیری شمع و ضیا کہاں ہیں"؟۔ گنبد آسمانی کو کف سر نگوں سے، جسم کو خیمہ سے، جسے قضا و قدر کھڑا کرتے اور گراتے ہیں، روح کو سلطان سے، دنیا کو کاروان سرا سے، زندگی کو کارواں سے، تشبیہ دی ہے —

اور مثالیں ہیں "درخت حیات"۔ "پرند شادمانی"۔ "سلاسل تقدیر"۔ "عقدۂ ازل و ابد"۔ "قدح موت"۔ "پردۂ اسرار" —

شراب کیمیاگر ہے، موجودات عالم پیالۂ وجود میں شراب کے بلبلے ہیں — بعض استعارات جو کھیلوں سے لئے گئے ہیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔ اسپ قضا، چوگان کے بعض جزئیات، اور فانوس خیال کا مشہور خیال (جو ابن الفرید کے یہاں بھی آیا ہے) :-

یہ آسمان کا گنبد جہاں ہم سرگرداں ہیں فانوس خیال ہے (فانوس یونانی لفظ ہے)۔ سورج شمع ہے، اور دنیا فانوس ہے اور ہم تصاویر ہیں جو اُس میں گردش کرتے ہیں —

شطرنج سے : "ہم مہرے ہیں اور آسمان مہرہ باز ہے اور بساط وجود پر ہمارے ساتھہ بازی کھیلی جاتی ہے"۔ خیام کی مقدر پرستی اور ذہانت کا پتہ ان چند مثالوں سے بھی ظاہر ہوجاتا ہے —

عمر خیام ہم (اہل مغرب) میں دیگر مصنفین رباعیات کے مقابلے میں سب سے زیادہ مشہور ہے، لیکن وہ اس صنف کلام کا واحد یا مشرق میں سب سے زیادہ مقبول مصنف نہیں ہے۔ اُس کے علاوہ اور بھی متعدد شعرا نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اکثر نامور شعرا نے جن کا کلام دیگر اصناف میں زیادہ مشہور ہے،

رباعیات لکھی ھیں۔ مثلاً حافظ، جامی، سعدی۔ ایران میں پہلے ھی سے رباعیات کا معقول سرمایہ فراھم ھوچکا تھا —

ھمارے زمانے کے ایک ذی علم ایرانی موسیو حسین آزاد نے جو پیرس میں مقیم ھے، ایک ایسا مجموعہ شایع کیا ھے اور خیام کے کلام کا بعض دیگر موزوں انتخابات سے مقابلہ کیا ھے۔ ان میں سے اکثر رباعیات تو معرفت میں ھیں، لیکن بعض جو مختلف اور بعید دوروں سے تعلق رکھتی ھیں، شکوک کا لہجہ لئے ھوے ھیں —

بعض دیگر حکماے مشرق نے خیام کی طرح رباعیات لکھی ھیں، یہ مشغلہ اُن کے لئے شدید دماغی محنت سے چھوٹنے پر بطور تفریح طبع کے کام دیتا ھوگا۔ مثلاً ناصرالدین طوسی اور ابن سینا —

ناصرالدین طوسی کی اس رباعی میں عام شک کے ساتھہ وحدت کے خیالات کو پیش کیا گیا ھے: —

ھستی حقیقی اول و واحد ھے، باقی سب وھم و خیال ھے، اُس کے علاوہ تمام چیزیں جو ھمارے سامنے آتی ھیں چشم احول کا فریب نظر ھیں —

طوسی کی ایک دوسری رباعی ھے :—

"جن لوگوں نے کہ راستہ دیکھا ھے اور روانہ ھوچکے ھیں، انھوں نے کسی کو یقینی نشان نہیں دیا، وہ تو جا چکے۔ اس عقدے کو کسی نے حل نہیں کیا، بلکہ ھر ایک نے ایک پیچ اور افزوں کردیا، اور سب رخصت ھوگئے" —

یہ اخیر رباعی بالکل خیام کے رنگ میں ھے

ذیل میں ایک اور رباعی ابن سینا کی لکھی جاتی ھے، جو ندرت سے خالی نہیں ھے، اور جس میں تقدیر پرستی اور اخلاقی تشکک کا اظہار کیا گیا ھے :—

ھم اپنے آپ کو خدا کی رحمت پر چھوڑتے ھیں، اور طاعت و جرم سے بری ھوتے ھیں؛ جہاں خدا ھے وھاں اس کی رحمت بھی ھے، اور اس کی رحمت کے سامنے کردہ

ناکردہ اور ناکردہ کردہ ھے'' —

اس رباعی کا جواب ایک دوسرے شاعر ابوالخیر نے اس طرح دیا ھے :-

''اے شخص جس نے نیکی نہیں کی ھے اور بدی ھی کی ھے اور خدا کے کرم پر بھروسہ کرتا ھے' بخشایش کی توقع نہ رکھہ اس لئے کہ ایسا کبھی نہیں ھوتا کہ ناکردہ کردہ اور کردہ ناکردہ ھوجاے'' —

ناصرالدین طوسی کی ایک اور رباعی ھے' جس میں اس نے تقدیر پرستی' قسمت اور ھرچہ بادا باد کے خیال کو ظاھر کیا ھے :-

''اگر یقین کی آنکھہ میں قصور نہیں تو عیسائی کو گرجا جانے دو' اس کے لئے یہی حج ھے - اگر تیری ابرو سیدھی ھے تو اسی حالت میں اس میں خم ھوگا''—

عجیب ترین رباعیات میں سے ناصرالدین طوسی کی وہ رباعی ھے' جس میں اس نے خیام کو جواب دیا ھے - اس رباعی میں طوسی نے مذھبی لہجہ اختیار کیا ھے' جو اُس کی مندرجہ بالا رباعی سے مختلف ھے- اس سے ظاھر ھوتا ھے کہ اکثر رباعیات محض ادبی مشق کا نمونہ تصور کی جاسکتی ھیں (یعنی یہ ضروری نہیں کہ وہ لکھنے والے کے صحیح خیالات کا آئینہ یا حقیقی جذبات کی ترجمان ھوں) —

خیام نے اخلاق کے مقدر ھونے' یعنی اس مسئلے پر کہ خدا کو بدی کا پہلے سے علم تھا اور اس وجہ سے بدی ناگزیر ھے' لکھا تھا :-

''میں شراب پیوں گا' اور جب تک کہ اپنے ھوش میں ھوں' قدرتی امر ھے کہ میں شراب پیوں - اس لئے کہ خدا کو ازل سے اس کا علم تھا کہ میں شراب پیوں گا' اور اگر میں نہ پیوں گا تو اس سے علم خداوندی کا بطلان ھوگا''. اس کا جواب طوسی نے اُسی قافیہ میں دیا ھے :-

کوئی سمجھدار ایسا دعویٰ نہ کرے گا' اس دلیل کی تردید سہل ھے- علم ازلی کو گناہ کا سبب قرار دینا سمجھدار کے لئے کمال جہل کی دلیل ھے''—

لیکن یہ ظاھر ھے کہ یہ جواب واقعی تردید ھونے کی بجاے خوش اعتقادی کے

اظہار سے زیادہ تعبیر کیا جاسکتا ھے۔ ابن سینا نے بحیثیت طبیب کے قانون میں شراب کی تعریف کی ھے، بشرطیکہ اعتدال سے پی جاے وہ لکھتا ھے :-

''تین قسم کے لوگ ھیں جو شراب پیتے ھیں، بادشاہ، طبیب اور رند۔ بادشاہ اس لئے پیتا ھے کہ اُس سے سرور حاصل کرے، طبیب اس لئے پیتا ھے کہ اُس کی خاصیتیں معلوم کرے اور رند اس لئے پیتا ھے کہ یہ اُس کی فطرت میں داخل ھے'' —

پھر ابن سینا نے اس قول پر ان اشعار کا اضافہ کیا ھے :-

"شراب ایک طبیب کی طرح پی۔ اس طرح پی جس طرح کہ ابن سینا پیتا ھے، تو پھر تو ایک دیوتا کی طرح ھوجائیے گا'' —

یہاں شاید اُس روایت کی طرف اشارہ ھے، جس میں اُس وعدے کا ذکر ھے، جو انجیل میں ثمر ممنوعہ کے متعلق سانپ نے حوّا سے کیا تھا —



میر طاھر

از

[محمود علی خاں صاحب ، فرخ آبادی]

آج ھم ایک ایسے بزرگ کا حال لکھنا چاھتے ھیں جن کے کلام کی فصاحت کا لوھا، دھلی، لکھنؤ، رامپور اور حیدرآباد کے اُستادان فن مان گئے تھے۔ جن کی تعریف میں جناب اذھم لکھنوی فرماتے ھیں۔ "میرے نزدیک کیا اکثر کے نزدیک بعد امیر مرحوم کے آپ ھی کا دم ھے۔ اس رنگ اس طرز میں کہنے والا سوا آپ کے اب کوئی نہیں ھے" ۔ جن کو خود جناب امیر مینائی "چیدہ چیدہ شاعروں میں" سمجھتے تھے اور "کہن مشق خوش فکر شاعر" کہتے تھے۔ جن کی نسبت جناب عروج لکھنوی نے فرمایا تھا کہ "تم مجھ کو نعمت غیرمترقب مل گئے ھو"۔ جن کے بارے میں حضرت جلیل مانک پوری نے تحریر فرمایا ھے کہ "موجودہ شعرا کی صف اول میں حضرت طاھر کی نشست ھے اور ایسے ھی کہنہ مشق شعرا سے غزل گوئی کا نام باقی ھے" اور جن کی رائے کی وہ اتنی وقعت کرتے تھے کہ لکھتے ھیں "میرے کلام کو آپ پسند فرماتے ھیں۔ میں اپنے لئے اس کو سرمایۂ مباھات سمجھتا ھوں" ۔ جن کی نسبت شمشیر بہادر اخگر لکھتے ھیں کہ "آپ کے سوا پرانے باکمال و نامور شاعروں میں کوئی ھے بھی تو نہیں ۔ امیر و جلال آپ کے مداح تھے تو اورحضرات کیوں نہ قدر کریں" ۔ جن کے بارے میں ناظم علی خاں اڈیٹر زبان اُردو شاھجہاں پور لکھتے ھیں کہ "حضرت استادی مرحوم (فصیح الملک داغ دھلوی) بھی آپ کی تعریف کیا کرتے تھے"

یہ انھیں کا شعر ہے جو بالکل استاد داغ کے رنگ میں ہے :—

مینہ برستا ہے تو تر تر کے لپٹ جاتے ہیں
برق کے ساتھہ چمکتا ہے نصیبا اپنا

میر طاہر علی صاحب طاہر فرخ آبادی کے بزرگ رضوی سید تھے - نیشاپور سے ہندوستان آئے تھے اور ”نواب وزیر الممالک کے متوسل“ ہو کر قصبہ موہان میں آباد ہوئے - ان میں سے اکثر حاذق طبیب، فن سپہ گری میں کامل اور شاعری، نثاری و خوشنویسی کے ماہر گذرے ہیں - اور شاہی زمانے میں اعلی اعلی منصبوں پر فائیز رہ چکے ہیں - اُن کے دادا سید مطہر علی زار تخلص کرتے تھے - عموماً فارسی میں اور کبھی کبھی اُردو میں کہا کرتے تھے - فن تیر اندازی اور بانک سے بے انتہا شوق تھا - سرکار انگلشیہ کی نوکری کے سلسلے میں کانپور آئے اور نواب گنج میں جہاں غدر سے پہلے کچہریاں اور سرکاری دفاتر وغیرہ تھے مستقل سکونت اختیار کرلی - میر صاحب کے والد کے حقیقی نانا حکیم مہدی علی جہاں آبادی سرشتہ داری کے سلسلے میں کانپور ہی میں مقیم تھے - فارسی کے شاعر تھے اور ملتمس تخلص کرتے تھے - ان کے ہاں ہر ماہ زبردست مشاعرے ہوا کرتے تھے - ایک مصرع طرح فارسی کا اور ایک اُردو کا رکھا جاتا تھا - کبھی کبھی شیخ امام بخش ناسخ بھی تشریف لاتے تھے - آپ کی موجودگی میں مشاعرے اور بھی با رونق ہوجاتے تھے - حکیم مہدی علی کے منجھلے صاحبزادے حکیم محتشم علی محتشم جہاں آبادی بھی فاضل بے بدل اور طبیب حاذق گذرے ہیں —

کانپور ہی میں میر صاحب کے والد سید اطہر علی پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی - آپ بھی خوشنویس اور شاعر تھے اور اطہر تخلص کرتے تھے - آپ کو مرزا خانی نازش سے تلمذ حاصل تھا - وہ نازش جو مرزا رجب علی بیگ سرور کے بھی استاد تھے - آپ کے چند اشعار مسٹر حامد علی خاں بیرسٹر لکھنؤ

نے دسمبر سنہ ۱۹۰۹ ع کے "معیار" میں میر طاہر سے نقل کئے ہیں ، درج ذیل ہیں —

دست ساقی سے جو شیشہ سر محفل ٹوٹا
چونک اُٹھا میں یہ سمجھا کہ مرا دل ٹوٹا

برا لاکھہ اس کو کہئے وہ کسی کو کچھہ نہیں کہتا
یہی تو ایک اچھی بات پائی ہم نے اطہر میں

لگاد یتے ہیں آہ آتشیں سے آگ پانی پر
یہ دیکھو دل جلوں کا شعبدہ بے لاگ پانی پر

حباب آسا کریں کسواسطے کھتراگ پانی پر
یہ کشتی عمر کی جاتی ہے بھاگا بھاگ پانی پر

اس کے علاوہ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ ع کے "نیرنگ" رامپور میں شاداں لکھنوی نے ان کے چند اور اشعار لکھے ہیں ، سنہ ۱۸۹۴ ع میں میر مہدی حسن مخلص کا دیوان شایع ہوا تھا ، اس میں مخلص نے جناب اطہر کی دو غزلوں کو تضمین کیا تھا ۔ شاداں نے ان سے صرف تین شعر اقتباس کر کے لکھے ہیں —

پڑا ہے میکدہ میں غل تری چشم پر افسوں کا
جگر اس رشک سے پانی ہوا صہبائے گلگوں کا

سراسر زلف پیچاں کا بھرا سودا مرے سر میں
پریشانی ھی لکھی تھی مگر میرے مقدر میں

وہ دیکھہ آئینہ خود عاشق ھوا ھے اپنی صورت کا
مرا محشر کو ھوگا ھاتھہ داماں سکندر میں

میر اطہر علی کی شادی فرخ‌آباد میں میر جان صاحب کی صاحبزادی سے ھوئی تھی - میر جان مرحوم بخارا کے سید تھے اور خود شجاع‌الملک والی کابل کے ھمراہ ھندوستان آے تھے ؛ ذریعہ معاش ان کا تجارت تھا —

میر طاھر علی سنہ ۱۸۴۰ ع کانپور میں پیدا ھوے - ابتدا میں مولوی لطف احمد آسبزنی آپ کو پڑھاتے رھے - آپ کے والد کے اھتمام سے ھر ماہ مشاعرے ھوا کرتے تھے - میر صاحب بھی بیٹھہ کر سنا کرتے تھے - جس وقت آپ کی عمر آٹھہ برس کی تھی اور کریما ' ماقیماں پڑھتے تھے تو ایک دن مولوی صاحب مکتب سے کہیں چلے گئے - لڑکوں کو جو موقع ملا تو شاعری کی ٹھیری - میر صاحب کی سمجھہ میں نہ آتا تھا کہ کیونکر کہیں اور کیا مضمون باندھیں - اتفاق سے آپ کی نظر سامنے زینے کی جانب گئی ' زینے میں بہت تاریکی تھی اور جب کبھی میر صاحب اس پر چڑھتے تھے تو ڈرا کرتے تھے - آپ زینے کی طرف دیکھہ ھی رھے تھے کہ بے اختیار یہ مصرعہ زبان پر آگیا ع :-

کالی بلا کو دیکھہ مرا جی دھل گیا

خود استعداد لکھنے کی نہ تھی' اپنے چچا میر حامد علی سے جو ھم مکتب تھے لکھنے کو کہا ' انھوں نے انکار کیا- غرضکہ اسی رد و قدح میں مولوی صاحب آگئے- پوچھا کیا باتیں ھو رھی‌ھیں' میر حامد علی نے کہا کہ طاھر نے شعر کہا تھا انھوں نے پوچھا کیا کہا ھے- میر صاحب نے ڈرتے ڈرتے مصرعہ پڑھا- مولوی صاحب ھنسے اور فرمایا- "کیوں نہ ھو' آخر ھو کس باپ کے بیٹے"- شام کو جب میر اطہر کچہری سے آئے تو مولوی صاحب

نے فرمایا "حضرت۔ آپ تو شعر کہتے ہی ہیں، آپ کے صاحبزادے بھی شاعر ہیں، آج ایک مصرعہ کہا ہے"۔ میر اطہر نے بہت اصرار سے سنا اور بولے "جب تک سرمایۂ علم حاصل نہ کرلو، شعر کہنے کا ارادہ نہ کرنا"۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد والد کا سایۂ عاطفت ان کے سر سے اُٹھ گیا۔ اس غم میں ان کی دادی بھی چند ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں۔ میر مطہر علی کو اس کمسنی میں تلاش معاش کی غرض سے لکھنؤ جانا پڑا، وہاں ملکہ زمانیہ کے یہاں ملازم ہوگئے۔ چند روز کے بعد انھوں نے بھی انتقال فرمایا۔ اس کے بعد حکیم مہدی علی بھی چل بسے۔ میر اطہر علی کے مرتے ہی نواب‌گنج کی کچھ ایسی خانہ ویرانی ہوئی کہ خاک اُڑنے لگی، گویا خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔ میر طاہر جہان آباد کی جائداد سے محجوب الارث ہوچکے تھے اس لئے ان کی والدہ طاہر، ان کی چھوٹی بہن اور ایک خادمہ کو لے کر فرخ آباد اپنے بھائی میر مغل کے پاس چلی آئیں۔ میر طاہر نے اس وقت گلستاں شروع کی تھی۔ یہاں کوئی سرپرست تو تھا نہیں اس لئے پڑھنا لکھنا یک لخت موقوف ہوگیا۔ لیکن اتنا غنیمت تھا کہ مزاج میں آوارہ گردی نہ تھی، گھر ہی پر کبوتر اُڑایا کرتے یا کنکوے لڑاتے۔ چونکہ سات آٹھ برس کی عمر ہی سے موزوں طبع واقع ہوئے تھے اس لئے کنکوؤں پر شعر کہہ کہہ کر لکھ دیا کرتے تھے۔ مثلاً :-

یہ آواز دیتا ہے مثل نقیب کہ نصر من اللہ فتح قریب

جب تیرہ چودہ برس کا سن ہوا تو ایک دن کا واقعہ ہے کہ محلے میں مرزا حسن علی بیگ سے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں نواب رئیس کے ہاں کا حصہ لئے ہوئے ایک شخص آیا اور مرزا صاحب کے ہاتھ میں فرد دے کر محلے کے نام دریافت کرنے لگا۔ مرزا صاحب چونکہ ناخواندہ تھے اس لئے میر صاحب کی طرف بڑھادی۔ ایک نام تو مرزا صاحب ہی کا تھا وہ تو انھوں نے بآسانی پڑھ دیا، دوسرا نام میر امام علی کا تھا، یہ شکست میں لکھا تھا اور چونکہ انھوں نے اب تک صرف نستعلیق میں لکھی ہوئی کتابیں دیکھی تھیں یہ نہ پڑھ سکے۔ سامنے ایک گولہ انداز کا لڑکا کھیل رہا تھا، مرزا صاحب نے اسے پکارا۔ اس نے فرد ہاتھ میں لیتے ہی فوراً نام

چھڑا دیا۔ مرزا صاحب نے اسے شاباشی دی اور انھیں خوب شرمندہ کیا۔ یہ بات ان کے دل میں بہت کھٹکی کہ ایک لڑکا جس کے والدین لکھے پڑھے نہ ہوں ایک ایسے شخص سے بازی لے جائے جس کے بزرگ علم و فضل میں یگانۂ روزگار رہ چکے ہوں۔ دوسرے روز اس لڑکے کے پاس جاکر انھوں نے دریافت کیا کہ تم کہاں پڑھتے ہو۔ اس نے کہا کہ میر جعفر علی کے پاس۔ انھوں نے کہا میں بھی تمھارے مولوی صاحب سے پڑھنا چاہتا ہوں؛ دوسرے روز وہ لڑکا انھیں بھی اپنے ساتھ لیتا گیا اور مولوی صاحب سے تقریب کرادی۔ مولوی صاحب بخوشی پڑھانے پر آمادہ ہوگئے۔ ابتدا میں تو چند روز اکثر ان پر خفا ہوے کہ تم نے پڑھا ہوا سبق ایا۔ بعد میں ان کی ذہانت معلوم کرکے بہت مسرور ہوے اور نصاب الصبیان و چہار گلزار شروع کرادیا۔ طاہر مکتب ہی میں اکثر شعار موزوں کیا کرتے تھے اور مولوی صاحب کو بھی اس کا علم تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ عیدالفطر کے موقع پر عیدیاں کہنے کی فرمائش کی، انھوں نے تعمیل ارشاد میں دو عیدیاں کہہ کر پیش کردیں جو مولوی صاحب نے نہایت پسند کیں۔ ایک دن ایک غزل کہہ کر دکھائی تو مولوی صاحب نے اشعار کی تو تعریف کی لیکن یہ کہا کہ ان میں قافیہ نہیں ہے۔ آپ نے تعجب سے دریافت کیا کہ قافیہ کسے کہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے سمجھایا تو یہ نہایت آزردہ خاطر ہوے کہ یہ پابندی تو بڑی مشکل ہے۔ چنانچہ اسی خیال سے بہت دنوں تک کچھ نہ کہا۔ اتفاق سے "تلوار مجھے"۔ "بیمار مجھے" کی طرح پر شہر میں مشاعرہ تھا۔ آپ نے بھی ایک غزل کہی، مطلع ملاحظہ ہو:-

زندہ چھوڑے گی نہ تیغ نگہ یار مجھے موت کے گھاٹ اتارے گی یہ تلوار مجھے

غزل کہہ کر مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ انھوں نے شاباشی دی اور کہا کہ میں اصلاح نہیں دے سکتا ہوں، چلو منشی صغیر کے پاس لئے چلتا ہوں۔ چنانچہ آپ مولوی صاحب کے ساتھ منشی امدادحسین صاحب صغیر کے پاس حاضر ہوئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ "حضور! میری عمر ۶۵ سال کی ہوئی لیکن دو لڑکوں کے برابر میں نے کوئی لڑکا ذہین نہ

دیکھا - ایک تو یہ صاحبزادے اور دوسرا کلکتے میں ایک بنگالی مسلمان کا لڑکا -
اب انھوں نے ایک غزل کہی ہے وہ اصلاح کے لئے لائے ہیں " - منشی صاحب نے
غزل دیکھ کر کہا " اگر تم نے کہی ہے تو واقعی کمال کیا " - غرض کہ منشی صاحب
کی اصلاح کے بعد آپ نے وہ غزل مشاعرے میں پڑھی تو خوب خوب داد ملی -
دوسرے روز جب یہ بازار سے نکلے تو لوگ انگلیاں اُٹھا اُٹھا کر کہتے تھے کہ یہی
وہ صاحبزادے ہیں جن کے ہاتھ کل کا مشاعرہ رہا - پھر تو یہ برابر مشاعروں
میں غزلیں پڑھتے - ڈیڑھ برس تک مولوی جعفر علی سے بہار دانش
اور مینا بازار پڑھتے رہے اور احمد علی خاں خوشنویس سے خطاطی سیکھتے رہے -
ایک روز قاضی فضل احمد صاحب نے جو " فاضل اجل " تھے اور آپ کے رشتہ دار
ہوتے تھے فرمایا کہ عربی شروع کردو عربی آ جانے پر فارسی خود بخود آ جائے
گی - چنانچہ آپ نے اُن سے عربی پڑھنا شروع کردی - منشعب پڑھ کر پنج گنج
شروع کی تھی کہ حکیم تجمل علی صاحب کا خط ہمیر پور سے آیا کہ تم یہاں چلے آؤ -
آپ نے لکھا کہ میرے پڑھنے میں ہرج ہوگا - لیکن وہ نہ مانے ، لکھا کہ " پڑھنے
کا انتظام بھی ہوجائے گا اور نوکری کی صورت بھی نکل آئے گی " - مجبوراً
آپ کو جانا پڑا - وہاں بھی دو اُستاد کامل مل گئے - مولوی ولی الدین صاحب
سے عربی میں دستوالمندی پڑھنا شروع کردی اور مولوی فضل علی صاحب سے
فارسی میں ابوالفضل اور طاہر وحید ، شبنم شاداب وغیرہ پڑھنے لگے - اسی
زمانے میں منشی امیر احمد مینائی وہاں تشریف لائے - اکثر آپ حکیم صاحب
سے ملنے آیا کرتے تھے - ایک روز میر صاحب سے کہا کہ میں نے تمہاری ذہانت
کی بہت تعریف سنی ہے - " خنجر آفتاب ، منور آفتاب " پر کچھ شعر کہو -
الامر فوق الادب ، دو دن میں چند شعر کہہ کر حاضر کئے مطالع ملاحظہ ہو —

کون کہتا ہے ترے رخ کا ہے ہمسر آفتاب
ہو تو لے پہلے کف پا کے برابر آفتاب

حضرت امیر نے بہت تعریف کی اور مقطع میں ایک لفظ کی ترمیم تجویز کی - انھوں نے دست بستہ عرض کیا کہ " جناب اس سے معاف فرمائیں ' میں جناب صغیر کا شاگرد ہوچکا ہوں " - یہ سنکر وہ اور زیادہ خوش ہوے - منشی امیر کاسن اس زمانے میں کوئی تیس برس کا ہوگا ---

اسی زمانے میں میر طاہر علی کو ڈپٹی وحیدالزماں خاں صاحب کی ماتحتی میں دس روپیہ ماہوار کی ایک محرری ملگئی - ڈپٹی صاحب نے فرمایا کہ تقرری کا پروانہ اس وقت ملیگا جب ہندی بھی سیکھہ لو - چنانچہ آپ نے فوراً ہندی پڑھنی شروع کردی - ایک ہفتے کے بعد ہندی کا ایک کاغذ نقل کر کے دستخطوں کے واسطے لیگئے - ڈپٹی صاحب نے دریافت کیا کہ اتنا خوش خط کس سے لکھوالائے' عرض کیا خود لکھا ہے - ڈپٹی صاحب اُچھل پڑے ؛ فرما نے لگے کہ تمنے کمال کر دیا - غرضکہ آٹھہ ماہ انھیں ملازمت کو نہ ہوے تھے کہ غدر ہوگیا - یہ بھاگ کر حکیم محتشم علی صاحب کے پاس جہاں آباد میں پناہ گزین ہوے - غدر فرو ہو جا نے کے بعد کانپور آے - اپنے قیام کے دوران میں سات آٹھہ مشاعرے بہت دھوم کے کئے - چند روز ٹھیرنے کے بعد پھر فرخ آباد چلے آے - حکیم تجمل علی نے دوبارہ ہمیرپور بلوا لیا اور ایک نوکری دلوادی - ایک سال تک یہ کام کر تے رہے ' پھر رخصت لیکر گھر آے - یہاں آکر استعفا بھیجدیا - یہ وہ زمانہ تھا جب کہ فرخ آباد میں آفتاب شاعری عروج پر تھا - صغیر ' ادیب ' جوہر ' خبیر ' فرزندحیدر صفدر ' واجد علی خاں رضواں ' بہادر علی متین ' سورج پرشاد ' خورشید ' دیبی پرشاد تسلیم اور نواب عبدالعزیز خاں عزیز بریلوی وغیرہ موجود تھے - مرزا کلب حسین خاں نادر اٹاوے سے تبدیل ہوکر یہاں آچکے تھے اور تمام شاعران نازک خیال ان کی سرپرستی میں اپنی اپنی طبع موزوں کے جوہر دکھلا رہے تھے - میر طاہر کا حال معلوم کر کے مرزا صاحب نے ان کو بھی شرکت مشاعرہ کی دعوت دی اور اس قدر اصرار کیا کہ آپ کی قدردانیاں باالآخر انھیں مشاعرے میں کھینچ

ھی لائیں، پھر تو یہ برابر شریک ہو تے تھے - رفتہ رفتہ میر صاحب کی نظر عنایت ان پر زیادہ ہوتی گئی حتیٰ کہ محکمۂ بندوبست میں ڈپٹی صاحب کی سفارش سے آپ کو ایک عارضی جگہ مل گئی - اب میر صاحب کی شادی بھی ہو چکی تھی اور فکر معیشت بری طرح دامنگیر تھی - عارضی جگہ کے اختتام پر آپ کلکٹری میں مستقل طور پر اہلمد ہوگئے جس کی وجہ سے فتحگڈہ میں سکونت اختیار کرنی پڑی- کچھہ عرصے کے بعد حضرت نادر نے انتقال فرمایا - میر صاحب نے " غم نادر " تاریخ کہی - " بعد مرزا صاحب کے فرخ‌آباد کی شاعری پر زوال آیا اور دوچار برس میں فرخ‌آباد کے شعراے نامی مرکھپ گئے، کوئی نہ رہا "- میرطاھرعلی کا تبادلہ بھی مین‌پوری ہوگیا ، وھاں سے پنشن لینے کے بعد آپ اپنے وطن میں آبسے اور باقی زندگی یہیں بسر کی - فتحگڈہ کے قیام کے دوران میں جناب صغیر کی اجازت سے کچھہ زمانے تک اپنے دادا اُستاد حضرت بحر لکھنوی سے بھی اصلاح لی لیکن ان کی تمام اصلاح شدہ غزلوں کی بیاض اتفاقاً تلف ھو گئی - دبدبۂ آصفی حیدرآباد دکن میں میر صاحب خود تحریر فرماتے ھیں کہ " بداقبالی تو مجھہ سے قول ھار چکی ھے منتہاے نوکری سرکار انگریزی عہدہ پیشکاری عدالت کلکٹری تک رھی جس کی تنخواہ چالیس تھی - اب پنشن پاتا ھوں ، وہ بھی خوبیِ قسمت سے نصف نہیں ، تہائی نہیں ، بہت ھی قلیل " - لیکن استغنا کی یہ حالت تھی کہ جب نواب احمدحسن خاں عروج لکھنوی اور منشی ملیر شکوہ آبادی فرخ‌آباد میں منشی صغیر کے یہاں مہمان آے تو انھیں لاکھہ لاکھہ سمجھایا کہ " میاں ھمارے ساتھہ چلے چلو ، ھم لوگ تمھاری تقریب حضور (نواب رام‌پور) میں کریں گے ، کم از کم پچاس روپیہ کی نوکری مل‌جاےگی ، مزے سے شاعری کرنا ، تمام ھندوستان میں دھوم ھونے کا بھی ذریعہ ھے " - حیدرآباد سے بھی خط پر خط آے لیکن ان کی خود داری نے عسرت میں گذر کرنا بہتر سمجھا اور وطن اور نادر کو چھوڑ کر کہیں نہ گئے - غنچۂ جاوید میں خود فرماتے ھیں " نہ میں فرخ‌آباد سے کسی ریاستہ

میں گیا اور نہ قطعہ و قصائد سے پیش آیا ' نہ صیغۂ شاعری میں معیشت ھو سکی '' —

میر صاحب بقول شادمان لکھنوی '' منکسر مزاج ' صاف گو ' صاف باطن اور قناعت پسند '' تھے - آپ میانہ قد اور لاغر اندام تھے ' رنگ آپ کا گورا اور چہرہ کتابی تھا - عموماً عمامہ باندھتے تھے اور انگرکھا پہنتے تھے ' لیکن ھمیشہ نہایت سادہ وضع سے رھتے تھے —

میر طاھر جہاں دلکش شعر کہتے تھے ' وھاں نثر بھی آپ کی بہت صاف اور دلآویز ھوتی تھی - انجم لکھنوی لکھتے ھیں " نثر میں نظم میر کا مزہ پایا ' سبحان اللہ کیابات ھے - واہ ! واہ ! وا ! اگر آپ تصنع نہ سمجھیں تو شرعی قسم اللہ کی کھا کر باور دلاتا ھوں کہ تمام ھند کے چار یا پانچ شعراے مخصوص جو میرے دل میں رھا کرتے ھیں ان کو تھوڑا تھوڑا دباکر آپ کو بھی جگہ دینی پڑی '' - خوشنویسی کی بھی آپ کو کافی مہارت تھی ' چنانچہ انجم صاحب تحریر فرماتے ھیں " شاعری کی ھمہدانی کے علاوہ آپ کی شیرینیء خط دیکھ کر ذوق کا مقطع یادآگیا جس میں انھوں نے اپنی حالت پر افسوس کیا ھے —

تقدیر سے نا چار ھیں اے ذوق وگر نہ
ھرفن میں ھیں اُستاد ھمیں کیا نہیں آتا

یوں تو میر صاحب نے بقول خود " ھزاروں نہیں تو سیکڑوں مشاعرے دیکھے '' لیکن جو مقبولیت آپ کو لکھنؤ کے حضرت محشر والے مشاعرے میں ھوئی حقیقت میں وھی آپ کی زبردست شہرت کا باعث ھوئی - یہ مشاعرہ ۲۷ نومبر سنہ ۱۹۰۹ ع کو منعقد ھوا تھا ' اس کی روداد ۸ دسمبر کے اخبار سرمۂ روزگار میں نکل چکی ھے - محمد یوسف صاحب فیضآبادی لکھتے ھیں : '' حضرت طاھر فرخآبادی کی غزل نے تمام رنگ مشاعرہ لوٹ لیا اور درودیوار سے اثر ھی اثر برسنے لگا - ھمکو ایک بات کا بیحد تجربہ ھوا اور اس سے بیحد خوش و مسرورھوے -

یعنی سنتے آتے تھے کہ اهل لکھنؤ اپنی زباندانی اور شیوا بیانی پر اس قدر نازاں هیں کہ بیرونجات کے شعرا کی خواہ وہ کیسے هی باکمال کیوں نہ هوں کچھہ حقیقت نہیں سمجھتے - حضرت طاهر کی غزل نے اس خبر کو غلط کردیا - سب ارباب لکھنؤ نہایت سچے دل سے اور بے تعصب ایسی تعریف کر رهے تھے کہ بیان سے باهر هے... (مشاعرہ ختم هونے پر) شعرائے نامی کا گروپ میں فوٹو لیا گیا" - خود حضرت محشر فرماتے هیں کہ "بھائی تمام مشاعرے کا رنگ طاهر فرخ‌آبادی نے لوٹ لیا تھا' بے مثل غزل کہی تھی کہ شاید و باید" - جناب علی حسن خاں‌ابر لکھنوی لکھتے هیں کہ "اهل لکھنؤ میں سے بعض حضرات ناحق کوش کو آپ کا لکھنؤ کا مشاعرہ لوٹ لینا ایسا ناگوار هوا گویا داغ بر دل رها- آپ کی وہ غزل چوری گئی" - شمشیر بہادر اخگر تحریر کرتے هیں - "باکمالان لکھنؤ نے جیسے آپ کی قدر کی اور آپ کے کلام بلاغت نظام کی قدر کی حق بجانب تھا - مولانا عزیز لکھنوی کا رونا سب کو معلوم هے - میں اپنے کیف کو کس سے کہوں .. سچ تو یہ هے کہ اب تک مزے لے رها هوں - میں نہیں کہہ سکتا کہ غزل کے شعر هیں یا نشتر جو پڑھتے پڑھتے دل میں چبھہ جاتے هیں اور پھر گھنٹوں کھٹک نہیں جاتی" —

میر صاحب کو خود اس قدر دانی کا اعتراف تھا اور اکثر مزے لے لے کر بیان کیا کرتے تھے- چنانچہ ایک مرتبہ منشی واحد علی ابر لکھنوی اور محمد تقی شاداں لکھنوی' محمد اسمعیل صاحب ذبیح کے ساتھہ محض آپ سے ملنے کے لئے تشریف لائے اور آپ سے شعر سنانے کی فرمایش کی تو آپ نے ذبیح صاحب سے مخاطب هوکر کہا کہ "آپ مجھے بڑی تکلیف دیتے هیں- آپ میری عادت جانتے هیں کہ مجھے اپنے اشعار سنانے میں کس قدر تکلف هوتا هے - بہت کم لوگ هیں جن کو میں بطیب خاطر شعر سناتا هوں اور بہت کم لوگ هیں جو میرے اشعار کی قدر کرتے هیں" - یہ کہہ کر لکھنؤ والوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا - "میں سچ کہوں میری تو قدر لکھنؤ والوں نے کی هے- مجھے اپنے کلام کی جس قدر داد جناب محشر کے سالانہ مشاعرے

میں ملی کسی مشاعرے میں ایسی داد نہ ملی۔ حضرت عزیز میرے ایک شعر پر بے اختیار رو اُٹھے تھے۔ بھئی میں تو لکھنؤ والوں کا بھاٹ ہوگیا ہوں'' —

میر صاحب کی وہ غزل تو آگے درج کی جائےگی' یہاں پر وہ شعر ملاحظہ ہو جس پر حضرت عزیز چیخ اُٹھے تھے :-

یہ تونے کیا کہا ناصح نہ جانا کوے جاناں میں
ہمیں تو رہرووں کی ٹھوکریں کھانا مگر جانا

اس مشاعرے کے بعد آپ کو اس قدر ہر دلعزیزی حاصل ہوئی کہ جب ایک مرتبہ اکتوبر سنہ ۱۰ ع میں آپ پھر لکھنؤ تشریف لے گئے تو جناب محشر نے آپ کے ''لکھنؤ میں آنے کی تہینت میں'' مشاعرہ منعقد کرنے کا اعلان کیا —

اپنی شہرت کے متعلق غنچۂ جاوید میں میر صاحب خود لکھتے ہیں کہ ''گو میں کچھہ نہیں جانتا لیکن خدا نے مرجع عالم بنادیا ہے''۔ ایک مرتبہ حامد علی خاں صاحب مرحوم بیرسٹر جب اول اول فرخ آباد آے اور پوچھتے پوچھتے بلا اطلاع میر صاحب کے مکان پر پہنچ کر آواز دی تو میر صاحب باہر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ بیرسٹر صاحب نے ''بے تابانہ'' میر صاحب کا یہ شعر پڑھا۔

میرا وہ دل ہے آپ کا شیدا کہیں جسے
اور آنکھہ وہ کہ محو تجلی کہیں جسے

میر صاحب حیرت سے دیکھنے لگے تو آپ نے اپنا نام بتایا۔ میر صاحب فوراً بغل گیر ہوے اور بہت دیر تک ملاقات رہی... فرط محبت سے میر صاحب اکثر فرماتے تھے کہ ''مجھہ کو دو شخص ہم فن نہایت ہی قدر داں ملے' ایک نادر اور ایک حامد'' —

میر صاحب کے شاگردوں میں حسب ذیل خصوصیت سے قابل ذکر ہیں :-

(۱) راج بہادر 'زخمی' (۲) سالارالدین 'شعلہ' (۳) سید کرار حسین 'وصل'
(۴) شیخ محمد حسین 'صدیق' (۵) قدیر باز خاں 'عاصی' (۶) شمس‌الدین 'شمس'

(۷) حیدر علی 'حیدر' (۸) بہاری لال 'شیدا' (مین پوری)

سید کرار حسین وصل کے متعلق میر صاحب لکھتے ھیں۔ "میر کرار حسین مختار 'وصل' تخلص ناچیز کے شاگرد تھے۔ بعد مرزا کلب حسین خاں نادر مرحوم انھوں نے اچھا عروج پایا اورمرجع عوام و خواص ھوے"۔ میر صاحب کے شاگردوں میں کوئی ایسا ممتاز نہ ھوا کہ میر صاحب کی شہرت کو قایم رکھتا ۔ سچ ھے استاد کے نام کو بقاے دوام اس کے قابل شاگردوں ھی کے دم سے حاصل ھوتا ھے۔ میر صاحب خود ایک جگہ فرماتے ھیں "میرے شاگرد مجھ سے زیادہ غیر مستطیع اور کم شوق ھیں"—

یک پیری و صد عیب مشہور ھے ۔ چنانچہ ضعیفی کے زمانے میں میر صاحب اکثر بیمار رھتے تھے ۔ خود لکھتے ھیں " سرکاری ملازمت اور دایمی علالت کی وجہ سے قرار واقعی مشق سخن نہ ھوسکی ' اب آخر عمر میں یکسوئی ھوئی تھی تو دوران سر کے عارضے نے ساکت و صامت کردیا ... اس مرض نے تو میرے مذاق شعری پر پانی پھیر دیا ھے " —

بالاخر ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۱۱ ع میں ۷۱ سال کی عمر میں بعارضۂ اسہال کبدی جناب طاھر نے اس دار فانی سے کوچ کیا ۔ آپ کے صاحبزادے میر نذر علی ثاقب نے تاریخ وفات کہی ھے ملاحظہ ھو : —

چھپ گیا وائے نیر اعظم
۲۸ ۳ ۱ ھ

میر صاحب نے اپنے پیچھے چار لڑکیاں اور چار لڑکے چھوڑے ۔ اپنے لڑکوں کے متعلق میر صاحب فرماتے ھیں کہ " میری اولاد نے شاعری کی سنگلاخ میں قدم رکھ کر اُٹھا لیا ' سمجھے کہ کوہ کندن و کاہ بر آوردن ھے " ۔

میر صاحب کی حیات ھی میں بہت سے رسائل اور مصنفین تذکرہ نے آپ کے سوانح حیات نہایت التزام سے شایع کئے تھے۔ خصوصاً :-

(۱) عالمگیر (۲) خدنگ نظر (۳) دبدبۂ آصفی (۹ ذی الحجہ سنہ۱۳۲۳ھ)

(۴) غنچۂ جاوید (مئی سنہ ۱۹۰۸ ع) (۵) تذکرۃ الشعرا از شمشیر بہادر اخگر
(۶) تذکرۃ الشعرا از نواب بہادر حسین خاں انجم لکھنوی (مع تصویر طاہر)
(۷) حیات الشعرا از وجاہت حسین جھنجھانوی (مع تصویر طاہر) —

طاہر کے تین دیوان موجود ہیں - ایک عاشقانہ تو مطبع محمدی کانپور میں سنہ ۱۸۹۵ ع میں شایع ہوا تھا اور چند ہی روز میں ہاتھوں ہاتھ بک گیا ؛ "ایسا مقبول ہوا کہ اب نایاب ہے" - باقی ایک نعتیہ اور ایک عاشقانہ ' ان کے منجھلے صاحبزادے میر نذر علی نائب کے پاس محفوظ ہے - میر صاحب کی دو واسوختیں اور ایک خمسہ موسوم بہ کلام طاہر شایع ہوچکا ہے - اس خمسے کا قصہ یہ ہے کہ حضرت محسن کاکوروی نے ایک نعتیہ قصیدہ کہا تھا ۔ طاہر کو دیکھ کر فرمائش کی کہ خمسہ کردو - آپ نے تعمیل ارشاد کی - چنانچہ جناب محسن نے خود اس خمسے کو کلام طاہر کے نام سے لکھنؤ سے شایع کیا - میر صاحب اپنے دواوین کے متعلق دبدبۂ آصفی میں لکھتے ہیں - "تصانیف سے علاوہ متفرقات کے دو دیوان عاشقانہ اور ایک دیوان نعت کا ہے ایک دیوان عاشقانہ چھپ گیا ہے اور دو چھپنے کو باقی ہیں- دیکھئے چھپتے ہیں یا چھپتے ہیں" والمعہ ۔ کیا مایوسی کا لہجہ ہے - کیا آج میر صاحب کے قدر دانوں کا اتنا قحط الرجال ہوگیا کہ میر صاحب کا یہ سرمایۂ حیات یونہی گمنامی کے ہاتھوں برباد ہونے کو چھوڑ دیا جائے گا ' اور کیا صاحب ذوق حضرات اتنی ہمت نہ کرینگے کہ اُردو شاعری کے یہ گوہر بیش بہا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زینت دہ زبان و ادب ہوسکیں —

کلام طاہر

طاہر کو آتش اور غالب کا کلام بہت پسند تھا اور اکثر پڑھا کرتے تھے لیکن خود ان کے کلام میں اس کا بہت کم عکس پایا جاتا ہے - ان کی خصوصیات میں زبان کی پاکیزگی ' سنجیدگی مذاق اور غضب کا اثر ہے ۔ یہ انتہا کے شیریں بیان تھے

اور ان کے ہر ہر شعر میں دلکشی کوٹ کوٹ کر بھری تھی چنانچہ آپ کے قدردان جناب انجم لکھنوی اپنے خاص انداز میں فرماتے ھیں :- " جناب کا وطن شریفہ لکھنؤ اور دھلی کے وسط میں ھے جس میں ملتے ھوے دونوں شہروں کا درد بھرا ھوا ھے اور وہ شوخی جو ان دونوں شہروں میں تھی پریشان ھوکر آپ کے دامیں چھپ گئی ھے " - نمونتاً چند اشعار ملاحظہ ھوں جناب عروج لکھنوی نے اس شعر کی بہت داد دی تھی —

غیروں سے اشاروں میں ھوا کرتی ھیں باتیں
یہ بات نئی سیکھی ھے آنکھوں نے دھن سے

جناب اخگر نے ایک غزل کی بے انتہا تعریف کی ھے ' فرماتے ھیں " ہر شعر موتیوں میں تولنے کے لایق ھے " چند اشعار درج کرتا ھوں ' تیسرا شعر خصوصیت سے قابل غور ھے —

خموش کون رھے کوچۂ بتاں کے لئے
دھن زباں کے لئے ھے زباں فغاں کے لئے
جو میرے نالوں کے ناقوس نے اُڑاے ڈھنگ
کہا بتوں نے کہ منہ چاھئے فغاں کے لئے
بتوں کے کوچے میں اے بیخودی نہیں معلوم
کہ ھم فقیر ھوے تھے کس آستاں کے لئے

ذیل کے اشعار کے لئے جناب انجم فرماتے ھیں کہ " ہر شعر اپنی جگہ پر بادشاہ کج کلاہ ھے " ملاحظہ ھوں —

دل افگاروں کے منہ پر چارہ گر کو یہ نہ کہنا تھا
جو تڑپے اس طرح دلمیں وہ پیکاں کم نکلتا ھے

دیکھیں کیا زھر اُگلتے ھیں جناب واعظ
خم کو دیکھا ھے بھرے بیٹھے ھیں میخوارونمیں

اتنا تو جلد لا اُسے اے جذبۂ اثر
لے لیں بلائیں یار کی دست دعا سے ھم

مولوی احسان علی بنارسی لکھتے ھیں کہ " یہ شعر تا حیات یاد رھیں گے "۔

دل عشق سے خالی ھو تو بہتر نہیں ھوتا
پتھر ھے جس آئینہ میں جوھر نہیں ھوتا

بڑہ کے برسے ھیں مرے دیدۂ گریاں اس سے
یہی باعث ھے کہ بادل کو گھٹا کہتے ھیں

بیمار محبت نے ابھی یاد کیا ھے
خوب آگئی اے موت تری عمر بڑی ھے

سنہ ۱۹۰۲ ع میں حامد علی خاں مرحوم نے جو سب سے پہلا خط میر صاحب کو لکھا ھے اس میں فرماتے ھیں " جناب کے حالات و کلام دبدبۂ آصفی میں پڑھے ' سبحان اللہ ! کیا اچھا مطلع فرمایا ھے --

پیری میں عشق چہرۂ گلرنگ یار کا
اچھا کھلا خزاں میں شگوفہ بہار کا

کوئے حبیب میں ھے نہ چشم رقیب میں
آخر کہیں پتہ بھی ھے میرے غبار کا

اے جنوں اللہ رے میرے رگ جاں کی تڑپ
دیکھ وہ فصاد کی چٹکی سے نشتر گر پڑا

مشکل عشق میں لازم ہے تحمل طاہر
بات بگڑی ہوئی بنتی نہیں گھبرانے سے

حشر میں حشر بپا اے دل ناشاد رہے
ہاں ذرا صور سے ملتی ہوئی فریاد رہے

دل اُسی تیور سے محو ابروئے جلاد ہے
حلق پر خنجر زباں پر ہر چہ باد اباد ہے

بیرسٹر صاحب موصوف نے کچھہ ملتخب اشعار میر صاحب کے " معیار " میں لکھے ہیں ' ان کا اقتباس درج کیا جاتا ہے --

مجنوں کا پردہ دار نہ دیوانوں کا کفن
کس کام کا ہے دامن صحرا کہیں جسے

سرو گلشن کی طرح میں بھی ہوں قانع طاہر
کوئی موسم ہو یہی ایک قبا کافی ہے

شب فراق کو روئیں کہ شام غربت کو
وہ کون سی ہے بلا جو یہاں نہیں آتی

مثل ساغر آنکھہ کھولی محو حیرت ہو گئی
ہوشیاری بھی ہماری عین غفلت ہو گئی

دل سے دل کو راہ ہوتی ہے غلط ہے یہ مثل
ہمنے جس سے کی محبت اس کو نفرت ہو گئی
غیر ناخوش پاسباں بیزار' بر گشتہ نصیب
اب رہے وہ ' ان کو بھی مجھہ سے عداوت ہوگئی

ابر رحمت کے لئے روز دعا کرتا ہوں
روز میخانے میں بچھتا ہے مصلیٰ میرا

کیا ملے زخمیء الفت کا دماغ اے قاتل
جب عیادت کو ترے تیر جگر تک پہنچے
بات رہ جاے دعا کی شب غم میں یا رب
ہاتھہ پھیلاوں تو دامان اثر تک پہنچے
زندگی کی تپ ہجراں میں نہ تھی ہمکو امید
گھر سے اللہ کے پھر کر ترے گھر تک پہنچے

غیر مطبوعہ دیوان کے چند اشعار پیشکش ہیں - حامد علی خاں صاحب فرماتے ہیں کہ دیوان کھولتے ہی آتش کا یہ شعر زبان پر آگیا —

تازگی فکر کی کبھی نہ گئی جب سنائی نئی سنائی بات

طاہر صاحب لکھتے ہیں :—

کبھی آئیں تو سہی خواب میں آنے والے
فرش آنکھوں کا بچھا دینگے بچھانے والے
دب رہے اپنے ہی ہاتھوں سے کہیں دشت نورد
زندہ در گور ہوے خاک اُڑانے والے

چھینٹے دیتے ہیں تو دیں حضرت ناصح لیکن
اور ہوتے ہیں لگی دل کی بجھانے والے
کہہ دیا کوئے صنم سے نہ ٹلوں گا اے خضر
تم بڑے آئے مجھے راہ بتانے والے
آج بھی تجھ کو نظر بھرکے نہ دیکھا افسوس
آگیا غش مجھے او آنکھ ملانے والے

اے ضبط ایک تھوڑی سی باقی تھی آبرو — رونے نے رات دن کے مٹا دی رہی سہی
تنہا عزیز چھوڑ گئے ہیں مزار میں — کوئی تو میرے پاس رہے' بیکسی سہی
افتاد عشق سے نہ تھے آگاہ پیشتر — ہم نے تو عمر بھر میں مصیبت یہی سہی
طاہر وہ جان لینے کو کہتے ہیں بار بار — جینے سے ہم بھی تنگ ہیں اچھا یہی سہی

صرف کانٹے ہی نہیں دشت جنوں کے موذی
پاؤں میں چھالے ہیں چھالوں میں تپک ہوتی ہے
چوٹ کیا‌ئی ہے کچھ ایسی دل شیدائی نے
سانس کے ساتھ کلیجے میں کسک ہوتی ہے

کیا جی لگا کے وعظ کی محفل میں بادہ خوار
تعریف سن رہے ہیں شراب طہور کی

جناب نادر نے میر صاحب کی ایک غزل بہت پسند فرمائی تھی حتی کہ اس پر مصرعے لگائے تھے- اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو :-

برو کا لیا نام تو جھنجھلا کے وہ بولے — لانا تو میرا خنجر خونخوار کہاں ہے

خود میر صاحب نے بھی اپنے کلام کا انتخاب فرمایا ھے۔ حضرت جلیل کی فرمائش پر آپ نے دبدبۂ آصفی کے لئے ۲ غزلیں اور چند متفرق اشعار منتخب کرکے بھیجے تھے جو آپ کی سوانح کے ساتھ شایع ہوے تھے۔ چنانچہ ان اشعار کو چھوڑکر جو درج ھوچکے ھیں باقی اقتباس نذر کرتا ھوں :-

سامان شہادت کبھی اے دل نہیں ھوتا
تلوار جو ھوتی ھے تو قاتل نہیں ھوتا

دوست منہ تکتے ھیں ناصح مجھے سمجھاتے ھیں
کوئی حامی نہیں بھرتا کہ انھیں لاتے ھیں

جوھر ھمارے دیکھئے در تک تو آئیے   پتھر کو لعل کرتے ھیں سر پھوڑ پھوڑ کر

کیا کہا تم نے کہ دل دھڑکا کسی کی آہ سے
ھاتھ سینے پر جو رکھنے دو تو جانوں جھوٹ سچ

اے برھمن دیر سے جاؤں کہاں   بندگی بیچارگی مشہور ھے
دل کی روداد کوئی کیا جانے   اس کو میں جانوں یا خدا جانے

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا   اس کو چھٹی نہ ملے جس کو سبق یاد رھے

چھیڑ ھم اے ستم ایجاد کئے جائیں گے   چٹکیاں لینے کو فریاد کئے جائیں گے

وہ فاتحہ کو آئے تو ایسی خوشی ہوئی
ہنسنے لگا چراغ ہمارے مزار کا
اس بات پر خفا ہوے وہ پوچھہ کر مزاج
یہ کیوں کہا کہ شکر ہے پروردگار کا

کس مصیبت سے بسر کی ہے شب غم یارب
ہوگئے تھے مجھے یہ چار پہر چار برس
کہیں اے دود فغاں دور تو ہو دل کا بخار
بن کے ساون کی گھٹا ہوکے دھواں دھار برس
آج وہ روتھے ہیں ' کیا آج ہی من جائیں گے
منتیں کرنی پڑیں اب مجھے دو چار برس
دھوم برسات بھر اے ابر رہی بھی تو کیا
میری آنکھوں کی طرح روز لگا تار برس
کیا مری آنکھوں سے چھپ چھپ کے ہوا باندھی ہے
سامنے آکے نہ اے ابر گہر بار برس

بے ان کے فصل گل میں میکش اگر پیئں گے
زاہد کے شکوے ہونگے قاضی گلا کریگا

بزم دلدار میں سنتا ہوں یہ پروانے سے
کہ لگی دل کی بجھا کرتی ہے جل جانے سے

کون دے اے دل بیتاب تسلی تجھکو
میرے کب ہوش بجا ہیں ترے گھبرانے سے

چشم مشتاق جو سمجھا ہے وہ مست مئے ناز
آنکھ شرمائی ہوئی لڑتی ہے پیمانے سے
رند اٹھتے ہیں تو کہتی ہے قدم کی لغزش
ہوش میں آؤ کہاں جاتے ہو میخانے سے
دو ہرے صدمے ہوے اے عالم پیری مجھکو
تیرے آنے سے جوانی کے چلے جانے سے

غنچۂ جاوید میں میر صاحب کے سوانح کے ساتھہ آپ کا کچھہ کلام بھی شایع ہوا تھا اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :—

دل بچ رہے اغیار کے ٹھوکر سے تمھاری
تقدیر سے ٹوٹا بھی تو پیمانہ ہمارا
کیوں ہاتھہ سے نشے میں گرے کس لئے ٹوٹے
میخواروں کی توبہ نہیں پیمانہ ہمارا
اے پیر مغاں ہاے یہ بادل یہ ہوائیں
اور آج بھی خالی رہے پیمانہ ہمارا

احسان تری یاد کا زنہار نہ لیں گے
مر جائیں گے ہچکی مگر اے یار نہ لیں گے

سینہ ہے چاک دیکھہ کے پیکاں نکال لو
حجت عبث کہ دل میں نہیں ہے جگر میں ہے

اعدا کے قرب سے نہ کرے خوف آدمی
بتیس دانت منہ میں ہیں دشمن زبان کے
جنگل کی دھوپ ہوتی ہے دنہیں لباس تن
سوتا ہوں سب کو چادر مہتاب تان کے

دشمن نے مجھے کوچۂ جاناں سے نکالا
کانٹا تو نہ تھا میں کہ گلستاں سے نکالا

یہ قناعت کا نتیجہ تھا کہ میںنا نے میں
ہاتھ پھیلائے سبھی نے مجھے پیمانہ ملا

اچھا اب وہ غزل ملاحظہ ہو جسنے محشر کے مشاعرے میں حشر برپا کردیا تھا۔

عدو کہتے تو ہیں آسان ہے الفت میں مر جانا
انھیں مشکل ہے مجھ کو سہل ہے جی سے گذر جانا
در گوش صنم پر دیکھنا پھر عرش تک جانا
اثر کی جستجو میں اے فغان دل اگر جانا
یہاں انکار کرتے ہو ہمارے خون ناحق سے
قیامت میں بھی پیش داور محشر مکر جانا
ابھی تک کیوں رگڑتا ایڑیاں کیوں نیم جاں رہتا
مرے امکان میں ہوتا اگر بے موت مر جانا
نہ گردش رہنے دیتی ہے نہ دربان ٹکنے دیتے ہیں
نہ آنے کے برابر ہے اِدھر آنا اُدھر جانا
تجھے اے جذب الفت پھر کوئی زحمت نہ دونگا میں
اسے لے آ یہاں تک جس نے تجھ کو بے اثر جانا

خرام ناز کا عاشق نہ ٹھیرا نقش پا ٹھیرا
کہ تم کو جب اِدھر آنا مجھے پامال کر جانا
ہوئی ہیں چار آنکھیں بعد مدت آج قاتل سے
گلے پر میرے اے تیغ رواں دم بھر ٹھہر جانا
رہوں گا نیم جاں برسوں غش ایسے آئیں گے لاکھوں
ابھی سے تو نے کیا مردہ مجھے اے نوحہ گر جانا
عدم کو جائیں گے یا خاک ابھی چھانیں گے صحرا کی
تمھارے در سے اُٹھہ کر دیکھئے ہوگا کدھر جانا
اُٹھا کر آئینہ کیوں رکھہ دیا بالائے طاق اس نے
اُسے بھی کیا کسی کا دیدۂ حسرت نگر جانا
کہے دیتے ہیں ہم تجھسے وہیں کا ہو رہے گا یہ
تو اپنا دل نہ لیکر اپنے ساتھہ اے نامہ بر جانا
یہ خط لینا ' ٹھہر جانا ' کہ دم بھر کا میں مہماں ہوں
مرے مرنے کی بھی لیکر خبر اے نامہ بر جانا
یہ کیسا شام سے سونا ' یہ کیسی نیند بے کھٹکے
ہمارے جذب دل کو تم نے شاید بے اثر جانا
یہ تو نے کیا کہا ناصح نہ جانا کوئے جاناں میں
ہمیں تو رہرووں کی ٹھوکریں کھانا مگر جانا
اجل کی دستگیری کام آئی ورنہ اے طاہر
بہت دشوار تھا دریائے غم سے پار اُتر جانا
یہ رنج و غم نہیں رہنے کے کیوں مایوس ہو طاہر
خدا کو تم نے اپنے حال سے کیا بے خبر جانا



گلزار رنگا رنگ کے پھولوں سے بھرا ہوتا ہے - لیکن کیا ہر شخص انہیں

توڑ توڑ کر خوشنما گلدستے ترتیب دے سکتا ھے ... طرح طرح کے رنگ بھی موجود ھوتے ھیں اور نوک و پلک پیدا کرنے والا قلم بھی، مگر کیا ھر شخص اپنے جنبش قلم کے ساتھ جان لیوا حسن کو صفحۂ قرطاس پر دکھا سکتا ھے ... ھاں ساز کے تمام لوازمات رکھے ھوتے ھیں اور کوئی تار ٹوٹا ہوی نہیں ھوتا، پھر کیا ھر شخص اس میں سے روح افزا نغمہ پیدا کرسکتا ھے... نہیں، ھرگز نہیں، پھر بھلا مجھ جیسا غیر شاعر کیونکر جرات کرسکتا تھا کہ ایسے زبردست اُستاد کے کلام کا انتخاب کرتا - چنانچہ میں نے اسی پر اکتفا کیا کہ قدر دانان طاہر کے انتخابات مع ان کی آرا کے ناظرین کے سامنے پیش کردوں جس سے لطف اور دونا ھوجائے —

ان اشعار کو پڑھنے کے بعد کون ایسا ھوگا جو طاھر کی بے ساختہ گوئی اور بانکپن کا قائل نہ ھوجائے اور سچ تو یہ ھے کہ یہی وہ "دل کی بات" تھی جس نے انھیں قبولیت عام بخشی اور سارے ھندوستان میں ان کا سکہ جمادیا-اکثر صاحب کمال ایسے ھوتے ھیں کہ زندگی میں قعر گمنامی میں پڑے رھتے ھیں اور مرنے کے بعد ان کی قدر ھوتی ھے لیکن میر صاحب زندگی میں چمکے اور افسوس کہ آج ان کے روشن نام پر کالی کالی گھٹائیں چھارھی ھیں -

میرے تغئیر حال پر مت جا
اتفاقات ھیں زمانے کے



اساتذہ کی اصلاحیں

از

(جناب صفدر صاحب مرزا پوری)

—— (خان بہادر میر علی محمد 'شاد' عظیم آبادی) ——

منشی ولی الرحمن 'ولی' عظیم آبادی :

ملک دل پر حملہ‌ھاے یاس و حرماں ہوگیا
چل بسیں اپنی اُمیدیں خون ارماں ہوگیا

اصلاح :
ملک دل پر حملۂ اندوہ و حرماں ہوگیا
چل بسیں ساری اُمیدیں خون ارماں ہوگیا

پہلے مصرع میں "حملہ‌ھاے یاس" یہ ٹکڑا رکیک تھا اس لئے "حملۂ اندوہ" بنایا۔ دوسرے مصرع میں بجاے "اپنی" کے "ساری" بناکر مطلع کو صاف کردیا —

ولی :
دور جب آئینۂ دل سے ہوا رنگ دوئی
حسن روے یار صاف اس میں نمایاں ہوگیا

اصلاح :
دور جب آئینۂ دل سے ہوا رنگ دوئی
روے جاناں صاف صاف اس میں نمایاں ہوگیا

اس اصلاح سے شعر میں صفائی و سلاست پیدا ہوگئی —

ولی :
اب رہے آخر کہاں اُمید وصل اس شوخ کی
خانۂ دل میں تو دخل یاس و حرماں ہوگیا

اصلاح۔ اب رہے آخر کہاں جاکر اُمید وصل یار
خانۂ دل میں تو دخل یاس و حرماں ہوگیا

اس اصلاح سے شعر میں صفائی پیدا ہوگئی —

ولی: مشکلیں حد سے بڑھیں کام تب آساں نکلا
درد دل بڑھ کے خود اپنے لئے درماں نکلا

اصلاح: عشق اپنے لئے آرام دہ جاں نکلا
درد سمجھے تھے جسے ہم وہی درماں نکلا

اس اصلاح سے مطلع خوب ہوگیا۔ عشق کو درد کہنا۔ واقعی کہنہ مشقی کی دلیل ہے۔گو اور شعرا نے اس مضمون کو کہہ گئے ہیں۔ دور کیوں جائیے غالب مرحوم کا مشہور مصرع ہے "درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہوجانا" مگر پھر بھی یہ اصلاح قابل تعریف ہے —

ولی: کون ہر وقت سنبھالا کرے وحشی کو ترے
گھر سے پھر آج ترا چاک گریباں نکلا

اصلاح: کون ہر وقت سنبھالا کرے تسکیں دے کر
گھر سے پھر آج ترا چاک گریباں نکلا

"وحشی کو ترے" یہ ٹکڑا زاید تھا۔ کیونکہ یہ مصرعۂ ثانی میں "ترا چاک گریباں" موجود ہے۔ اس لئے تسلی دے کر نہایت با محل اور معنی خیز ٹکڑا استاد نے رکھدیا —

ولی: چل بسیں اپنی امیدیں جو شب فرقت ہائے
کوئی میرا نہ بجز یاس کے پرساں نکلا

اصلاح: وقت آخر نہ اُمیدیں نہ تمنائیں تھیں
کوئی میرا نہ بجز یاس کے پرساں نکلا

استاد عدیم المثال نے عجیب مصرع لگا کر شعر درست کیا، وقت آخر اُمیدوں

اور تمناؤں کا نہ ہونا ایک نیا خیال ضرور ہے—

ولی: آگئی یاد خدا دیکھ کے صورت اُس کی
حسن اس بت کا چراغ رہ عرفاں نکلا

صلاح: الحمد ملی منزل مقصود ہمیں
حسن اس بت کا چراغ رہ عرفاں نکلا

سبحان اللہ کیا تصوف میں ڈوب کے مصرع اگا دیا کہ جس سے مصرعۂ ثانی روشن ہو گیا —

ولی: بےچین ہو رہا ہے دل اُس رشک ماہ کا
اللہ رے اثر میری جانکاہ آہ کا

اصلاح: بےچین ہو رہا ہے دل اُس رشک ماہ کا
اللہ رے اثر میری دلدوز آہ کا

چونکہ مصرعۂ اولیٰ میں معشوق کے دل کی بےچینی کا ذکر ہے اس لئے مصرعۂ ثانی میں بجاے "جانکاہ" کے دلدوز خوب ہے —

ولی: دونوں جہاں بند ہے ہوے ہیں صورت اسیر
اللہ رے سلسلہ تری زلف سیاہ کا

اصلاح: حلقے میں اپنے کر لیا دونوں جہاں کو
اللہ رے سلسلہ تری زلف سیاہ کا

زلف سیاہ کی مناسبت سے "حلقے میں اپنے کر لیا" خوب بنایا اور پھر دونوں جہاں کو - سبحان اللہ —

ولی: بسمل ہوا ہے دل تو جگر کو بھی زخمی کر
ہاں ایک وار اور بھی تیغ نگاہ کا

اصلاح: بسمل ہوا ہے دل تو جگر کو بھی یوں نہ چھوڑ
ہاں ایک وار اور بھی تیغ نگاہ کا

" زخمی کر " اول تو " زخمی " کی (ی) زخمی تھی دوسرے اس کے پڑھنے میں ایک قسم کی رکاکت پیدا ہوتی تھی جسے ضعف نظم کہتے ہیں اس لئے " یوں نہ چھوڑ " بنا کر شعر میں فصاحت پیدا کردی —

ولی: اس بزم میں مجال نہیں گفتگو کروں
مدت سے دل میں حوصلہ ہے ایک آہ کا

اصلاح: اس بزم میں زبان ہلاؤں میں کس طرح
آنا جہاں محال ہے ہونٹوں تک آہ کا

دونوں مصرعوں کی ترمیم سے شعر میں ایک خاص بات پیدا کردی، مفہوم وہی ہے مگر کتنی ترقی ہو گئی —

ولی: بسمل کو اپنے کیوں نہ نظر بھر کے دیکھے
آلودہ خوں سے ہو گا نہ دامن نگاہ کا

اصلاح: للہ بسملوں کو نظر بھر کے دیکھ لو
آلودہ خوں سے ہو گا نہ دامن نگاہ کا

مصرعہ اولیٰ میں تین (نون) کا قریب ہی قریب اجتماع مخل فصاحت تھا اس لئے مصرع ترمیم کیا گیا مگر مصرعۂ ثانی میں لفظ " خوں " بلا اعلان نہیں معلوم حضرت شاد نے کیوں رہنے دیا۔ کیونکہ بلا عطف واضافت لفظ خون بلا اعلان " نون" لکھنا فصحا ناجایز سمجھتے ہیں، اسے سوائے سہو نظر کے اور کیا کہا جائے —

ولی: حاصل اک روز وہی تری بقا کرتا ہے
راہ میں تیرے جو اپنے کو فنا کرتا ہے

اصلاح: حاصل اک روز وہ آخر کو بقا کرتا ہے
جو تری راہ میں ہستی کو فنا کرتا ہے

دونوں مصرعوں میں " تری"کی تکرار بدنما تھی اس لئے دونوں مصرعے بنائے گئے جس سے شعر میں روانی اور سلاست پیدا ہوگئی—

یاد ہوا کرتی ہے اس لئے بجائے " یاد " کے ذکر اور بجائے " ذکر " کے " یاد "
بنا کر شعر کو فصیح کر دیا * —

——(سید ابوالحسن ناطق گلاؤٹھی تلمیذ حضرت داغ)——

یہ چند نوٹ و اصلاحیں محبی مولوی عبدالباری 'آسی' نے پہلے حصے کے طبع
ہوجانے پر خود اپنے قلم سے لکھ کر مرحمت فرمائیں تھیں۔ جو فائدہ سے خالی نہیں۔
لہذا اس حصۂ دوم میں شکریے کے ساتھ درج کی جاتی ہیں۔ مؤلف —

آسی : حائے عبرت ہے رہ عشق کی یہ منزل سخت
اور مرا اول منزل میں فنا ہو جانا

نوٹ : اگرچہ اول منزل میں بھی کلام نہیں مگر منزل اول ہی ترکیب اچھی معلوم
ہوتی ہے —

آسی : ہاں موسم شباب میں کھل کھیلئے ضرور
اُبھرا ہے جوبن اچھی طرح نام اُچھالئے

نوٹ: جوبن بمعنی پستان داغ کے نزدیک ناجائز ہے —

نوٹ مؤلف: جوبن بمعنی پستان، بہار یوبن وغیرہ سب لغت میں موجود ہے تو
ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں زمانۂ حال کی تہذیب ضرور مانع ہے۔ مگر
قدیم شاعری کے دلدادہ آج بھی لکھتے ہیں —

آسی: خود سر ہیں یہ کبھی نہ نگہ ان پہ ڈالئے
ہیں یہ ستم شعار زمانے کے چالئے

نوٹ : لفظ چالئے بولتے تو ہیں مگر کسی کے کلام میں دیکھا نہیں —

نوٹ مؤلف: جو لفظ بول چال میں مستعمل ہے اُسے نظم بھی کرسکتے ہیں۔ اگر
میری یاد غلطی نہیں کرتی تو قلق نے اپنی مثنوی طلسم الفت میں کہا ہے:

---

* یہ اصلاحیں خود جناب ولی الرحمان صاحب 'ولی' نے بذریعہ ڈاک روانہ
فرمائیں- مؤلف رھین منت ھیں —

وہ شعر یہ ہے —

کوئی خالی نہیں فریب سے بات　　چالیا فیلسوف او بد ذات

آسی : آج وہ بھی مرے مرنے کی دعا کرتے ہیں
آج یہ بھی دل مضطر کی دوا ہوتی ہے

نوٹ. آپ اس شعر میں دعا کو دوا بنا رہے ہیں جو درست نہیں ہے —

آسی : آتے ہیں جب میرے گھر میری تسلی کے لئے
ساتھہ کوئی نہیں ہوتا تو حیا ہوتی ہے

نوٹ : معمولی شعر ہے- غزل میں ملتا نہیں، نکال دیجئے —

آسی : نصیحت پھر سجھے کرنا تو ناصح
مرا دل دیکھہ اور قصہ مرا سن

نوٹ : لفظ "تو" دبے ہوے واؤ سے کبھی نہ لکھا کیجئے —

آسی : نہ ہوں نازاں میں کیوں مست قسیم جام کوثر ہوں
کہیں دنیا اور ایسا نہ دیوانہ نہ میخانہ

نوٹ : دیوانے کو میخانے سے کوئی واسطہ نہیں شعر نکال دیجئے —

آسی : پردیس ہے وہ اور یہ پرانا لباس ہے
جاؤں عدم کو جامۂ ہستی اُتار کر

نوٹ منجانب آسی: میرے مہربان قاضی عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں : -

"پردیس میں تو کٹ گئی کہنہ لباس سے"

اصلاح و جواب نوٹ ; قاضی صاحب کا خیال درست ہے مگر اُن کے مصرع کی بندش سست ہے لہذا میں ایک مصرع اور لکھے دیتا ہوں : -

اُس دیس والے لوگوں کے قابل نہیں یہ بھیس
جاؤں عدم کو جامۂ ہستی اتار کے

آسی
هدایت صبر کی بیکار ہے عاشق کو اے ناصح
کہ تھراتے ہوے ہاتھوں میں پیمانے چھلکتے ہیں

نوٹ – یوں ہو تو کیا برا ہے :

کروں کیا صبر حد صبر سے افزوں ہے غم ناصح
ارے ناداں بھرتے ہیں تو پیمانے چھلکتے ہیں

اس اصلاح کی کیا تعریف ہو، شعر کے تیور ہی اور ہوگئے، جس پہلو سے دیکھئے شعر بے نظیر ہے- سچی بات کو اس حسن سے نظم کردینا دلیل کہنہ مشقی اور کمال اُستادی ہے - یہ شعر ضرب الم‍ثل ہونے کے لایق ہے—

آسی کمبخت دن بہار کے آکر گزر گئے اک سال کے لئے مجھے دیوانہ کر گئے
اصلاح کمبخت دن بہار کے آکر گزر گئے دیوانہ تھا ہی اور بھی دیوانہ کر گئے

اصلاح سے یہ شعر زبان کے سانچے میں ڈھل گیا—

آسی
اب میری نظر میں ہے زمانہ تہ و بالا
خنجر مرے سر پر ہے مرا سر تہ خنجر

اصلاح
اب میری نظر میں ہے زمانہ تہ و بالا
خنجر تہ سر بھی ہے تو ہے سر تہ خنجر

اس اصلاح سے ترکیب ذرا اور تیز ہوگئی—



ناول نویسی اور اُردو

از

(جناب علی عباس حسینی صاحب ایم - اے)

قصہ گو کیوں ہوے

ذات واجب الوجود نے جب ممکنات کی تخلیق کی تو لذت معصیت کی ایک دنیا اور شوق تحسین کی ایک کائنات۔ دو خاکی پتلوں میں بھر دی اور ان کا نام ''انسان'' رکھا۔ ہم لوگ جن پر آدمیت کا اطلاق ہوتا ہے اور جو اسی اصل کی فرع ہیں فطرتاً وہی دل و دماغ لائے ہیں اور ہم میں بڑی گناہوں کی خواہش اور تحقیق و تفتیش کا مادہ جبلی طور پر موجود ہے اور اسی لئے ہم ایک دوسرے کا حال بہت شوق سے سنتے اور بیان کرتے ہیں اور اپنی طبیعت اور ذہنیت کے مطابق ان سے اچھے یا برے سبق حاصل کرتے ہیں۔ ہمارا یہی اشتیاق و استعجاب قصص و حکایات کا بانی اور کہانیوں اور فسانوں کا سبب ہوا —

شروع شروع میں ہماری اس خواہش نے ہم میں ایسے قصہ گو پیدا کئے جو زبان کی صداقت اور اشاروں کی موزونیت سے حرف حرف دل میں اُتارتے رہے - لیکن جب اس طرح کے کاملوں کی کمی نے ہر خواہش مند کی تمنا نہ پوری ہونے دی تو شوق نے عقل کا سہارا لے کر تحریر کا وسیلہ ڈھونڈھا۔ اور یہی کہانیاں کتابوں کی صورت میں نمودار ہوئیں صاحبان ذوق نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور دلوں میں جگہ دی۔ انہیں اس سے کوئی مطلب تو تھا نہیں کہ ان حکایتوں میں کتنا صحیح اور کس قدر

غلط ہے۔ اس لئے کہ سچ اور جھوٹ کی تفریق تہذیب کا طرہ ہے اور تعلیم و تعلم کا نتیجہ۔ وہ سادہ لوح ہر آن ہونی بات کو سچ مانتے اور جو کچھ انہیں بتایا جاتا اس پر یقین رکھتے تھے۔ وہ آج کل کی طرح ہر شے کو تحقیق و تفتیش کی خورد بینوں سے نہ دیکھتے تھے بلکہ ان کے ماحول و طرز معاشرت نے انہیں توہم پرست بنا رکھا تھا۔ وہ عجائب و غرائب کے معتقد تھے اور طلسم نگاری و فسوں سازی کے پرستار! ۔

قصہ گوئی کا پرانا طریقہ

لیکن زمانہ رنگ بدلتا رہتا ہے ۔ اور تغیر و تبدل قانون فطرت ہیں۔ ایک ہی نظریے پر جما رہنا اور ایک ہی فعل پر قایم رہنا ہماری رات دن کی چکر لگانے والی دنیا کے لئے اتنا ہی محال ہے جتنا کہ ستاروں کے گھومنے والے آسمان میں سیاروں کا جمود ، اور اسی لئے جو چیزیں ہمارے اسلاف کی نظر میں حیرت انگیز تھیں وہ آج ہماری روز مرہ زندگی میں شامل ہیں اور جو ان کے لئے ناقابل قیاس تھیں ان پر ہماری موجودہ معاشرت کا دار و مدار ہے۔ ریل ، تار برقی ، ہوائی جہاز ، ان کے لئے پرواز تخئیل تھے لیکن ہمارے لئے حقیقتیں ہیں۔ اور لاسلکی ، بجلی اور ٹیلیفون ان کے لئے خواب و خیال تھے لیکن آج مہذب دنیا کے ضروری عناصر ہیں—

غرض ہر شعبۂ زندگی ایجاد واختراع سے مملو ہے اور گوشہ گوشہ ارتقا و نمو سے لبریز۔ پھر ادبی دنیا اور ایک جیتی جاگتی زبان ان اثرات سے کیونکر محفوظ رہ سکتی تھی؟ ہماری اُردو میں بھی اس طرح کی ارتقائی تبدیلیاں ضروری تھیں اور اسی لئے ہمارے زمانے میں ولی کا "سوں" اور "کوں" میر تقی کا "ٹک" اور "آئیاں ، جائیاں" اسی طرح متروک ہیں جس طرح میر انیس کا "آئیو جائیو" اور ذوق کا "آئے ہے' جائے ہے"! —

جب زبان پر امتداد زمانے کا یہ اثر پڑے تو پھر قصے کہانیاں کیسے بچ سکتیں؟ ۔ اور اس وجہ سے امیر حمزہ کی داستان بے پایاں' بوستان خیال کی نہ

اٹھنے والی جلدیں ، طلسم ھوشربا کا افراسیاب جادو ، ھماری کام کاجی اور سائنس کی دنیا میں اتنی ھی بے لطف و بیکار ھیں جتنی کہ بچپن کی بڑھی بوڑھیوں سے سنی ھوئی کہانیاں عالم بلوغ وسن رشد میں ! —

حقیقت یوں ھے کہ علم کی کمی ، تحقیق و تفتیش کا فقدان اور عالم کے حالات سے بے خبری تخئیل میں بیجا وسعت پیدا کر دیتی ھے اور یقین کے دائرے کو بڑھا کر نہ معلوم کن حدوں تک پہنچا دیتی ھے - بھوت پریت کا خیال ، دیو پری پر یقین، ٹو نے ٹوتکے پر اعتقاد اور سحر اور جادو کو صحیح ماننا یہ سب اسی کا ثمرہ ھیں - اور صرف ھمارے ھاں ھندوستان ھی میں ایرج نامہ و حاتم طائی ، چہار درویش و گل بکاؤلی سے قصوں اور یاجوج و ماجوج، دیوار قہقہہ اور سد سکندری سے تذکروں کا زور نہ تھا بلکہ تمام عالم کا یہی حال تھا - یونان و روم کی مشہور کہانیاں ، ھراقلس ، اولیسس اور پرسیئس کے قصے ، ھومر ، ورجل اور ڈینٹی کی تصنیفات سے بحث نہیں اور نہ عیسائیت کے دور قدیم کے مقتداوں اور پیشواوں کا تذکرہ منظور ھے - درر وسطیٰ کے صلیبی جنگوں کو لے لیجئے اور آرسیڈیز شارلیمین اور رچرڈ کے افسانوں کو پڑھئے ، دیو اور پریاں ، راکشش اور پچھل پائیاں اپنی ڈراؤنی شکلوں اور ھیبت ناک صورتوں کے ساتھ وھاں بھی موجود ھیں —

ناول کے ابتدائی مدارج اور ان کے اسباب

لیکن رفتہ رفتہ یہ رنگ بدلا - دنیائے ادب نے بھی سائنس کی روز افزوں ترقی کے ساتھ ھی ساتھ کروٹ لی ، نظریۂ زندگی منقلب ھوا ، تحقیق و تجسس کی بنیادیں پڑیں اور افسانوں میں ھر جگہ سیرت انسانی پر غور کیا جا نے لگا - اور انسانی خیالات و خواھشات کی وجہیں دریافت ھو نے لگیں - سوسائٹی سے علحدہ ھو کر تنہا ئی میں اس کے کس طرح کے جذبات و افعال ھو سکتے ھیں صرف اتنا دکھا نے کے لئے ڈیفو نے "رابنسن کروسو" لکھ ڈالی - انسان ھے کیا شے اور روحانیت ونفسانیت کے تصادم سے کیا صورتیں مترتب ھو سکتی ھیں ، اس کے واضح کر نے کے لئے سوفٹ نے " گلیورس ٹریولس "

تصنیف کی - اڈیسن نے ایک نیک مزاج ، قدیم طرز کے شر میلے انسان کی تصویر کشی کے لئے " سر راجرتی کیورلی " کے واقعات قلمبند کرنا شروع کئے - غرض قصہ کہانیوں کو سائنس کی ترقی نے حقیقت نگار بنایا ، جمہوریت کے زور نے اسے معاشرت کا فوٹو پیش کرنے اور مساوات انسانی منوانے پر مجبور کیا ، مذھب و اخلاقیات کے اختلاف نے اسے ناقدانہ و فلسفیانہ کردیا اور صنفوں کے ارتباط اور عورتوں کی آزادیوں نے اسے حسن و عشق کے افسانوں سے مالا مال کردیا —

اس طرح یہ تمدنی و معاشرتی تبدیلیاں اُس طرح سیرت نگاری ھر روز بیکاروں کی کمی اور " فولسمین " سے بادشاھوں کا فقدان، نتیجہ یہ ھوا کہ ضرورت زمانے نے فیاضی کی اور ایجاد و اختراع نے فیلڈنگ اور رچرڈ سن سے ماھر نفسیات پیدا کردئے جنھوں نے اٹھارویں صدی عیسوی میں حقیقت نگاری کا بیڑا اٹھایا اور واقعات عالم کو ناول کے دلچسپ پیرائے میں دنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا - انیسویں صدی میں اسکاٹ نے تاریخی ناول لکھ کر اس حقیقت میں اور دلآویزی پیدا کردی اور ملکہ وکٹوریہ کے دور میں تھیکرے اور ڈکنس نے انگلستان کے امرا و غربا کے مختلف معاشرتی و اخلاقی مرقعے اس طرح کے پیارے انداز اور دلآویز طرز میں پیش کئے کہ اپنے لئے شہرت عام و بقاے دوام کی سند حاصل کرلی—

ناول ہندوستانی چیز نہیں ھے — ھمارا غریب ھندوستان ھمیشہ سے نقال رھا - اس لئے سنہ ۱۸۵۸ ع کے غدر کے بعد انیسوی صدی کے آخری حصے میں جب مغربی تہذیب کا رنگ ھمارے خیال اور ھماری معاشرت پر چڑھنے لگا اور انگریزی تعلیم سے سرشار طلبا یونیورسٹیوں سے جھومتے نکلے ، تو انھوں نے یورپ کے اس نئے دیوتا کی پرستش لازمی جانی اور کورانہ تقلید کو خضر راہ بنایا۔ ھندوستانی زندگی ناول کی مقتضی نہ تھی - ھمارے ھاں شرفاء کے رھنے سہنے کا طریقہ ، رسموں کے قیود ، فرقوں اور پیشوں کے اختلاف ، خاندانی خصوصیات ، قومی روایات ، نظریۂ زندگی، خیالات کا رجحان ، طبایع کا میلان، ھمیں حسن و عشق

کی پرستش کی طرف نہیں لیجاتے اور نہ ہم میں صنفوں کے ارتباط و اختلاط میں وہ آزادی ہے جو مغرب کو حاصل ہے - جب طبایع میں اس طرح کا تباین اور اختلاف ہو تو پھر ہمارے افعال و کردار یکساں کیونکر ہو سکتے ہیں ؟ - اُنہیں ہر امر میں آزادی کی ہوس ' یہاں قدم قدم پر شرم دامن‌گیر - وہاں مادیت کا سودا یہاں روحانیت کی افراط - پھر اُن کے کسی اصول و کلیے پر خواہ وہ ادبی ہی کیوں نہ ہو ' آنکھیں بند کر کے عمل کرنا ہمارے لئے کہاں تک مفید ہوسکتا ہے !

اُردو کا سب سے پہلا ناولسٹ سرشار

لیکن باوجود ان اختلافات کے ہمارے ادبی کار نامون میں یہ بات آب زر سے لکھے جانے کی مستحق ہے کہ اُردو کے سب سے پہلے ناولسٹ رتن ناتھہ سرشار نے یہ پودا کچھہ ایسے مبارک ہاتھوں سے لگایا کہ آج یہ ایک تناور ' چھتنار ' بار آور اور سرسبز درخت دکھلائی دیتا ہے —

یہ اسی صاحب کمال کا کام تھا کہ اس نے ناول سے ہماری زبان میں وہ صحیح مصرف لیا جس کا وہ مستحق تھا - فسانۂ آزاد کے متعلق کچھہ کہنا میرے لئے چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی ' اس لئے کہ مجھہ سے کہیں بہتر اور برتر لوگ اس کی تعریفوں میں رطب اللسان ہیں اور پنڈت بشن نرائن در ' سا انگریزی اور اُردو کا ادیب اس پر تنقید کرتے وقت وجد کرتا ہے - میں " سیر کہسار " اور " جام سرشار " کو کہتا ہوں کہ ان میں لکھنؤ کی پچھلی معاشرت کا نمونہ ' یہاں کے رہنے والوں کی زندہ دلی اور رند مشی ' امرا کی بے حسی اور افیون پرستی ' ان کی مرغ اور بٹیر کی پالیاں ' نوابوں کی سادہ لوحی ' مصاحبوں کی کارستانیاں ' شاہدان بازاری کی عیاریاں ایک جانب ؛ گھروں میں بیٹھنے والی عصمت ماب بیگمات کا اضطراب ' نواب کو ملتفت کرنے کے لئے ان کی تدبیریں ' ٹونے ٹوٹکے ' گنڈے تعویذ کا استعمال ' بے چینیوں کے ساتھہ سکوت ' بے تابیوں پر بے بسیاں دوسری جانب موجود ہیں - یہ ہماری معاشرت کی

ایسی جیتی جاگتی تصویریں ہیں جو ہر ذوق سلیم رکھنے والے کو حیرت سے
بت بنادیتی ہیں پور اس پر زبان کی نزاکتیں اور ظرافت کا چٹخارہ ہر جگہ
موجود، ہر فقرہ چست ہر جملہ اپنی جگہ پر، ہر نقطہ موقع و محل سے۔
اس میں لغزشیں بھی ہیں لیکن یہ لغزشیں اس باکمال شخص کو جو بانی ہے
معاف کی جاسکتی ہیں —

سجاد حسین

سرشار کے ہم عصروں میں سجاد حسین ایڈیٹر "اودھ پنچ" اور
مرزا عباس حسین مصنف "ربط ضبط" بھی قابل تحسین و آفرین
ہیں۔ سجاد حسین کے ناول "کایا پلٹ"، "حاجی بغلول" اور "احمق الذین"، ادب میں
مخصوص پایہ رکھتے ہیں اور جدت نگاری اور طنزیہ تحریر کے اچھے نمونے ہیں۔
جو لوگ لکھنؤ کی پرانی زبان کے دلدادہ ہیں، ان کے لئے سجاد حسین کی ہر تصنیف
جواہرات کی ایسی کان ہے جس کا ہر ذرہ اور ہر ریزہ "کوہ نور" سے زیادہ وقیع
اور گراں بہا ہے —

مرزا عباس حسین

مرزا عباس حسین کی تصنیفات میں سے "ربط ضبط" "سیر کہسار"
سے کسی طرح کم درجے کی نہیں۔ غدر کے پہلے کی دھلی کی
زندگی، اس ہنگامے میں شرفا کا اضطراب، حکومت انگریزی کا نیا دور، ان کی تصویریں
جیسی عباس حسین کے قلم نے کھینچ دی ہیں اس سے بہتر سوا غالب کے رقعات کے
اور کہیں نہیں مل سکتیں۔ اس پر مہرجان و حبیب کا مکالمہ، سلطان عالی اور
مہرالنسا کی سنجیدہ محبت، کمال کی بے تابیاں، جمال کا الھڑ پن، روزی کی متانت،
یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر اردو نثر ان پر ناز کرے تو کچھ بیجا نہ ہوگا —

مولانا شرر

انہیں لوگوں کی دیکھا دیکھی اور انہیں کے تتبع میں مولانا عبدالحلیم
شرر نے بھی اس وادی میں قدم رکھا - لیکن چونکہ مولانا پر مذہبی
اور تاریخی رنگ غالب تھا اس لئے آپ کی ناول نویسی کا موضوع ہی دوسرا تھا۔
انہوں نے مسلمانوں کو ان کے پچھلے فسانے یاد دلاکر اپنے انحطاط و تنزل کے وجوہ

پر غور کرنے کے لئے مائل کرنا چاہا اور اس لئے آپ نے کبھی صلیبی جنگوں کے معرکے "عبدالعزیز و رجنا" اور "شوقین ملکہ" میں یاد دلائے، کبھی روسیوں پر ترکوں کی فتح "حسن انجلینا" میں دھرائی، کبھی "منصور موھنا" میں سندھ کے انصاری خاندان کے حالات قلمبند کئے اور کبھی "فردوس بریں" میں فرقۂ باطنیہ کی ملکی و مذھبی جنگ کے خاکے پیش کئے اور جیتے جی جنت کی سیر کرائی۔ "عزیز مصر" عہد بنی طولون اور "فلورا فلورنڈا" میں ھسپانیہ کے عہد خلافت کے واقعات "فتح اندلس" میں اسپین پر عربوں کی چڑھائی؛ "فلپانہ" میں ارض طرابلس پر صحابہ کا حملہ اور "زوال بغداد" میں مسلمانوں کی فرقہ وارانہ جنگ کا مرقع اور خاص کر "ایام عرب" میں عربوں کی معاشرت کا نقشہ مولانا شرر کے چند بڑے کارنامے ھیں —

اس میں شک نہیں کہ مولانا کے کام کی مقدار بہت زیادہ ھے۔ لیکن مولانا کے تاریخی ناولوں کے متعلق مجھے اتنا عرض کرنا ھے کہ انھوں نے اکثر شخصیتوں اور کیریکٹروں کے انتخاب میں غلطی کی ھے۔ ناول کی جگہ وھاں ھوتی ھے جہاں تاریخ کے صفحے سادے اور خالی ھوں۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے جو واقعات صاف نہیں دکھائی دیتے یا جو شخصیتیں دھندلی نظر آتی ھیں انھیں قصے اور فسانے واضح کرکے دکھا سکتے ھیں لیکن جہاں تاریخ کا آفتاب عالمتاب خود ھی نصف النہار پر چمک رھا ھو وھاں ناول کی شمع جلانا خود اپنا مضحکہ کرانا ھے۔ کیونکہ بقول پروفیسر ڈاؤڈن "تاریخی مضامین کے بیان میں ھر طرح کی حلات واقعہ چیزیں علیحدہ کردینا چاھئے" حقیقت و واقعیت سے انحراف کی کمی، شاعری کی بندش کی خوبی، خیالات کی نزاکتیں اور ظرافت کے بھڑکتے ھوے جملے نہیں پورا کر سکتے"۔ اور اسی لئے میں مولانا کو اردو کا اسکاٹ نہیں سمجھتا، بلکہ میرے نزدیک اُردو ناول نویسوں میں ان کا وھی پایہ ھے جو میڈم اسکوڈری اور کاسپری نیڈ کو فرانسیسی فسانہ نویسوں میں حاصل ھے۔ ان لوگوں کے ھاں بھی ھیرو اور ھیروئن کے نام تو تاریخی ھوتے ھیں لیکن ان کے خیالات اور ان کی سیرتیں خود مصنف کی عطا کردہ اور

وہ تمام و کمال ان صفات سے متصف ہوتے ہیں جن کا احاطہ انسانی تخئیل سے ممکن ہے - لیکن جن کا وجود اس دنیائے دوں میں بالکل غیر فطری ! لیکن اس میں شک نہیں کہ مولانا کے ناولوں نے اُردو داں طبقے میں تاریخ کا ذوق ضرور پیدا کردیا —

اب رہے مولانا کے معاشرتی ناول، مثلاً " خوفناک محبت " " بدرالنسا کی مصیبت " ، " دلچسپ " یا " آغاصادق " سو وہ بالکل خیالی ہیں - انہیں آج کل معاشرت کا صحیح فوٹو سمجھنا غلطی ہوگی - میری حقیر رائے تو یہ ہے کہ مولانا اُردو کے بہترین مضمون نگاروں میں سے ہیں اور ان کے لئے ناول نویسی سرمایۂ ناز نہیں بلکہ وہ مختصر فسانے ' وہ ماہی نوٹ اور گذشتہ ایام کی وہ چھوٹی چھوٹی تصویریں جنھیں مولانا دلگداز کے سارے صفحات پر اپنے رنگین قلم سے ماہ بماہ کھینچا کرتے تھے اور جن کا حجم آج بارہ جلدوں میں بھی نہیں سماتا ، اُردو زبان میں اپنا نظیر نہیں رکھتے —

محمد علی طبیب ہردوئی

انہیں کے ابتدائی دور کے ہمعصروں میں محمد علی طبیب ہردوئی فطرتاً ناول نویس کا دل و دماغ لائے تھے - ان کے ناولوں میں " عبرت "، " نیل کا سانپ " اور " خضرخاں دیولدیوی " خاص طور سے اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں ، اس لئے کہ یہ سب کے سب یک گونہ تاریخی ہیں - ' عبرت ' سلطنت روما کے آخری دور کے تمدن و معاشرت کی سچی تصویر ہے ؛ ' نیل کا سانپ ' مصر کی آخری ملکہ سیزر کی محبوبہ ' اینٹونی کی عاشق ' کلیوپٹرا کا نام ہے - اس میں جولیس سیزر کے مرنے سے لیکر اینٹونی کی شکست تک جو تاریخی انقلابات روم و مصر میں پیش آئے ہیں وہ سب آپ کو مل جائیں گے اور حسن و عشق کی وہ گرما گرمی ہے کہ صرف دو چار ہزار جانیں ہی نہیں ضایع جاتیں بلکہ سلطنتیں منقلب ہو جاتی ہیں - خضرخاں اور دیولدیوی میں علاؤالدین کے دکن کے فتوحات ، اس کی ملکی پالسی اور انتظام سلطنت ، کافور کی معرکہ

آرائیاں ، کوتوال شہر سے سلطان کی گفتگو اور خضرخاں ولیعہد کا عشق ، سب کچھ مصنف نے لاکر جمع کردئیے ہیں اور پھر جی چاہے اُس زمانے کی تاریخیں اُٹھا کر دیکھہ لیجئے آپ کو سارے واقعات صحیح اور درست دکھلائی دینگے —

اُردو ناولوں کا پلاٹ

مولانا شرر کو دنیا نے مختلفات میں سے سمجھا اور جو کچھ انھوں نے لکھا اسے عقیدتمندی کی نگاہوں سے دیکھہ کر آنکھوں سے لگایا ۔ لیکن جب نثر نگاری کے مدعیوں نے ان کی تصنیفیں اس طرح بکتے دیکھیں تو ہرکس و ناکس ناولسٹ بن بیٹھا اور اس کا صریح نتیجہ یہ ہوا کہ آج اُردو میں ہزاروں کی تعداد میں اس طرح کے ناول ملیں گے جن کے پلاٹ بالکل ایک طرح کے اور جن کا معیار حسن و عشق بالکل ایک سا ہے - اور یہی وجہ ہے کہ پرانے رنگ کے ' حماسہ ' ' متنبی ' ' نفحتہ الیمن ' پڑھے ہوے بڑے بوڑھوں سے پوچھتے یا اُن لوگوں سے جنھوں نے شیکسپیر ' بن جانسن ' شا اور گالسورڈی کے ڈرامے اور اسکاٹ ' ڈکنس ' تھیکرے اور ہارڈی کے ناولوں کے ذریعے انگریزی ادب سیکھا ہے تو اس طرح کی رنگین اور عریاں کتابوں کے شایقین میں سے بھی ہر ایک بلا پس و پیش یہی کہے گا کہ اُردو ناولوں کا پڑھنا تخریب اخلاق اور تضیع اوقات کا سبب ہے۔

یقین جانئے اُردو کا جونسا ناول اُٹھا کر دیکھئے گا یہی ملے گا کہ ہیرو جو اشرف خاندان سے ہے ' ہیروئین کو جو کسی بڑے گھر کی ناک ہے ' کہیں کھڑکی سے جھا نکتے ' ریل پر سفر کرتے یا کسی تقریب میں آتے جاتے اچانک دیکھہ لیا ہے اور پہلی ہی نظر اسے اس قدر مجروح کردیتی ہے کہ یا تو بیہوش ہوکر پٹ سے گر پڑتا ہے یا زار و قطار روتا ' لڑکھڑاتا ' ٹھوکریں کھاتا ' گھر آکر بے آب و دانہ پڑا رہتا ہے - دوست احباب اور ہم سن اعزا پریشان ہوتے ہیں اور ان ۔ نالۂ گرم اور آہ سرد سے بھانپ کر کہ کچھہ دال میں کالا ہے ان سے بجبر و باصرار تمام راز دل معلوم کر لیتے ہیں اور کسی مہری یا ماما کے ذریعے ریشہ دوانیاں شروع کر دیتے ہیں اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے - دو چار دور نزدیک کی ملاقاتیں

بھی ھو جاتی ھیں اور وصل کی امید میں شوق کے شعلے عاشق و معشوق کے جسم خاکی کو محض لمعۂ نور بنائے دیتے ھیں کہ دفعتاً رقیب روسیاہ کی حرکتوں یا پرانے طرز کے غیور ھندوستانی باپ کی ضد سے بنی بات بگڑ جاتی ھے ۔ اور زھر کھانے اور جان دینے تک نوبت پہنچ جاتی ھے کہ فرشتگان رحمت کو ترس آ جاتا ھے اور بچھڑے مل جاتے ھیں —

ایسے پلاٹ سے اور حقیقت سے کوئی لگاؤ نہیں

اس پلاٹ کو واقعیت سے جتنا لگاؤ ھے وہ ظاھر ھے ۔ شرفا میں اس طرح کے واقعات الشاذ کا لمعدوم کا درجہ رکھتے ھیں اور اس درجے معدوم سمجھے جاتے ھیں کہ ھر شریف حن کی پردہ پوشی اپنا فرض منصبی سمجھتا ھے اس لئے اُنھیں معاشرت کا صحیح خاکہ یا معیار سمجھ کر پیش کرنا ادب کے لئے کبھی طرۂ امتیاز نہیں بن سکتا ۔ اور پھر پلاٹ کے یکساں ھونے اور جدت کی لذت کے مفقود ھونے نے ھر ناول کو قبولیت عام کے درجے سے گرادیا ھے ۔ اس کے علاوہ ناواست پر مخرب اخلاق کا الزام بھی صحیح ٹھیرتا ھے ۔ اس لئے کہ اسی طرح کے معاشرتی مجرم ھیرو اور ھیروئن کو وہ ھمارے سامنے اس انداز سے پیش کرتا ھے گویا وہ ان کے افعال کو محمود سمجھ کر ھم کو ان کی پیروی کی تعلیم دیتا ھے —

اس سلسلے میں غور کرنے اور یاد رکھنے والی بات یہ بھی ھے کہ ھیرو اور ھیروئن صورت و شکل ، خلق و مروت ، علم و فضل ، حیا و شرم ، عفت و عصمت ، تمام و کمال صفات حمیدہ و خصائل پسندیدہ سے مالا مال ھوتے ھیں ۔ اور ان کے رقیب روسیاہ ، ان تمام باتوں سے صرف معرّا ھی نہیں ھوتے بلکہ اُن میں تمام وہ معائب ، خرابیاں اور برائیاں موجود ھوتی ھیں جن کا تصور مصنف کے امکان میں ھے ۔ ان کے ھاں آدمی یا تو فرشتہ ھوتا ھے یا پھر شیطان ۔ معمولی ذھنیت اور مرنجاں مرنج طبیعت کے گنہگار انسانوں کا اُن کے ناول میں گذر نہیں ۔ وہ معمولی ھستیوں کا تذکرہ ھی نہیں کرتے اور اس لئے

نہ تو اُن کو قانون فطرت سے کوئی لگاؤ ہوتا ہے اور نہ حقیقت و واقعیت سے کوئی ربط !

ناول نویسوں کا معیار عشق

سب سے بڑا جزو عشق ' جس پر سارے قصے کا دار و مدار ہے ' اس کا تخیل بھی ان کے ہاں عجیب و غریب ہے - ایک جھلک اور ایک نظر ان کے ہیرو کے لئے ہمیشہ کافی و شافی ہوتی ہے - نہ تو ان کے ہاں عشق میں درجے ہوتے ہیں اور نہ اُس کے نمو و ارتقا کی انہیں کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے ' ماہرین علم النفس کا خیال ہے کہ پہلی نظر میں عشق بیحد دشوار ہے - جذب و کشش کے سب قایل ہیں ' ان کے امکان سے کسی کو انکار نہیں ' لیکن اس حد کی فوری ترقی کہ نظر اول ہی کے ساتھ ہوش و حواس غائب - دوسروں کی تعظیم کا لعدم ' شرافت کا خیال ' خاندان کا پاس ' بزرگوں کا لحاظ ' سب یک لخت جاتے رہیں اور بھوک پیاس ایک سرے سے غائب ہوجائے عقل میں آنے والی بات نہیں اور نہ مشاہدہ اسے بتلاتا ہے - اس طرح کا عشق کرنے کو خاص طور کے دل و دماغ کے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے ہاں بہیمیت کا غلبہ اور حیوانیت کا زور ہو - ہندوستانی شریف مردوں اور عورتوں میں عدم صحت کی عام شکایت ' قوائے جسمانی کا روز افزوں اضمحلال ' شرم و حیا کا وفور ' غیرت و حمیت کی شدت ' ان باتوں کی مقتضی نہیں - اور اگر بفرض محال ایسا ہو بھی تو ہم اُسے عشق نہ کہیں گے بلکہ بوالہوسی ' غالب مرحوم سچ کہہ گیا ہے —

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

میں نے بوالہوسی کا لفظ عمداً استعمال کیا ہے اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ عشق کے لفظ کی آج کل خاص طور سے بڑی بے وقعتی کی جا رہی ہے - یہ لفظ ہر خاص و عام کی زبان پر چڑھا ہونے سے نہ معلوم کن کن معنوں میں

استعمال ہونے لگا ہے۔ صاحبان فہم سمجھ معاف فرمائیں گے لیکن میں اس موقع پر اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں —

علم النفس میں عشق کے کیا معنی ہیں

موجودہ علم النفس میں عشق انسانی تعلقات کے اس مجموعے کا نام ہے جس میں جسمانی، دماغی، جذباتی اور روحانی تمام کششیں موجود ہوں۔ جسمانی اس لئے کہ اقتضائے فطرت ہے، وجہ بقائے نسل ہے اور ارتباط کو بے تکلفی بڑھانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ دماغی اس لئے کہ بغیر اس کے ایک دوسرے کی صفات حقیقی پر نظر نہیں پڑسکتی، تول پرکھ نہیں سکتے اور قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ جذباتی اس لئے کہ بغیر اس کے استغراق و غلو نہیں پیدا ہوتا، پیار کی باتیں، محبت کے مکالمے نہیں ہوسکتے اور روحانی اس لئے کہ اس سے تمام تعلقات میں استواری و مضبوطی استقلال و جلال پیدا ہوجاتا ہے۔ بغیر ان تمام عناصر کی موجودگی کے عشق کبھی کامل نہیں ہوسکتا۔ اگر صرف جذباتی و روحانی کشش ہے تو وہ دوستی ہے، اگر تنہا جسمانی و دماغی جذب ہے تو وہ مادیت و حیوانیت ہے، اور اگر محض روحانی و جسمانی نہ ان تضاد کششوں میں کوئی سے توازن پیدا کرنے والی نہ ہوگی جسمانی کشش کی زیادتی حسیات کو تھوڑے دنوں میں ٹھنڈا کردے گی اور روحانیت کا زور خواہ وہ جانبین سے کیوں نہ ہو، زندہ دلی اور زندگی کی دلیل نہیں بلکہ بقائے نوع کے کاموں میں حارج ہوگی۔ اور اگر صرف دماغی کشش ہے تو باہمی سمجھوتے سے زیادہ رقیب نہیں اور اسی لئے جب تک کہ کسی جذبے میں یہ تمام عناصر موجود نہ ہوں اور ان میں آپس میں مساوات نہ ہو، اسے عشق کہنا سخت غلطی ہوگی۔ اس طرح کی مشکل سے حاصل ہونے والی شے کا جب ہر کس و ناکس ادعا کرے تو خواہ مخواہ کی ہنسی کیوں نہ آئے اور جب ناول نویس محض ایک جھلک اور ایک نظر سے ان تمام مدارج کو اتنی آسانی اور سرعت سے طے کردے تو ہم اسے قابل مضحکہ کیوں نہ سمجھیں اور اس کی تصنیف کو مخرب اخلاق اور غیر فطری کیوں نہ ٹھہرائیں؟ ممکن ہے کہ

قاظرین کرام اعتراضات و نقائص کی عمومیت سے گھبراگئے ہوں اس لئے ان کی دلچسپی اور اپنے بیان کی تصدیق میں ایک ناول کا خاکہ مختصر الفاظ میں پیش کرنا چاہتا ہوں ملاحظہ فرمائیے* —

دلکش کا پلاٹ

لکھنؤ کے رہنے والے تین لڑکے' اصغر و عباس و صفدر نامی' علی گڈھ کالج میں پڑھتے ہیں اور یہ معلوم کرکے "کہ بورڈنگ ہاؤس کے مصارت ایک متوسط درجے کا مسلمان بھی نہیں اُٹھاسکتا ... یہ تینوں نوجوان علی گڈھ کے ایک رئیس کے مکان پر فروکش تھے"- اور غالباً کھانا بھی اسی سرکار سے پاتے تھے- ایک روز جب کہ ان کے مربی و محسن کے یہاں کوئی تقریب تھی اور اندر اعزا اور برادری کی عورتوں کا مجمع تھا' صرف اصغر اپنے کمرے میں باھر بیٹھے تھے کہ دفعتاً اس کمرے سے جو زنانہ حصۂ مکان میں جانے کا دروازہ تھا وہ کھلا - "اور ایک نہایت ھی خوبصورت' پری جمال لڑکی برآمد ھوئی- اسے ان کا خیال نہ تھا اس لئے دور تک بڑھتی چلی آئی - جب ان پر نظر پڑی تو جھجھک کے رہ گئی اور پھر سنبھل کے بھاگنے کا ارادہ کیا - یہ اتنی ھی دیر میں اتنے فریفتہ ھوگئے تھے کہ اس کو جاتے دیکھ کر بے اختیار ھوگئے اور چھری ھاتھ میں لے کر ارادہ کیا کہ اپنے کو ھلاک کر ڈالیں - اس پر اسے بھی ترس آگیا اور بڑھ کر انھیں تسلی دینے لگی- اتنے میں ادھر سے کسی نے پکارا "حسنی"- وہ بدحواس ھوکر بھاگنے کو تھی کہ انھوں نے آنچل پکڑ لیا" اور چھری بڑھاکر بولے "مجھے قتل کرتی جاؤ"- اس نے اس دیوانے کو چھچھاتی ھوئی نظر محبت سے دیکھا اور چھلاوے کی طرح نظر سے اوجھل ھوگئی —

ادھر یہ آہ کرکے فرش پر گرے اُدھر اِن کے دونوں ساتھی آگئے اور بدقت انھیں غش سے ھوش میں لائے اور باصرار ان کے آنسوؤں کے جل تھل کا ماجرا پوچھا-

---

* اس خاکے کے بیان میں اس کا خاص طور سے التزام کیا گیا ھے کہ جہاں تک ھوسکے مصنف ھی کے الفاظ میں ان کا قصہ پیش کیا جائے —

بس کیا تھا، پکا پھوڑا تھے پھوٹ بہے۔ کہنے لگے "اگر وہ نہ ملی تو زندگی دشوار ہے،
جان دے دوں گا، بے موت مرجاؤں گا"۔ غرض ان دونوں نے اس آشفتہ حال کو سمجھایا،
چمکارا، دھیما کیا ہی تھا کہ اتنے میں گھر میں سے ماما اماں کھانا لئے آ پہنچیں
اور عباس نے "زر بر سر فولاد نہی" والے بے مثل کلیے پر عمل کیا اور روپیے کا
لالچ دے کر ان سے سب کچھ پوچھ لیا۔ معلوم ہوا کہ علی گڈھ کے ایک بہت بڑے
معزز رئیس کی لڑکی ہیں اور بعہدہ اب تک ناکتخدا بھی ہیں اور ناکردہ کار بھی۔
غرض دو چار ہی دن میں شہر کے دوسرے محلے میں ایک مکان کرایہ پر لے کر اماں
کے ذریعے بی حسنی بلائی گئیں اور باوجود اپنی شرافت و نجابت، حجاب و شرم اور
عصمت و عفت کے جب وہ پہلے پہل ایک اجنبی کے مکان میں، بلا اپنے علم و یقین کے،
اچانک اتاردی گئیں تو نہ زیادہ متحیر ہوئیں نہ برہم، اور نہ ایک نامحرم کے
دیکھ لینے کا انہیں قطعی خیال ہوا۔ بلکہ اگر کسی کو پس و پیش ہوا تو وہ اصغر
مرد ذات کو۔ لیکن وہاں بھی بقول مصنف، "اس کی عربی تعلیم کام آگئی اور اُسے
خیال آگیا کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں ستر میں داخل نہیں ہیں، مذہب
اجازت دیتا ہے کہ میں اس کے چہرے کو بخوبی دیکھوں" اور انھوں نے جی بھر کر
دیکھا اور بی حسنی نے دل کھول کر دکھایا۔ اور پھر ہیرو کے پہلے پہل بالمشافہ
اظہار عشق پر حسنی نے جو پہلی بات انتہائے سادگی سے کہی وہ یہ تھی کہ "ہائے
تمھاری انہیں بے تابیوں نے تو مجھے بے چین کردیا ہے"۔ اور جب ہیرو نے "ان کا
نازک و نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا کہ چلو اندر چل کے بیٹھو" تو ہیروئن
کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا نہ ہوا اور نہ کوئی ڈر اور نہ باوجود فارسی داں
ہونے کے انہیں شیخ سعدی کا یہ شعر یاد آیا کہ

ملحد گرسنہ در خانہ خالی بر خوان
عقل باور نہ کند کز رمضان می ترسد

بلکہ وہ بلا کھٹکے کھٹ سے مسہری پر جابیٹھیں اور دیر تک اپنے چاہنے والے

سے رسمی راز و نیاز کی باتیں کیا کیں - غرض جب یہاں سے بن بلائی ہوئی اپنی
پھوپھی کے ہاں پہنچیں تو وہاں بھی کسی نے اس بلا اطلاع آنے پر اظہار تعجب
نہ کیا - اور پہلا مرحلہ یوں بآسانی و بخیر و خوبی طے ہوگیا - دوہی چار روز
کے بعد جب دوبارہ پھوپھی کے گھر سے واپسی میں تشریف لائیں تو ان کے نیک ذات
عاشق نے ایک مولوی کو لاکر کھڑا کردیا اور نکاح کے لئے مجبور کیا - وہ سوء اتفاق
سے ان کے منسوب کے والد ماجد نکلے اور ایجاب و قبول کے سلسلے میں " حسنی "
کا نام سنتے ہی منہ پیٹتے گھر کی طرف بھاگے - ان لوگوں نے جو رنگ میں بھنگ
ہو تے دیکھا تو راستے سے ایک دوسرے ملانے کو پکڑ لائے اور انھوں نے جھٹ پٹ
اُن دونوں کے آپس کے رشتۂ تعلقات میں وہ گرہ دیدی جسے شرع میں عقد کہتے
ہیں - اُدھر وہ ملا نے اپنی فیس لے گھر سدھارے ادھر یہ ڈولی پر لد گھر چلیں -
وہاں افشائے راز ہوگیا - خوب لے دے ہوئی اور ننگ خاندان بنیں - مصنف
نے اس مقام پر مزید لطف پیدا کر نے کے لئے دونوں کو ایک دوسرے سے قطعی طور
پرجدا کردیا - یعنی باوجودیکہ عقد ہوگیاھے اور یہ دونوں شرعاً و قانوناً ایک دوسرے
کے زن و شوھر ھوگئے پھر بھی نہ یہ اُن کو دیکھ سکتی ھیں اور نہ وہ ان کے جمال جہاں
سوز سے آنکھیں سینک سکتے ھیں اور عشق و محبت کا یہ حال ھے کہ ایک ایک
آہ میں دونوں طرف آسمان و زمین اس طرح جلتے چلے جا رھے ھیں کہ شیو گھبرا
گھبرا کر مراقبے سے سر اُٹھا لیتے ھیں اور حیرت سے کہہ اُٹھتے ھیں کہ " اے برھما
یہ کون لوگ ھیں جو میری ھمسری کر رھے ھیں اور میرے مخصوص کاموں میں
دخل اندازیاں کر تے ھیں ! " اُدھر سرافیل حیران کہ " یا اللہ میرے صور کے پہلے
یہ کس کی پھونک میں اثر پیدا ھوگیا کہ تیری دنیا یوں مٹتی چلی جارھی ھے ؟ " -
لیکن مصنف ھے کہ اس کی کسی طرح تسکین نہیں ھوتی - جب تک کہ جوے شیر
نہ آے شیریں و فرھاد کیونکر ملیں اور رقیب روسیاہ کے بغیر ناول کے دوسرے
اور تیسرے حصے کیونکر مرتب ھوں ؟ - غرض اس قید سے ایک دن زبردستی پھوپھی

کے یہاں جانے کا بہانہ کر کے حسنیٰ پھر بھاگیں اور اپنے میاں کے ہاں پہنچیں - جب شام تک گھر نہ گئیں تو ان کے چچا بھی توہ لگاتے یہیں پہنچے اور بالآخر جب عقد کا حال ان پر بھی کھل گیا تو چار و ناچار انھوں نے برادری و اعزا سب کو خبر کردی اور حسنیٰ کے کئی لاکھ روپئے جو ان کے پاس امانت تھے اصغر کے حوالے کئے اور اب ان دنوں کا یہ حال ھے کہ اُن کے دن عید اور راتیں شب برات ھیں —

تیسرا حصہ ان کے ساتھی عباس کے حسن و عشق کے تذکرے میں ھے - وہ ان لوگوں کے ساتھ حج کے قصد سے چلے لیکن بمبئی کی ایک زلف سیاہ میں اٹک رھے - اصغر وحشی نے بھی حج کو عمرے سے بدلا یعنی بجائے مکہ معظمہ جانے کے انگلستان سدھارے - ادھر عباس نے اپنی پارسن کو رام کیا اور اسے بہت ھی آسانی سے بلا کسی بحث مباحثے کے، محض محبت و عشق کے چند فرسودہ ملتروں سے کام لیکر مسلمان کر کے، عقد کئے ھوئے انگلستان پہنچے اور اصغر کو جو وھاں کی خواتین کی چالوں میں پھنس کر عدالتوں میں بندھے پھر رھے تھے چھڑا کر ان کے ھمراہ مصر و عرب کی طرف، موش خور بلی کی طرح، بغرض توبہ رجوع کی اور مصنف نے بھی " بہ سفر رفتنت مبارکباد " کہکر اُن کا ساتھ چھوڑا —

| یہ نقائص عام ھیں |

مجھے اس وقت اس ناول کی کامل و مبسوط تنقید منظور نہیں- نہ تو میں مدرسۃ العلوم علی گڈہ کو جو اس ناول سے صدمہ پہنچ سکتا ھے اس کا ذکر کرونگا اور نہ اُن اخلاقی خرابیوں کو گنواؤنگا جو اُس کے غیر فطری پلاٹ کا نتیجہ ھو سکتی ھیں - میں نے قصے کا خاکہ پیش کر دیا اور اس سے صاحبان فہم خود ھی اندازہ فرما سکتے ھیں - مجھے جو کچھہ عرض کرنا منظور ھے وہ صرف اتنا ھے کہ جس طرح کی غلطیاں اور نقایص آپ اس اُستاد فن کے ھاں پاتے ھیں اُن سے اُن کے مقلدوں اور ان کے اسکول کا کوئی ناول خالی نہیں —

| پروفیسر مرزا محمد ھادی پی-ایچ - ڈی |

ان لوگوں میں سے جنھوں نے ان نقایص کو محسوس کر کے علحدہ طرز کے ناول لکھے دو نام خاص طور پر قابل ذکر ھیں -

ایک‌تو استادی پروفیسر مرزا محمد هادی اور دوسرے مصورغم مولانا راشدالخیری۔
اور اسمیں شک نہیں کہ مرزاصاحب نے ابتدا ابتدا میں جتنے ناول خود تصنیف کئے
ہیں وہ اس قابل ہیں کہ انشاء پردازی میں انہیں ممتاز جگہ دی جاے - محاوروں
کی برجستگی ' زبان کی سلاست اور فقروں کی آمد تو ممکن ہے کہ اور مصنفوں کے
ہاں بھی کہیں کہیں مل جائے لیکن ہیرو اور ہیروئن کی عام انسانوں سے مشابہت
ان کے افعال و کردار پر فلسفیانہ نظر ' ان کی سیرت کا ارتقا و نمو اور ہر واقعہ کا
اسباب و علل کے ساتھہ بیان یہ مرزا ہی سے قابل انشاء پرداز کی خصوصیت ہے۔
مرزا صاحب کے بعد کے ناول " خونی عشق " " خونی مصور " " خونی حورو " وغیرہ
وغیرہ مہادیو پرشاد ناول فروش کی فرمایش کا نتیجہ ہیں اور زیادہ تر میری
کوریلی کے ناولوں کے ترجمے - اگر ذوق سلیم ہوتا یا ضرورتوں نے مذاق عامہ کی
تائید کرنے پر مجبور نہ کردیا ہوتا تو غالباً مرزاصاحب نے اس مصنفہ کو اسقدر
پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھا ہوتا اور ڈکنس اور تھیکرے یا آج کل کے کسی
کامل‌الفن کی کتابوں کے ترجمے کرکے آج اُردو کا دامن نہ معلوم کتنے جواہر ریزوں سے
بھر دیا ہوتا —

مولانا راشدالخیری

مولانا راشدالخیری کی " صبح زندگی " " اور شام زندگی "
زبان کے لحاظ سے ' مکالمے کی وجہ سے اور مسلمان خواتین کی
روزانہ زندگی کی تصویر ہونے کی حیثیت سے ' ادب میں مخصوص درجہ رکھتی
ہیں - جن اصحاب نے مولانا نذیر احمد کی " بنات النعش " اور " مراۃ العروس "
دیکھی ہے ' وہ اس سے اچھی طرح واقف ہونگے کہ اس خاندان کو عورتوں کی
تعلیم سے ایک خاص دلچسپی ہے - مولانا راشدالخیری نے اپنے عم بزرگوار کی
طرح زیادہ تر کتابیں اسی مقصد اور منشاء سے لکھی ہیں اور اس صحیح معنوں
میں وہ ناول نہیں ہے بلکہ تعلیمی کتابیں کہی جاسکتی ہیں - اگر دنیائے اردو
اس طرح کی بے سواد اور ناقدری نہ ہوتی تو ہمارے اصول تعلیم میں شاید

ان کو بھی وھی پایہ حاصل ھوتا جو مغرب نے میڈم کمناس کی " ایڈیلی - اٹ تھیوڈر " اور روسو کی " ایمیلی " کو دے رکھا ھے —

مولانا نے ایک بہت بڑی غلطی اس سلسلے میں یہ کی ھے کہ انھوں نے مولانا نذیر احمد کی کتابوں کا جواب لکھنے کی کوشش فرمائی ھے - یعنی جس طرح " صبح زندگی " اور " شام زندگی " ' مراۃالعروس ' اور ' بنات النعش ' کی سی ھیں اسی طرح " شب زندگی " " توبۃالنصوح " سے مشابہ ھے - اور مجھے مولانا معاف فرمائیں گے لیکن میں یہ عرض کرنے پر اپنے کو مجبور پاتا ھوں کہ انھیں اس میں قطعی ناکامیابی ھوئی ھے - آج کل کی دنیا اس طرح کے خواب و خیال کی باتیں سننے کے لئے تیار نہیں ھے - " ماہ عجم " مسلمانوں کی ایرانی فتوحات کی یادگار ھے لیکن اس کا پلاٹ نہایت مخلوط ھے اور زبان آورد سے مملو ھے اور اس میں صرف الفاظ کی بیجا تکرار ھی نہیں پائی جاتی بلکہ طرز تحریر بالکل عربی ھوجاتا ھے اور اس لئے آج کل کے اُردو داں پبلک کے لئے ایک انوکھی سی چیز ھے - مثلاً ایک ٹکڑا نقل کرتا ھوں —

" کیوں ' کیوں ' دنیائے ناپائیدار ! آنکھہ کی ایک گردش سے کیا کیا گل کھلادئے ! تف ' تف ' چرخ ستمگار ! ایک چکر میں ' کس کس کو ' کہاں سے کہاں پہنچا دیا ' تمھاری آنکھوں سے دیکھا ' اور ھم کو دکھایا کہ حیات انسانی اور اس کا ھر ذرہ آفات سے پر ' اور آلام سے لبریز ھے ' تخت پر بیٹھنے والا میدان خاک میں لوٹا ؛ آنکھوں میں رھنے والا شہریار ' خون میں تڑپا ؛ ایران کو جگمگانے والا چاند سیستان میں قید ھوا - مگر او دنیائے ناپائدار ! پھر بھی تیری آنکھہ میں ' اے چرخ ستمگار ' تیری تیوری پر ' بل نہیں میل نہیں ! پتہ دے او جفا شعار ' اپنی حقیقت کا ' مقصد بتا او نابکار ' اپنی اصلیت کا ' بتا اپنی غرض ' بول اپنی غایت ! " -

مسجع و مقفی عبارت اور پھر انتہائے جوش اور افراط غم میں ' سوائے

أردو ڈراما کے کیرکٹروں کے اور کسی کے منہ سے نہیں سنی جاتی - اور اس لئے ہم مولانا کو ان کی اس تصنیف پر مبارک باد نہیں دیسکتے - رهیں مولانا کی اور کتابیں سو وہ سب کی سب اسلامیت سے لبریز هیں اور گو ان میں فرقہوارانہ حمایت هندوستان کی موجودہ مسموم آب و هوا کے زیر اثر بہت کچھہ نمایاں اور واضح طور پر موجود هے لیکن پھر بھی سب کی سب اس قابل هیں کہ زبان و روزمرہ کے شایق انھیں آنکھوں سے لگائیں اور دلوں میں جگہ دیں!—

اردو کے ان ناول نویسوں کے علاوہ جن کا میں اس وقت تک ذکر کرچکا هوں ایسے اور لوگ بھی هیں جنھوں نے ناول لکھے اور اچھے لکھے مگر چونکہ وہ باقاعدہ ناول نویس نہیں هیں اور نہ ان کی ناول نویسی کا اردو ادب پر کوئی خاص اثر پڑا هے اس لئے اس مختصر تبصرے میں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں- رهے وہ لوگ جنھوں نے متعدد ناول لکھے مگر ایسے کہ ان کا ذکر بغیر انتہاے ناپسندیدگی کے اظہار کے محال هے سو وہ بھی قابل ذکر نہیں' ایسے موقعوں پر سکوت کافی هے —

تھوڑا سا غور و تامل کرنے سے همارے ناولوں کے ان عام نقائص کی یہ وجہ معلوم هوتی هے کہ همارے فسانہ نویس ناول کے اصلی معنی اور اس کے مخصوص عناصر سے ناواقف هیں- اس لئے میں آئندہ فائدے کے خیال سے اب انھیں سے بحث کروں گا- سب سے پہلے خود ناول کو لیجئے —

ناول کی تعریف اور قصص و حکایات میں اور اس میں فرق

اب تک همارے هاں قصہ کہانی' حکایت' فسانہ اور ناول سب کے ایک هی معنی سمجھے جاتے هیں اور اس وقت تک همارے ادیبوں نے ان الفاظ کو اصطلاحی طور پر استعمال کرکے ان کی جداگانہ تعریفیں نہیں کیں- انگریزی میں اس صنف کے بہت سے الفاظ هیں' لیکن ان میں سے تقریباً هر ایک خاص معنی رکھتا هے- مثلاً "فیبل" ایسی کہانی کو کہتے هیں جو دیو پری' بھوت پریت کے افسانوں سے مملو هو اور جس کو واقفیت سے کوئی

تعلق نہ ہو۔ "متھ" اسی طرح وہ کہانیاں کہلائیں گی جن میں قوانین قدرت کو مجسم مان کر ان کے کارنامے بیان کئے جائیں۔ مثلاً ہندو بھائیوں کے ہاں پانی و ہوا اور ابر کے دیوتاؤں کے قصے۔ "لیجنڈ" ان قصص کو کہیں گے جو پیشوایان مذہب کے متعلق ہوں اور جو ان کے غیر معمولی اور خارق عادات افعال سے بحث کریں اور جن کے لئے کوئی تاریخی ثبوت نہ ہو۔ "رومانس" ان حکایتوں کو کہیں گے جن میں ایسی سیرتوں کا ذکر ہو جو عوام الناس میں نہ پائی جاتی ہوں اور جن میں حسن و عشق کی حکایتیں، جرات و دلیری کے کارنامے اس طرح بیان کئے جائیں کہ ان سے اور موجودہ زندگی سے کوئی لگاؤ نہ ہو لیکن جو انسانی ترقی کی حد ہوسکتے ہوں۔ مثلاً اردو کے ناول لے لیجئے، ان میں سے اکثر "رومانس" ٹھہریں گے۔ اب ان سب سے علیحدہ کرنے کے لئے ناول کی تعریف ملاحظہ فرمائیے :-

ناول فرضی واقعات کا ایک ایسا بیان ہے جو ایک مسلم پلاٹ پر مبنی ہو، جس میں انسانی سیرتوں کی تصویریں اور فطرتی نظاروں کے سچے ہوں اور جس میں خرق عادات، غیر فطری اور غیر معمولی امور کا تذکرہ نہ ہو بلکہ وہ روزانہ زندگی اور حالات کی ایک ایسی تصویر ہو جس میں حسن و عشق کا عنصر اتنا ہی ہو جتنا دال میں نمک۔ ایک مشہور انگریزی ادیب مسٹر مور کا خیال ہے کہ "ناول زمانۂ موجودہ کی تاریخ ہے اور اس عہد کی کامل ترین اور صحیح ترین تصویر جس میں ہم زندگی بسر کررہے ہیں"۔ انہیں معنوں میں کسی ظریف کا قول بھی ہے لیکن ظرافت نے جس طرح ناول نویس کو سراہا ہے اسی طرح مورخ کا خون بھی کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "ناول میں ناموں اور سنوں کے سوا سب کچھ صحیح ہوتا ہے اور تاریخ میں ناموں اور سنوں کے علاوہ سب کچھ غلط!"۔ بہر حال سب اس پر متفق ہیں کہ ناول نویسی حقیقت نگاری ہے اور سب اس پر مصر کہ جس طرح مورخ جماعتوں اور خاندانوں کے انقلاب دکھلاتا ہے اسی طرح ناول نویس کا فرض ہے کہ وہ شخصیتوں اور افراد سے بحث کرے۔

اسی ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ناول کوئی جذباتی اور شاعرانہ نظریۂ زندگی نہیں پیش کرتا بلکہ ایک فلسفیانہ اور ذہنی نظریہ - اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے حقیقی اور آخری جامے میں اس وقت تک رونما نہیں ہوا جب تک کہ نثر میں سائنس اور فلسفے کے الفاظ عام طور سے استعمال نہ ہونے لگے اور مختلف علوم کی اصطلاحیں زبانوں پر نہ چڑھ گئیں- ہمارے ہاں اردو میں یہ کمی آج تک موجود ہے اور شاید اسی لئے غریب ناول نویسوں کو علمی مباحث سے گریز رہا اور وہ اب تک نثر میں بھی اسی طرح کے الفاظ سے کام لیتے رہے جو شاعروں کی جذباتی تصانیف کے سلسلے میں وجود میں آئے —

شاعر اور ناول نویس میں فرق

اسی کے ساتھ انھوں نے شاعر اور ناول نویس کے سب سے بین فرق کو بھی نہ سمجھا - ناول نویس اپنے دل اور خواہش کے مطابق ایک نئی دنیا نہیں بنا سکتا - اس کو ہماری ہی دنیا سے بحث کرنا ہے - یہی جس میں سکھ بھی ہے اور دکھ بھی، جنگ بھی ہے اور صلح بھی، موت بھی ہے اور پیدایش بھی، لیکن شاعر اس عالم کو پس پشت ڈال کر تخئیل محض سے تحقیق کا کام لیتا ہے اور عالم موجودات سے اور اس کی دنیا سے بس اتنا ہی ربط اور لگاؤ ہوتا ہے جتنا کہ حسیات کو تخیل سے - ناول نویس اس کے بالکل برعکس اسی دنیا کو ہر وقت پیش نظر رکھتا ہے اور جو کچھ لکھتا ہے وہ اسی کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اور اسی پر غور و فکر کرکے اسی کے دیکھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہے - اور اس کی سب سے بڑی غرض اور سب سے اہم غنایت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح اس معمۂ زندگی کے حل کرنے کا بہترین آلہ پیش کرے اور ہم کو یہ بتلائے کہ اس نے اس گتھی کو کن اصولوں پر اور کن صورتوں سے سلجھایا ہے - تخئیل کا حق فطرتاً صرف شاعر ہی کو حاصل ہے ' اس کی پرواز کی کوئی حد و انتہا نہیں ' وہ نظم کی موزونیت ' عام دلکشی اور فطری ترنم کی وجہ سے سب کچھ نباہ سکتا ہے : اس پر کوئی حرف گیری کرنے والا نہیں اور

جب اس پر کوئی جرح و قدح کرے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ تھوڑا سا مسکرا کر یہ کہدے کہ ع : شعر مرا بمدرسہ کہ برد - اس لئے کہ جب آپ اس پر تنقید کرنے بیٹھیں تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ اسی کے ساختہ اصول سے بحث کریں - آپ کے صرف و نحو کے قواعد - آپ کے مقرر کردہ ضوابط کا وہ پابند نہیں - لیکن نثار محض تخئیل سے کام نہیں لے سکتا - اسے اس کا حق نہیں کہ وہ اپنے کو پابندیوں سے بالا اور قواعد سے برتر سمجھے ' دنیا کے جتنے علوم ہیں وہ نثر ہی میں لکھے گئے ہیں - اس کے صرف ناول نویس کے لئے سارے کلیے توٹ نہیں سکتے - اسے ہر قدم پر یہ خوف لگا ہونا چاہئیے کہ لوگ اسے توک کر پوچھیں گے کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا ' وہ انہیں کے دنیا کی باتیں ہیں - اور انہیں کے روز مرہ زندگی کی ' پھر اگر انوکھی ہوئیں تو وہ کیوں نہ توکیں ؟ —

ہاں ناول نویس کے لئے اگر کوئی گنجایش ہے تو صرف اتنی کہ وہ نثر میں بھی جو تخئیل کا پہلو ہے اس سے فائدہ اُٹھا کر ہمارے لئے ایک واقعی شخصیت سے بحث نہ کرے بلکہ ایک ٹائپ ' ایک نمونہ ' ایک مثالی ذات پیش کردے - لیکن اس طرح اس عنوان سے اور ایسے حلیے میں کہ ہمارا دماغ یہ ماننے میں ذراسا بھی تامل نہ کرے کہ یہ شخصیت ہم ہی میں سے ہوسکتی ہے اور ایسے واقعات ہمیں بھی پیش آسکتے ہیں —

انگریزی ناولوں سے مثالیں

یہی تو وجہ ہے کہ جس یوروپین ناول کو دیکھئے وہ مغربی خیالات و حسیات کا ترجمان اور ان کی روحانی اور دماغی کشمکش کا سچا عکس نظر آئیگا - ایندتنی ترولوپ کی دیہاتی زندگی اور شکار کی تصویریں ' برت‌ہارتی کے کلیفورنیا کے معدنیات کے خاکے ' استیونسن ہنتلے اور رسل کی سمندری سفر کی دلچسپیاں ' ڈکنس کے عہد وکٹوریہ کے انگریز غربا کے حالات ' تھیکرے کی خاندانی امراء کی ذہنیت ' ہالوے کی تھیٹر کی معاشرت ' اسکاٹ کے تاریخی واقعات ' مسز ہمفری وارڈ کے اوسط طبقے کے لوگوں کے خیالات

ڈوما کے جرآت و بہادری کے معر کے - جارج الیٹ اور شارلیٹ برونٹ کے نسائی نظریے ' ٹالسٹائے کے روسی کاشتکاروں کے مصائب ' ھیوگو کے ادنی طبقے کے فرانسیسیوں کے آلام تو جانے دیجئے ' یہ مردہ مصنفوں کے زندہ جاوید کارنامے اور گذرے ہوے زمانوں کی تصویریں ھیں —

آج کل کے مصنفوں کا جونسا ناول جی چاھے لے لیجئے آپ کو موجودہ مادیت و روحانیت کا تصادم مزدوری اور سرمایہ کی جنگ ' سیر و تفریح کے میدان ' کھیل اور تماشے کی جگھیں ' قماربازی و بادہ خواری کی کثرت ' تعلیم و تعلم کے اصول اور بین‌الاقوامی جد و جہد ساری باتیں مل جاینگی - کوئی ایجاد ' کوئی اختراع ' کوئی علمی یا ادبی بات ' کوئی موضوع ' کوئی مضمون ' کوئی اھم واقعہ ایسا نہ ملیگا جس کے لئے آپ کو بہترین مواد اور مصالحہ ناولوں میں نہ ملجاے - فرانس کے خیالات و معاشرتی حالات معلوم کر نے ھوں ' اناتول فرانس پڑھئے ' کون اناتول جسے سنہ ۲۲ ع کا نوبل پرائز ملا ' جس نے " پنگوئن آئلینڈس " (Penguin Islands) لکھکر ناول میں فلسفہ ' ناول میں تاریخ عالم - ناول میں اصول اخلاق لکھہ ڈالے اور جو طنزیہ طرز تحریر کا بادشاہ مانا جاتا ھے - شوپنہور کا فلسفہ ' یا آپ کی زبان میں تقدیر کا تدبیر پر زور دیکھنا مقصود ھو تو ھارڈی کے ناول پڑھئے - دیکھئے کس کس طرح کے انوکھے واقعات مثال کی طور پر پیش کرتا ھے اور انگریزوں کی دیہاتی زندگی کے کیسے مرقعے کھینچتا ھے - آج کل کے قدامت پسند ' لبرل اور مزدور جماعتوں کے لیڈروں سے ملاقات کرنا ھو تو اچ - جی - ولز کی " دی ورلڈ آف ولیم کلیسولڈ ' (The World of William Clissold) دیکھئے اور انگلستان کے ان ماھرین سیاسیات سے واقفیت حاصل کیجئے جن کے ھاتھہ میں آج ھندوستان کی قسمت کا فیصلہ ھے - اور اگر اس سے آپ کے علم میں کمی رہ جاے تو اسی مصنف کی تازہ ترین تصنیف " مین‌وھائل " (Meanwhile) بھی پڑہ لیجئے اور انگلستان کی سب سے بڑی اسٹرائک کے سلسلے میں مسٹر بالڈون ' مسٹر

چرچل ، اور لارڈ برکنہیڈ سے پوری طور پر تعارف حاصل کر لیجئے - جارج گیننگ کی کتابیں اٹھائیے اور مزدوروں کی زندگی کی سیر کیجئے - ھچنس کا "اِف ونٹر کمز" (If Winter Comes) لے لیجئے اور سنہ ۱۹۱۴ ع کی جنگ دیکھ لیجئے - اسی سلسلے میں ویلز کا "مسٹر برٹلنگ سیز اِٹ تھرو" (Mr. Britling sees it through) بھی ملاحظہ فرمائیے اور انگلستان کی اس جنگ میں کوششیں اور قربانیاں دیکھئے - سر فلپ گبس کا "اَنچینجنگ کوئسٹ" (Unchanging Quest) لے لیجئے اور روسی بالشویزم کی ابتدا مشاهده کیجئے - تفریح کرنے کو جی چاھے تو فینٹ گولڈ کے ناولوں میں گھوڑدوڑوں کی سیر کیجئے - معمے ، اسرار ، جاسوسی مجرموں کی داستانیں ، نہفته کارروائیاں پڑھنی ھوں تو فرنیکو ، اڈگر ویلس ، لی کوئے اور فلپ اوپنہیم کے تصانیف دیکھئے - مصر قدیم یا افریقۂ جدید کے حالات معلوم کرنے ھوں رائڈر ھیگرڈ کے ناول خریدئے - روحانیت سے دلچسپی ھو یا سراغرسانیاں مقصود ھوں تو کونن ڈائل کی کتابیں مول لیجئے اور اگر اینگلوانڈین خیالات اور هندوستانی فوج کا معاینه منظور ھے تو رڈیارڈ کپلنگ کے ناولوں کا مطالعه فرمائیے - یه مشتے نمونه از خروارے ھیں - ھر ایک کے ایک ایک ناول سے علحده علحده کہاں تک بحث کیجا سکتی ھے ؟ زندگی کا کوئی شعبه ، عالم کا کوئی گوشه ان باکمال مصنفوں سے نہیں چھوٹا - یہی تو وجه ھے که مطبع سے نکلتے ھی دنیا ان کی کتابوں کو سروں پر رکھتی اور کلیجوں سے لگاتی ھے اور مطابع ایک ایک کتاب لاکھوں کے مول لیتے ھیں - لیکن جب اپنے ھاں نظر ڈالتے ھیں تو ھم کو ایسی سرد بازاری دکھای دیتی ھے که دل ٹوٹ جاتا ھے —

پلاٹ کیا شے ھے

خیر یہاں تک تو ناول اور اس کی مثالوں سے بحث تھی - اب اس کے عناصر پر نظر ڈالئے - ناول کا سب سے پہلا عنصر پلاٹ ھے - ھمارے ناول نویس اس کے اصلی منشاء سے بھی بالکل بے بہره ھیں - پلاٹ واقعات کے ایک ایسے سلسلے کو کہتے ھیں جس سے آخر میں کچھ خاص

طرح کے نتائج مترتب ہوں - ہمارے ہاں عشق سے ابتدا ہوتی ہے، ہجراں نصیبی پر سارے قصے کی بنا اور وصل پر ناول کا خاتمہ - اس سلسلے میں جتنے ابواب آئیں گے وہ ان میں سے کسی سے متعلق ہونگے - ناول نویس اس اخلاقی تعلیم کا جس کے لئے یہ سب کچھ لکھا گیا ہے کہیں بھی ذکر نہیں کرتے اور نہ ناول کے پڑھنے کے بعد آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ ناولسٹ نے آپ کو کوئی خاص فلسفہ، کوئی مخصوص نظریہ سمجھا دیا، حالانکہ جتنے قصے لکھنے چاہئیں وہ کسی خاص غرض اور کسی مخصوص غایت سے —

حضرت عیسیٰ کے چھوٹے چھوٹے قصے انجیل میں پڑھئے، دیکھئے جب وہ کوئی حکایت پیش کرتے ہیں تو مثلاً دنیا کو کچھ سبق دینے کے لئے، کچھ سکھانے کے لئے، یوں ہی بیکار نہیں - کبھی شمعون کو قرض داروں کی مثال دے کر گنہگاروں کے ساتھ خدا کی رحمت پر زور دینا مقصود ہے؛ کبھی کسان کے بیج بونے کا حال سنا کر شاگردوں کو ایمان کے مدارج کی تعلیم منظور ہے؛ کبھی مرد سامری اور زخمی کا قصہ سنا کر پڑوسی کے صحیح معنی بتاتے ہیں اور کبھی دولت مند کی خیالی کوٹھیوں کا حال بیان کرکے اپنے لئے خزانہ جمع کرنے سے منع کرنا اور ابدی فلاح حاصل کرنے کی تاکید فرمانا ہے—

خود قرآن مجید کو لے لیجئے - جہاں پر قصص و حکایات آئے ہیں، ان سے کچھ خاص نتائج مترتب ہوتے ہیں - کہیں پر ہم کو ڈرانے کے لئے کسی مقہور قوم کی حکایت ہے، کہیں پر ہم کو ہمت دلانے کے لئے مرحوم ملتوں کا ذکر ہے، کہیں پر حضرت موسیٰ و فرعون کا مقابلہ بیان کرکے اپنے برگزیدہ بندوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے اور کہیں پر آتش نمرود کو گلزار ابراہیمی بنا کر اپنے خلیل کو بچا لیتا ہے - اگر یوسف و زلیخا کا ذکر کیا تو اس لئے کہ اس سے باپ کی بیتابی، بھائیوں کا حسد اور عورتوں کے مکر دکھلائے - اگر حضرت ایوب کا بیان ہے

تو اس لئے کہ خدا پر بھروسا کرکے مصائب جھیلنے والوں کے استقلال و پا مردی کی تعریف کرے - اگر حضرت سلیمان کا واقعہ دھرایا تو اس لئے کہ ہم اس سے یہ اثر لیں کہ ایسا جلیل المرتبہ نبی بھی موت سے نہ بچ سکا' حضرت یونس' حضرت صالح' حضرت الیاس' حضرت آدم علیہم التحیة و الثناء جن کا بھی ذکر کیا' جن کی حکایت بیان کی' جن کا واقعہ یاد دلایا' وہ صرف اس لئے کہ ہم اس سے ایک خاص نتیجہ نکا لیں' ایک مخصوص سبق لیں—

اب جب کہ سب سے بڑے معلم کا یہ حال ہو تو آج کل کے قصے کو جب بیکار' بغیر کسی خاص غرض و مفاد کے کوئی ناول لکھیں تو ہم ان کو مخرب اخلاق کیوں نہ کہیں اور تضیع اوقات کا ایک ذریعہ کیوں نہ بتائیں ؟—

سیرت نگاری

ناول کا دوسرا عنصر سیرت نگاری ھے- اور یہی وہ مقام ھے جہاں کم علم مصنفین سب سے زیادہ ناکامیاب رہتے ھیں- اس لئے کہ وہ اس سے بے خبر ھوتے ھیں کہ کسی شخصیت پر ماحول کا کیا اثر پڑتا ھے- روز بروز کے چھوٹے چھوٹے واقعات کیونکر خیالات کو بدل دیتے ھیں یا ان میں اور استواری پیدا کردیتے ھیں؛ علم کی ضیا پاشی دماغ کو کسی حد تک روشن کردیتی ھے اور جہالت انسان کو کن تاریکیوں میں ڈال رکھتی ھے - آپس کی نزاع' ملک و قوم کی تہذیبی و معاشرتی حالت' مذھبیت کا جوش' یا اقتصادی حالات اور خاندانی روایات سیرت کے نمو پر کیا اثر ڈالتے ھیں؛ باپ کا بیٹوں کے ساتھہ غیر مساوی برتاؤ بھائیوں کو برادران یوسف کیونکر بناسکتا ھے؛ رقابت و حسد کی وجہ سے ھابیل و قابیل سا قصہ کیوں پیش آتا ھے؛ رند اوباش خراب کے اثر سے نصوح کیسے بن سکتا ھے- دیکھئے اُتھلو (Othello) سا سیدھا سادہ' جری' سچا عاشق اپنی بیوی کا یاگو (Iago) کی مکاریوں کی وجہ سے کیا ھوگیا- ھملیٹ (Hamlet) کے شبہات آھستہ آھستہ اس کے دماغی حالت کو اس درجے پر پہنچا دیتے ھیں کہ وہ باپ کا بھوت آنکھوں سے دیکھنے لگتا ھے- میکبتھ' بادشاہ کا خیر خواہ' ملک و وطن پر جان دینے والا'

محض چند پیشین گوئیوں اور اپنی بیوی کے اصرار سے قاتل بن بیٹھا اور پھر اس ایک جرم نے کتنے اور جرم کرالے۔ زہر عشق میں سوداگر کی لڑکی کو کیا کیا دکھ بھرنے پڑے اور محض اس لئے کہ اس نے اپنی عقل پر اپنے جذبات کو ترجیح دی۔ سیر کہسار میں نواب کیوں بگڑے' صرف اس لئے کہ مصاحبین نے آہستہ آہستہ انہیں اپنی راہ پر لگالیا۔ صبح زندگی میں سلیمہ اپنی بہن سے بالکل مختلف مزاج و طبیعت کی کیوں ہوئی' محض اس وجہ سے کہ اس کی پھوپھی نے اس کے والدین سے بالکل جداگانہ تربیت دی۔ بہرحال نیک چلن سے بدمعاش' رند منش سے فرشتہ سیرت' جنگجو سے صلح پسند اور وطن پرست سے ملک فروش ہونا سب کچھ انسان کے لئے ممکن ہے۔ لیکن واقعات و ماحول' تربیت و تعلیم اور سوسائٹی اور معاشرت کی تبدیلیاں ان کی باعث ہوتی ہیں۔ ان کا اظہار' ان کا درجہ بدرجہ اثر' تغیر ذہنی و جسمانی کی ارتقاء کا دکھانا یہ کام محض ناولسٹ کا ہے۔ اور پھر ہر انسان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے' ہر ایک کی طینت جدا' طبیعت علیحدہ اور مزاج الگ' ان تمام امور کا خیال لازمی اور ضروری ہے۔ ایک ہی طرح کے واقعات دو مختلف شخصیتوں کو پیش آئیں' تو یقینی ان کے نتائج' ان کے افعال و کردار' ان کے خیالات و حرکات بھی جداگانہ ہوں گے۔ لیکن ہمارے اردو ناولوں کے ہیرو اور ہیروئن سب ایک قطعے' ایک نمونہ اور بالکل ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں جن کو جی چاہے بدل دیجئے اور جس پلاٹ میں دل چاہے رکھ دیجئے' وہ اس کے لئے بالکل موزوں اور مناسب معلوم ہوں گے۔ حسن انجلینا' والے حسن کو خواہ عبدالعزیز کہئے خواہ منصور۔ وہ ان میں سے ہر ایک کے واقعہ کے لئے اسی طرح موزوں ہیں جیسے خود یہ صاحبان اور یہ صرف اس لئے کہ ان شخصیتوں اور سیرتوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ محض نام ہی نام میں —

مکالمہ

ناول کا تیسرا عنصر مکالمہ ہے۔ یہ ناولسٹ کے ہاتھ میں اظہار خیالات کا بہترین آلہ ہے اور سچ پوچھئے تو اس سے باقاعدہ فائدہ

اُٹھانا بہت بڑا کام ھے - مصنف اپنے کیرکٹروں کی زبان سے جو کچھہ اس کا جی چاھے، جو کچھہ وہ ضروری سمجھے یا جو امور اھم جانے ادا کرا سکتا ھے اور اسی میں کامیابی ناول کو دلچسپ بنا دیتی ھے- اس لئے کہ تصویر کشی سے ڈراما ھمیشہ دلچسپ رھا ھے اور مکالمہ محض ڈراما ھے - بلکہ اُردو ناول نویسوں نے تو اس بات پر یہاں تک اصرار کیا ھے کہ وہ محض اپنے کیرکٹروں کے نام لکھکر ان کے اقوال پیش کر دیتے ھیں اور 'کہا' کا لفظ بھی ان کے لئے ایک بار سا ھو جاتا ھے - مثلاً اگر ان کو یہ کہنا ھے کہ احمد نے مسکرا کر کہا کہ " محمود تم بھی بالکل بیوقوف ھی رھے " - تو اسے یوں لکھہ دینگے - احمد- (مسکراکر " محمود تم بھی بالکل بیوقوف ھی رھے "- اور 'نے' 'کہا' اور 'کہ' کو بالکل حذف کر جائینگے - ظاھر ھے کہ یہ مختصر نویسی ناول کی شان نہیں بلکہ ڈراما کی خصوصیت ھے- لیکن ھم یہی سمجھے ھوئے بیٹھے ھیں کہ ناول پڑھنے والا خود ھی ھر پارٹ کو " ایکٹ " کرکے دیکھہ لیگا - اور اس سے ھم ابتک اپنی پرانی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ھیں —

بہرحال یہ امر مسلم ھے کہ تصویر کشی اور سماں بندی سے مکالمہ کہیں زیادہ دلچسپ ھے اور یہی وجہ ھے کہ جب سقراط نے اصلاح قوم کی تو اسی عنوان سے ' افلاطون نے اپنی " جمہوریت " لکھی، تو اسی طرز میں اور بارکلے نے اپنا فلسفہ سمجھایا تو اسی طریقے سے - اور کیوں نہ کرتے ' اس لئے کہ چست فقرے ' برجستہ جملے یہیں پر کام آتے ھیں - اور اسی لئے جب تک کوئی شخص خود حدیدالذھن نہ ھو اور اس میں جدت کا مادہ نہ ھو' اس فن میں کامل نہ اُتریگا- اردو ناول نویسوں میں 'سرشار' مرزا عباس حسین' سجاد حسین' ھادی اور محمد علی کے علاوہ یہ بات کسی کو نصیب نہیں اور مصنف طلسم ھوشربا گو ناواقف نہیں لیکن اس معاملۂ خاص میں وہ بھی مستحق صد تحسین و آفرین ھے کہ اس نے اس میدان میں جہاں کہیں قدم رکھا ھے اس طرح کے باغ لگائے ھیں کہ اُردو ادب میں ان سے سدا بہار رھیگی - ان معدودے چند کے علاوہ سب کے مکالمے بے جان '

علمیت سے معرا اور برجستگی سے خالی ہیں - نہ اُن میں ظرافت ہے اور نہ کوئی ذہنی لطف، ساری کتاب پڑھ جائیے نہ کوئی مزہ ملے گا اور نہ کوئی علمی فائدہ ہوگا —

سماں | ناول کا چوتھا عنصر سین اور سماں ہے - مناظر قدرت و فطرت کا بیان مکانوں کے کمروں کے خاکے، ان میں اسباب زینت کی آرائش، ضروریات کا موقع محل سے رکھا ہونا یہ تمام امور اس جز سے متعلق ہیں - اس میں بھی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ناولسٹ ان امور کو اس سلیقے اور اس انداز سے بیان کرے کہ پڑھنے والے کے سامنے بالکل تصویر سی کھنچ جائے - شاعری میں اسی کو محاکات کہتے ہیں - مولانا صفی کی نظم 'لخت جگر' میں آگرے کے تاج محل اور الہ آباد کے خسرو باغ کا بیان جس نے پڑھا ہوگا وہ اس سے اچھی طرح واقف ہوگا کہ مولانا نے اس صنف سخن کو کیا چار چاند لگائے ہیں اور اُردو کے موجودہ شعراء میں فطرتی نظاروں کے بیان میں آپ کو کس قدر ید طولیٰ حاصل ہے —

لیکن نثر میں نظم سے زاید اس بات کی صلاحیت ہے کہ وہ الفاظ میں کسی مقام کی بعینہ تصویر پیش کردے - ہمارے ناولسٹ اگر کسی عنصر میں بہت زیادہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں تو وہ صرف یہی فن ہے اور ناول کے اس جز میں انھیں یقینی کمال حاصل ہے - لیکن آئندہ فائدے کے لئے میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یورپ نے اس فن میں بھی ہم سے بہت زیادہ ترقی کرلی ہے، اور اس میں بھی جدت طرازی اور نئی نئی تشبیہوں اور اچھوتے استعاروں کی ضرورت ہے - اور ان کے لئے ہمیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں - ہمارے ہاں پنچ موجود ہے - اگر ہم اس کا بالاستیعاب مطالعہ کرتے رہیں تو ہم کو بہت کچھ مصالحہ بآسانی مل سکتا ہے - ممکن ہے کہ ناظرین اسے میری بد مذاقی تصور فرمائیں اس لئے میں اپنے کلام کی تصدیق کے لئے " احمق الذین " سے ایک

ٹکڑا نقل کئے دیتا ہوں - دیکھئے صبح کی محفل، رات بھر جاگے ہوئے سامعین کا کسل، پامال فرش کی صورت اور ارباب نشاط کی خستہ حالت کن الفاظ میں پیش کی ہے —

" رات کا جوڑا دیر سے ڈھل چکا - لمبے لمبے گیسووں کی بالچھوڑ شبنم کے عرق میں خوب بھیگ چکی - کالے ناگوں نے جھک کر اسے چاٹ لی - چودھویں کا چاند پچھم کی طرف جھک کر قوس کا دور کی طرح ہوا ہوا چڑھتا ہے - دور دور کے ستارے، نیند کی انکھڑ وں کی صورت جلد جلد جھپکیاں لینے لگے ہیں - چاند کی میلی ہوچکی ہے - مولوی تھا بھی تہجد سے فراغت کرچکے - لالہ مدھوش بھی مسماۃ جیبی (مادۂ سگ) کی چوما چاٹی سے چونک کر ایک عدد گلی گلابی (یعنی کُنجی) درحلق حسک فرو بردہ اند - قہقہۂ مینا، تبسم دم موقوف، دونوں الھست، الھڑ عاشق و معشوق کی طرح اوندھے، سیدھے الگ تھلگ، قلا بازیاں کھا رہے ہیں - شامیانے کی ڈوریاں، بوڑھوں کی ربط کی طرح ڈھیلی ہوچکی ہیں - کچھ تو لوگوں کے بار بار اُلجھنے اور کچھ زمین کی کشش، شبنم کے بوجھ نے، اس کے پیٹ میں بوڑھے بچہ کش معشوقوں کی طرح بتّیں، جھریاں ڈالدی ہیں - فرش کی باصفا پیشانی پر متفکر کی صورت سیکڑوں شکنیں پڑگئیں - مشلچیوں نے تیل کے داغوں، مشعل کے گلوں سے فرش پر جھائیاں ڈالدی ہیں - خاص دان ویران، حقے سلفہ، اہل محفل وقف خمیازہ - کوئی گاؤ کی آڑ میں حراتے لیتا، کوئی افیونی کی طرح پینک میں غین - ناچنے گانے والے آوازوں کے ساتھہ خود خستہ بھر بھرے تانوں کے بہانے جمہائیاں بتانے کے حیلے سے انگڑائیاں لے رہے ہیں ! " —

مصنف نے اتنے سے ٹکڑے میں کتنی نئی تشبیہوں، جدید استعاروں اور اچھوتی مثالوں کا زبان میں اضافہ کیا ہے - اس کا انصاف میں ناظرین کے ذوق سلیم پر چھوڑتا ہوں - ضرورت ہے کہ ادب کے اس بدنام شعبے کی طرف توجہ خاص

کی جائے اور اردو کے دلدادہ ان رنگین بیانیوں کی قدر کریں —

طرز تحریر

پانچواں عنصر جو اس سلسلے میں قابل ذکر ہے اور جس کا سماں بندی کا چولی دامن کا ساتھہ ہے وہ خود طرز تحریر اور انداز بیان ہے- اور حقیقیت تو یہ ہے کہ یہی ہر تحریر کو قابل سماعت اور لایق تحسین بناتا ہے- ایک ہی قصے کو دو زبانوں سے سنئے مثلاً پہلے پریم چند مصنف "پریم پچیسی" اور "پریم بتیسی" سے ایک افسانہ "باز یافت" کے عنوان سے سنئے پھر اسی کو فدا علی خنجر صاحب سے "آپ بیتی*" کے نام سے دھروائیے اور آپ کو محض انداز بیان کے جدا ہونے سے دونوں میں زمین آسمان کا فرق دکھلائی دے گا- الفاظ کے بامحل استعمال' محاورات کی برجستگی اور زبان کی باریکیوں سے فائدہ اُٹھاکر ایک خاص اثر پیدا کردینا یہ مصنف کا خاص کام ہے- اور جب تک وہ اس امر میں مہارت تامہ نہ رکھتا ہو اس کی تصنیفات وقیع نظروں سے نہ دیکھی جائیں گی - اور اسی لئے نثر کو بڑی خیالات کے ساتھہ ساتھہ الفاظ کی تلاش میں اتنی ہی کاوش کرنی چاہئے جتنی کہ کسی ناظم کو —

یہی بات تو ہے کہ جس نے محمد حسین آزاد کی ہر تصنیف کو اردو کے لئے آب حیات بنادیا ہے اور یہی سبب ہے کہ غالب کی اردو شاعری کے مخالف بھی اس کے رقعات پر وجد کرتے اور سر دھنتے ہیں- جدت خیال اور طرز ادا نے خدا جانے کیا حشر برپا کردیا ہے کہ ایک ایک فقرہ گھنٹوں پڑھتے رہو اور لطف میں کمی نہیں ہوتی بلکہ ذائقہ بڑھتا ہی جاتا ہے دیکھئے وہ صاحب کہاں اپنا حلیہ بیان کرتا ہے- کہنا صرف اتنا ہے کہ عالم جوانی میں بہت طرحدار جوان تھے' داڑھی منڈاتے تھے اور دانتوں پر مسی بھی ملتے تھے اور اسے وہ کیونکر ادا کرتے ہیں' فرماتے ہیں:—

"جب میں جیتا تھا تو مرا رنگ چمپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اس کی ستائش کیا کرتے تھے- اب جو کبھی مجھہ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا

---

* نظر' سنہ ۲۷ ع

پھر جاتا ہے۔ جب داڑھی ، مونچھ میں دل سفید آگئے، تیسرے دن چھوٹتی کے اتقے کالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے، ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی، تاکہ اس بھوتنے شہر میں ایک وردی ہے، عام ملا، حافظ، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیارا، جولاہہ، کنجڑا، منہ پر داڑھی سر پر بال، فقیر نے جس دن داڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا'' —

اور ضعیفی میں بینائی کی کمی کی وجہ یوں بیان کی ہے، ہائے ان چند فقروں میں اُجڑی دلی پر کیسے خون کے آنسو بہائے ہیں :-

'' آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں، جتنی گرد اُڑی ان سب کو از راہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی''—

اچھا ایک آج کل کے مشہور انگریزی مصنف ہچنسن کو لیجئے۔ وہ اپنی کتاب ''دی ہیپی واریر'' میں ارتری ایک ناکردہ کار، بھولی لڑکی کے عشق اور اس کی خفیہ شادی کے نتائج دکھاتے ہوئے ہیروئن کی طرفداری میں یوں رقمطراز ہے —

''ارتری کے لئے اتنی بات تو ضرور اس کی معافی کے واسطے کافی ہوگی کہ وہ بڑی بھولی تھی اس نے زندگی کی ضخیم کتاب کا بالکل مطالعہ نہ کیا تھا وہ صرف اس خیالی رسالے کی عالم تھی جس کی ابتدا ''میں عاشق ہوں'' سے ہوتی ہے۔ جس کا درمیانی حصہ ''میں عاشق ہوں'' پر مبنی ہوتا ہے اور جس کا تتمہ بھی ''میں عاشق ہوں'' ھی پر ہوتا ہے۔ اور جس میں نہ اس امر کا سوال ہوتا ہے اور نہ اس کا ذکر کہ اس ''میں عاشق ہوں'' کے کیا معنی ہوتے ہیں، اس میں کیا کرنا ہوتا ہے یا یہ (جذبہ) کہاں سے کہاں لئے جاتا ہے یا اس کا کفارہ کیا ہوگا'' —

اور پھر اس خفیہ شادی کے برے نتائج اور زوج و شوہر کی شکر رنجیاں دکھلاکر یوں لکھتا ہے ''میں عاشق ہوں'' والا رسالہ اب مشرح ہوگیا تھا اور ''میں عاشق ہوں'' کے کفارے، اس کے نتائج اور اس کی قربانیاں سب کچھ آنسوؤں نے

بڑے جلی حرفوں سے لکھ ڈالا تھا" —

لیکن اگر خیال میں اس طرح کی ندرت نہ ہو اور انداز تحریر بھی نیا نہ ہو تو کم از کم آمد، تسلسل اور روانی تو مفقود نہ ہو۔ دیکھئے فضول خرچی کے برے نتائج دکھانے میں راشد الخیری نے کیا دریا بہایا ہے۔ نسیمہ کی زبانی نند کی تعلیم کے لئے ایک قصہ یوں بیان کرتے ہیں—

"اے ہے ہاجرہ مجھکو اپنی ایک سہیلی کا واقعہ یاد آگیا۔ خیال آتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں خدا دشمن کو بھی ایسی کمبخت بیوی نہ دے۔ یوں تو پڑھی لکھی، صورت شکل کی اچھی سب صفتیں موجود تھیں مگر ایک فضول خرچی نے وہ گت بنائی کہ الٰہی توبہ! میاں ماشاء اللہ ڈیڑھ سو روپیے کے نوکر تھے اور فقط ڈیڑھ سو ہی نہیں اوپر سے کچھ مل جاتا تھا، مگر اتنے سیدھے کہ ایسا آدمی دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں۔ پہلی کی پہلی تنخواہ لائے اور بیوی کے ہاتھ میں دے دیتے۔ بس ان سے تنخواہ کا واسطہ فقط اتنی ہی دیر رہتا کہ کچہری سے گھر لے آئے۔ جو کھانا بیوی نے آگے رکھ دیا وہ کھا لیا، جو کپڑا بیوی نے پہنا دیا وہ پہن لیا۔ کبھی اللہ کے بندے نے اٹھ کر کوئی بات پوچھی ہی نہیں۔ کبھی ململ ہوئی تو واہ واہ اور سونگ کی دال ہوئی تو سبحان اللہ۔ بیوی بے ڈھنگی فضول خرچ تو ازلی تھیں، میاں کی اس غربت نے سونے پر سہاگے کا کام دیا، جو چاہتیں وہ کرتیں، جو جی میں آتا وہ اٹھاتیں بچے گنتی میں تو چھ تھے، مگر سب چھوٹے، کیا کہتے، کیا سنتے۔ گھر کا ڈھرا یہ، ڈیڑھ سو روپیے کی تنخواہ دار کی بیوی، ہاتھ ہیکڑا نہ پاؤں بیکڑا، سونے کا تار نہ چاندی کا چھلا۔ آرام طلبی و کیفیت یہ کہ پلنگ پر چوہا چادر، بچوں کے کپڑے چکٹ، مگر مامائیں ایک چھوڑ دو دو موجود، رات کو جاڑوں میں سکڑ کر پڑ گئے تو بلا سے، مگر لحاف کے بدلے ایک روپیے کی درت دن کو کھالی۔ زبان کو چٹخارہ کہ کوئی سودے والا ہو گلی میں سے خالی نہ جائے۔ فقیروں

کا سا گھر کہ دری نہ چاندنی ، ٹوٹے بوریے ، میلی کچیلی پھٹی پھٹائی دقیانوسی چادر ، ذلیلوں کے بچے ، کرتہ نہ ٹوپی ، جوتی نہ اچکن ، کھلے جوتی لبیری کرتہ ، جھیر جھیر ٹوپی - ہر چند سارے ہی عزیزوں نے اس نیک بخت کو سمجھایا کہ مامائیں الگ کر اور وہ مثل یاد رکھ ، لونڈی بن کھاے اور بیوی بن کھاے ، مگر اس اللہ کی بندی کو آرام طلبی کا ایسا چسکا پڑا کہ ہلنا بھی دوبھر ہوگیا " —

غرض اتنی ساری مثالوں سے صرف یہ ہے کہ خیال کی جدت ، طرز بیان کی ندرت ، زبان کی آمد اور فقروں کی برجستگی ہی تحریر کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ وقعت سے دیکھی اور دلچسپی سے پڑھی جاے اور اس لئے ناول نویس کے لئے ضروری ہے کہ ہر فقرہ لکھنے کے پہلے اس پر غور کرلے کہ آیا اس کی وجہ سے ناظرین کی دلبستگی میں کوئی اضافہ ہوگا یا نہیں - اگر اس کا جواب نفی میں ملے تو وہ حذف کردینے کے قابل اور اس کا ترک واجب ہے

علم النفس سے واقفیت ضروری ہے

چھٹی بات جو ان تمام امور سے اہم تر ہے وہ علم النفس سے واقفیت ہے - اس لئے کہ ناول میں ہر جگہ افعال و واقعات کے سمجھانے کے لئے ان کے اسباب و علل سے بحث کرنا ہوتی ہے اور قدم قدم پر ہیرو اور ہیروئن کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے - نفسیات کے ماہر بجائے اس کے کہ اپنی شخصیت کو ظاہر کر کے ہر بات کے سمجھانے اور واضح کرنے کی کوشش کریں کیرکٹر کے حرکات و سکنات سے ان امور کو ظاہر کرادیتے ہیں - ان کے ہاں علم قیافہ ہر جنبش و حرکت کی توجیہ کردیتا ہے - غصے میں پیشانی کی شکن ، خوشی میں آنکھوں کی چمک ، جوش میں مٹھیوں کا بند ہوجانا ، سرور سے گردن کا ہلنا ، مستی میں آنکھوں کے ڈوروں کی سرخی ، خوف سے اعضاء میں رعشہ ، خجالت سے پیشانی پر پسینہ ، استعجاب میں لہجے کا فرق اور رنج میں چہرے کی زردی ، یہ ایسی چیزیں ہیں جو ناول نویس کے اختیار میں حیات و جذبات کی ایک دنیا دے دیتی ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھاکر قصے کی دلچسپی میں عالم کی دلبستگیوں

اور پسندیدگیوں کا اضافہ کردیتا ہے —

لیکن ان امور سے زیادہ اہم چھوٹے چھوٹے واقعات کا ترتیب دینا اور ان سے کسی خاص واقعے کا مربوط نتیجہ نکالنا ہے اور ذہنی انقلابات کا وہ سچا فوٹو دینا ہے جو ہر کہ و مہ پر روزانہ زندگی میں واقع ہوتے رہتے ہیں ۔ دیکھئے آرنلڈ بنٹ اپنے ناول میں ایک فضول خرچ کی نفسیاتی کیفیت یوں دکھلاتا ہے —

" جب تین لاکھ فرانک میں سے صرف بیس ہزار باقی رہ گئے تب بھی ان کو یہی یقین تھا کہ ان کے معاملۂ خاص میں قوانین فطرت کسی نہ کسی طرح معطل ہی رہیں گے ۔ انھوں نے ایسے لوگوں کے حالات سنے تھے جو کبھی امیر تھے لیکن بعد میں بھیک مانگنے اور چوراہوں پر جھاڑو دینے لگے تھے ۔ لیکن اُنھیں یقین تھا کہ وہ ایسے خطروں سے بالکل محفوظ رہیں گے اور صرف اس کلیے کی بنا پر کہ وہ وہی ہیں ! ۔ پھر بھی وہ اس کلیے کو روپیہ کمانے کی کوششیں کر کے اور بھی مستحکم کردینا چاہتے تھے ۔ لیکن جب یہ سعی لاحاصل ثابت ہوئی تو انھوں نے اس کلیے کو برقرار رکھنے کے لئے قرض لینا شروع کیا .... ممکن تھا کہ وہ اس کلیے کی اعانت چوری کر کے بھی کرتے لیکن نہ تو ان میں اتنی ہمت تھی اور نہ وہ دھوکہ دہی کے فن سے واقف تھے .... پہلے جیسا وہ سونچتے تھے تو ہزاروں میں اب وہ ہر روز اور ہر گھنٹہ سیکڑوں اور دہائیوں میں سونچنے لگے ۔ انھوں نے دو سو فرانک ریل کے کرایہ میں محض اس لئے صرف کئے کہ وہ ایک دیہات میں کم خرچ میں زندگی بسر کریں ۔ اور تھوڑے دنوں بعد پھر دو سو فرانک اس لئے خرچ کئے کہ پیرس میں اس سے کم خرچ میں رہیں ۔ اور پیرس کی آمد ، کم خرچی کی باضابطہ ابتدا اور معاش کی باقاعدہ تلاش کی خوشی میں انھوں نے سو روپیہ دعوت میں خرچ کر ڈالا .... المختصر انھوں نے کوئی حرکت ، کوئی فعل اور خود کو دھوکہ دینے کی ایسی کوئی صورت اُٹھا نہ رکھی جو اس طرح کے بیوقوف ایسی حالت میں کیا کرتے ہیں اور اس پر بھی

ہمیشہ یہی یقین رہا کہ ان کی مشکلیں اور ان کی عقلمندیاں دنیا بھر سے جداگانہ ہیں "۔

دیکھئے اُردو کا ایک ناول نویس ایک بھولے نواب کے پاس انگریزی کا ایک خط ایسے وقت میں پہنچاتا ہے جب کہ نواب موصوف ارباب نشاط کے جھرمٹ میں بیٹھے " شوق سے ناچ یا اپنا ووپید دیکھ رہے ہیں " اور خط پڑھتے ہی جو اس طرح کے کم عقل اور ناتجربہ کار سے گھبراہٹ میں افعال سرزد ہوتے ہیں ان کا خاکہ یوں پیش کرتا ہے - لیکن قلم ذرا شوخ ہے اور مبالغے کی بھی آمیزش ہے " خط پڑھا گیا - جن لوگوں نے ناچ کی طرف سے نظر ہٹا کر ان کے چہرے کو دیکھا ان کا حلیہ بیان ہے کہ ہم نے تو عمر بھر اتنی جلد اتنا لمبا چہرہ لٹک جاتے نہیں دیکھا ، چہرہ تھا کہ شہد کا چھتہ - ہاتھ پاؤں میں رعشہ تھا یا آسام کا زلزلہ - خط ہاتھ سے چھوٹ گرا ، دونوں پلیجے فرش پر ٹیک دئے ، آتشبازی کے چھوٹتے ہوئے دیو کی صورت ہوگئی - پہلے پہلو بدلے ، پھر رومال سے عرق پونچھا ، خط اُٹھا سیدھا لفافہ میں رکھا ، آخیر گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے - جب تک جوڑا اب فرش آے ، دو چار ہاتھ نکلے پاؤں بڑھ گئے اور داھنے میں بایاں ، بائیں میں داھنا جوتہ پہن کر کمرے کے اندر دھلیز کی ٹھوکر کھاتے داخل ہوئے - کرسی پڑی تھی جاکر اُس پر گر پڑے - وہ خط نکالا ، پھر پڑھا ، خدا جانے کس زبان میں لکھا ہے ؟ کیا مضمون ہے ؟ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا - پانی پیا ، اچکن کے بٹن کھولڈالے ، پاجامہ اوپر کھسکا یا ، کھجلا یا ، اُٹھے پھر کرسی پر بیٹھ گئے "۔

علم النفس کا ماہر اس طرح کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور قصے میں ہر عنوان کی دلچسپیاں پیدا کردیتا ہے - عام اُردو ناول نویسوں کی اس سے عدم واقفیت یک گونہ قابل معافی بھی ہے اس لئے کہ جب تک کالج کے بنچ اور عربی مدارس کے تخت نہ توڑے ہوں یہ فن آنا مشکل ہی ہے - لیکن اتنا تو ضرور ہی کرنا چاہئے کہ اگر ناول نویسی کا شوق ہے اور انگریزی

آتی ھے تو محض اس فن کے سیکھنے کے لئے جارج ایلیٹ اور ھنری جیمس کے ناول پڑھ ڈالئے - اور اگر انگریزی سے ناواقف حضرات اس وادی میں قدم رکھیں تو اُن کے لئے انیس کے مراثی کے مطالعہ کی مداولت ضروری ھے - یہ کامل الفن فطرتاً علم النفس کا ماھر تھا اور تحقیق و تجسس نے اس فلسفے کی جن باریکیوں کو آج معلوم کیا ھے ' اُن رموز سے اس کے مرثئے بھرے پڑے ھیں - یہ ماھر نفسیات ھمارے لئے زبان و محاورے ' بلاغت و فصاحت کے خزانے کے ساتھہ ساتھہ علم النفس کے ھر ھر عنصر اور ھر ایک شعبے کی ایسی مثالیں چھوڑ گیا ھے کہ جن میں جیمس اور رارڈ سے باکمال بھی اگر دیکھہ پائیں تو تعریف کئے بن نہ رھیں - لیکن مجھے انیس کے کمال سے اس وقت بحث مقصود نہیں اور نہ میں ان کے کلام کے نمونے اپنے قول کی تائید میں پیش کرنا چاھتا ھوں - یہ کام میرے فاضل دوست مولوی مسعود حسن صاحب رضوی ایم - اے کر رھے ھیں اور مجھے یقین کامل ھے کہ وہ میری امیدوں سے زیادہ بہتر طور پر انشاءاللہ اسے انجام دیں گے - مجھے جو کچھہ عرض کرنا ھے وہ یہ کہ کہیں اس مثال سے یہ نہ سمجھہ لیا جائے کہ ھر شخص بغیر علم النفس حاصل کئے ایک اچھا شاعر یا ادیب ھوسکتا ھے ' اس لئے کہ ھر شخص انیس نہیں —

مجھے جو کچھہ اس مختصر سے مضمون میں عرض کرنا تھا وہ میں عرض کرچکا - لیکن ممکن ھے کہ میری یہ جسارت چھوٹا منہ بڑی بات سمجھہ کر قابل سماعت و لایق توجہ نہ سمجھی جائے اس لئے اُردو کے مشہور ترین ناول نویس مولانا عبدالحلیم شرر صاحب کا ایک ٹکڑا نقل کرتا ھوں - عجب نہیں کہ اس مصنف کے حرف حرف سے میری تعریض کی تائید نکلے اور لفظ لفظ سے میری صداقت کی شہادت ملے - وہ " دلگش " جلد سوم میں یوں رقمطراز ھیں —

" اُس گُر کو انگریزوں نے پالیا " انھوں نے باختلاف طبایع ' ھر قسم کے ناول ' قصے ' افسانے تحریر کر کے کل علوم وفنون سے اپنی قوم کو ماھر کردیا - ان کے

یہاں جہاز رانی، ملاحی، شناوری، حکمت، فلسفہ، ریاضی، جعلسازی، بے ایمانی، دغابازی، افترا سازی، طبابت، علم مکانات، حمل اثقال، وجہ جر ثقیل، فن دایہ گری، غریب، امیر، فقیر، لولے، لنگڑے، اپاہج، مصیبت زدہ، بے رزق، ہر فن، ہر صنعت، ضرورت کے ہر کام کے متعلق و موافق قصص موجود ہیں - جہاں یہ ہیں وہاں تماش بینی و عشق و عاشقی کے متعلق بھی ہیں - مگر افسوس جب ادبار آتا ہے تو بری باتیں سجھائی دیتی ہیں - اہل اسلام بالخصوص مسلمانان ہندوستان نے بھی قصہ نگاری میں ان کی تائید و پیروی کرنا شروع کردی لیکن آج تک سوائے مخرب اخلاق قصص کے ہم نے کوئی افسانہ ضروریات کے متعلق نہیں دیکھا - جتنے مشہور ناول نگار یہاں موجود ہیں، کسی نے، یہ کسی کو کیا، خود اپنے تئیں کہوں نہ کہیں؟ ہم نے خود نہیں لکھا - خیر ہم معذور اہل لیاقت نہیں اور لوگ کیوں ایسا کریں؟ —

خدا کرے مولانائے مرحوم کی طرح ہمارے ناول نویسوں میں بھی یہ حس صحیح پیدا ہوجائے اور وہ اپنے تصنیفات کو اس قابل بنادیں کہ ہم انہیں عالم کے مشہور ناولوں سے زیادہ وقیع نظروں سے دیکھیں اور دنیا کے ادیبوں کے سامنے ان کا نام فخر سے پیش کرسکیں - اس لئے کہ اگلوں کی لغزشیں نظر انداز ہوسکتی ہیں لیکن ہماری خامیاں ہرگز قابل عفو نہیں - انہوں نے ایک نئے میدان میں قدم رکھا تھا، نہ کوئی راہنما تھا اور نہ خود راستوں سے واقف تھے، لیکن ہمارے لئے اصول فن کی سالک کتابیں بھی ہیں اور منجھے ہوئے مشاق ہمراہیوں کا ایک گروہ بھی - شاہراہیں سامنے ہوں اور پھر بھی ہم راہ غلط کریں، روشنی موجود ہو اور پھر بھی ہمیں سجھائی نہ دے تو ہم یقینی آنکھوں والے اندھے کی طرح دنیا کی ہمدردی کھو بیٹھنے کے مستحق ہیں! ہاں اسی کے ساتھ ملک کے صاحبان ثروت و دول کی بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ فنون لطیفہ میں سے ایک ایسی چیز جس میں ہر طرح کی غذائیں، ہر مزے کی شراب، ہر رنگ کے پھول، ہر قسم کے موسم اور ہر عنوان کی

بہاریں، وہ اس سے اس طرح کی بے توجہی برتیں کہ کاملین کا کلیجہ پھٹ جاے اور وہ اپنی زبان کی خدمت چھوڑکر دوسری زبانوں یا دوسرے کاموں کی طرف جھک پڑیں۔

صاحبان علم کے غور کرنے کی بھی بات ھے کہ نقد و تبصرہ کی غیر منہضم اگلی ہوئی غذائیں تو آپ کو مرغوب خاطر ھوں اور جدت و ذکاوت کا من و سلوی آپ کو کڑوا معلوم ھو، اور پھر اس پر یہ اُمید کہ ملک و زبان میں اس طرح کے مصنف پیدا کرلیں جو اردو ادب کو بھی بلند کرکے یورپ کے ادیبوں کے ہم پلہ کردیں۔ اے کاش خواھش و حوصلہ کے ساتھہ ھم میں کوشش اور عمل قدر دانی اور ھمت افزائی کی بھی عادت ھوتی اور دوسری قوموں کی طرح اپنے خادمان زبان کا دل بڑھاتے رھتے! —

خوب یاد رکھئے کہ جب تک ھم ایسا نہ کریں گے ھمارے ادبی باغ کا موسم نہیں بدلنے کا، ان زرد پتیوں میں سبزی اور ان سوکھی شاخوں میں تازگی نہیں آئے گی۔ اس صنف نثر کی خزاں دائمی اور ان مصنفوں کی نیند ابدی ھوگی اور ھم کو پھر افسوس کے ساتھہ ان کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا کہ ؏:—

ایسے سوے کہ پھر سحر نہ ھوئی!



ایک ادبی استفسار

از

(مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی)

اُردو زبان حقیقت میں دنیا کی مختلف اور بہت سی زبانوں کا کشکول ھے - جس میں خدا جانے کن کن زبانوں کے کس قدر الفاظ بولے جارھے ھیں - بعض الفاظ ایسے کریہہ و ثقیل ھیں کہ اُردو میں بجنسہ ان کا استعمال زبان کی شیرینی اور سادگی کا خون کردیتا ھے - اس دور میں انگریزی زبان کے بہ کثرت الفاظ داخل زبان ھو رھے ھیں خصوصاً اسماء - اور دیکھا جاتا ھے کہ ان کی تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ نہیں ھے' نہ اُن کے استعمال میں کوئی تذکیر و تانیث کی پابندی ھے - جو جس کے منہ میں آتا ھے بولتا ھے' عامی اور فصحاء سب میں اختلاف ھے - ایک ھی شہر اور ایک ھی مقام میں کوئی مذکر بولتا ھے' کوئی مؤنث' حتیٰ کہ دھلی اور لکھنؤ میں بھی یہ اختلاف موجود ھے - مثلاً ذیل کے الفاظ:

موٹر' پارسل' پنسل' ٹمٹم' سگریٹ وغیرہ - ان کی تذکیر و تانیث معین نہیں ھے اور ان کے استعمال میں بہت زحمت پیش آتی ھے - کیا اردو زبان میں کوئی ایسا قاعدہ موجود ھے یا بنایا جا سکتا ھے جس کی بنیاد پر ھم اِن نو واردوں کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ کرسکیں - اکثر احباب نے اس باب میں استفسار کیا مگر افسوس ھے کہ میں کوئی معقول جواب دینے سے قاصر رھا - امید ھے کہ جناب اور مؤقر رسالۂ اُردو کے فاضل انشا پرداز تشفی فرمائیں گے اور اس بحث میں

دلچسپی لیں گے - میرے خیال میں تین چار صورتیں ہوسکتی ہیں—

(اول) یہ کہ جس زبان کا لفظ ہے اس کی طرف رجوع کیا جاے اور یہ دیکھا جاے کہ اہل زبان اپنے یہاں کیا بولتے ہیں' ہم بھی اُسی طرح بولیں لیکن اِس وقت تک اُردو میں کوئی ایسا قاعدہ کلیہ تو کیا اکثریہ بھی نہیں ہے - مثلاً بہت سے عربی زبان کے ایسے الفاظ ہیں جو اُس میں مذکر یا مؤنث بولے جاتے ہیں مگر ہم اُنھیں برعکس بولتے اور لکھتے ہیں—

(دوسری) صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مثلاً ایک قاعدہ بنا لیا جاے کہ فلاں زبان کے جتنے اسماء اُردو میں آئیں گے وہ سب بلا استثناء مذکر یا مؤنث ہوں گے۔ یہ بہت سہل اور آسان صورت ہے مگر اس کو کون مانے گا اور یہ کہاں تک درست ہوسکتا ہے اس کا فیصلہ آسان نہیں—

(تیسری) صورت یہ ہے کہ ہم اُس کے اُن ہم‌جنسوں کو لیں جو اردو میں مستعمل اور موجود ہیں۔ مثلاً "کشتی" یا "ناؤ" کو ہم مؤنث بولتے ہیں "تار پیڈو" اِس کی ہم‌جنس ہے' لہذا اِسے بھی مؤنث بولیں - مگر یہ بھی بہت مشکل ہے اس لئے کہ اسی کا ہم‌جنس لفظ سفینہ اور جہاز ہے اور یہ مذکر ہیں - ہمارے یہاں بہت سے ایسے الفاظ اور بھی ہیں جو باہم مترادف ہیں مگر اُن کی تذکیر و تانیث میں فرق ہے - مثلاً خوشی' شادمانی' مسرت' بہجت مؤنث ہیں اور ان کے مترادف انبساط' نشاط' سرور' مذکر ہیں - کیا اِن کو کسی قاعدے کی تحت میں لاکر کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟

بہر حال اس کے لئے کسی قاعدے کی ضرورت ہے خواہ وہ اکثریہ ہی ہو۔ اگر قاعدہ نہ بنایا گیا تو آئندہ بہت دشواریوں کا سامنا ہوگا' خصوصاً غیر زبان والوں کے لئے جو اُردو زبان سیکھنا چاہیں - کیونکہ بہت کثرت سے دوسری زبانوں کے الفاظ اُردو میں آرہے ہیں اور مذکورۂ بالا انگریزی الفاظ کی تذکیر و تانیث بھی معین ہونا ضروری ہے—

(چوتھی) صورت یہ بھی ہوسکتی ھے کہ مؤنث و مذکر حقیقی کے سوا تمام الفاظ کی نسبت عام اجازت دیدی جاے کہ جس کا جس طرح جی چاھے بولے اور لکھے- یا یہ کہ جن کے آخر میں یاے معروف، تاے تانیث ھے وہ بالکلیہ مؤنث ھوں اور جن کے آخر میں الف یاھاے مختفی یا ھاے موقوف بصورت (ھا) ھو وہ مذکر قرار دیدئے جائیں- جیسے آئینہ اور سفینہ اور باقی سب کا استعمال دونوں طرح جائز سمجھا جاے یہ بہت بہتر اور سہل صورت ھے- اس کو میرے اور بہت سے احباب نے بھی پسند کیا ھے اور وہ بھی چاھتے ھیں کہ اسی چوتھی صورت کو اختیار کیا جاے - اس کا جواب ملنے کے بعد اور بھی بعض ضروري مسائل پیش کرنا ھیں جن کا فیصلہ اھل زبان کا اھم ترین فرض ھے اور ضرورت ھے کہ ھم اس قسم کے فیصلوں کے لئے مسلمہ شعرا و ادباء کی ایک مجلس بنالیں - جس کا فیصلہ ناطق مانا جاے اور تصفیہ کے بعد ھم لوگ اِن کا استعمال شروع کردیں—



تنہائی کی وادی میں

[چند لمحے، غالب کی پرواز خیال کے ساتھ]
اضافہ
از
(جناب اختر شیرانی صاحب)

"رہئیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو!
ہم سخن کوئی نہ ہو! اور ہم زباں کوئی نہ ہو!"
"بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہئیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو! اور پاسباں کوئی نہ ہو!"
اہل عالم ہوں نہ ربط دوستی و دشمنی
مہرباں کوئی نہ ہو! نامہرباں کوئی نہ ہو!
دل میں پیدا ہی نہ ہو اول تو درد آرزو
ہو، تو اس کی بے کسی کا رازداں کوئی نہ ہو
اپنی فریادوں کی لے میں رات دن کھوئے رہیں!
ہم نوا کوئی نہ ہو! ہم داستاں کوئی نہ ہو!
دامن صحرا میں چندے یوں گزارا چاہئیے
سر میں ہو بے تاب سودا، آستاں کوئی نہ ہو!
ابن آدم کے اثر تک سے ہو، بیگانہ فضا!
مرد و زن کوئی نہ ہو! پیرو جواں کوئی نہ ہو!

کلفت افزا ہوں نہ حسن و عشق کے ناز و نیاز
کوئی دلدادہ نہ ہو اور داستاں کوئی نہ ہو
زخمہ زن ہو، بربط دل پر، نہ سوز عاشقی
اور سوز عاشقی کا نکتہ داں کوئی نہ ہو!
روئیے تو ہو نہ اپنے حال کا پرساں کوئی
اور اگر فریاد کیجئے! ہم زباں کوئی نہ ہو!
"پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مرجائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو!"
اختر اس تنہائی کی وادی میں غالب کے سوا
ہم صفیر و ہم نوا و ہم زباں کوئی نہ ہو!!!

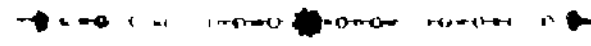


سندر صورت سندر هی هے رنگت گوری یا کالی

از

(محمد عظمت اللہ خاں بی - اے مرحوم)

اندھرا دیس کی سندر پتری کالی کوئل سی کالی
بال بھی کالے گھنگھور گھٹا
ھونٹ وہ گدرے جامن کے سے اور اُداھٹ میں لالی
دانت وہ اجلے موتی کی جلا



بڑی بڑی سی آنکھہ غلافی پتلی بھونرا سی کالی
خمار اِک مستانہ چھایا
وہ من موھنی مقناطیسی اُن میں چمک ناگن والی
آنکھہ لڑی اور دل کو لبھایا



اور سراپا گدرا گدرا سانچے میں ڈھلا لچکیلا
جوش جوانی پھٹتا جوبن
بھرا بھرا سا ڈھلا ڈھلایا وہ اِک اِک عضو سجیلا
وہ ھر چیز کا بے ساختہ پن



اک موج مچلتی مچلاتی چڑھتی اترتی لہراتی
وہ گردن کا نفیس ڈھلاؤ !
سینہ مستی کا جوالا مکھ کمر لچکتی بل کھاتی
وہ ہوش ربا اتار چڑھاؤ !

سندر صورت سندر ھی ھے رنگت گوری یا کالی
فطرت نے ھو جس رنگ میں ڈھالی
فطرت کے لئے حسن یہی ھے سج دھج گرمانے والی
دان کی کھیتی جوتنے والی



تبصرے

ادب

تاریخ و سیر

تعلیمی کتب

متفرق

اُردو کے جدید رسالے

رسالوں کے خاص نمبر

ادب



حیات فریاد

(سوانح حضرت سید شاہ الفت حسین فریاد، مصنفہ جناب سید علی محمد شاد مرحوم و مغفور۔ صفحات ۳۵۷ قیمت تین روپے۔ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڈھ)

اس کتاب میں پٹنے کے مشہور ادیب اور شاعر خان بہادر مولانا سید علی محمد شاد مرحوم نے اپنے نامور استاد اور فاضل سید شاہ الفت حسین فریاد مرحوم کے حالات لکھے ہیں۔ شاد مرحوم کی یہ آخری تصنیف ہے جو انھوں نے وفات سے کچھ قبل تصنیف فرمائی جب کہ بوجہ کبرسنی ان کے قوی بہت مضمحل ہوگئے تھے اور بصارت بھی قریب قریب جواب دے چکی تھی۔ لیکن باوجود ان تمام موانعات کے مرحوم نے اسے اپنا فرض سمجھ کر حق شاگردی ادا کیا۔ یہ صرف حضرت فریاد مرحوم کے سوانح نہیں بلکہ اس میں پٹنہ عظیم آباد کے بہت سے مشاہیر اور علما اور شعرا کے حالات بھی ضمناً آگئے ہیں جو بہت دلچسپ ہیں اسی کے ساتھ اس وقت کی طرز معاشرت اور دوسرے حالات بھی فاضل مصنف نے اس خوبی سے لکھ دیے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

فریاد مرحوم علاوہ نہایت عالی خاندانی ہونے کے بہت بڑے فاضل، منشی اور کامل شاعر تھے اور فارسی اور اردو پر یکساں دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کے ہم عصر اہل کمال ان کی بڑی قدر اور عزت کرتے تھے۔ پٹنے، مرشدآباد اور کلکتے میں انھوں نے بڑی عزت اور وقار اور وضعداری کے ساتھ بسر کی۔ شاد مرحوم نے یہ تمام حالات بڑی محبت اور ادب سے لکھے ہیں اور آخری حصے میں جہاں ان کے کلام کا ذکر کیا ہے تو وہاں بہت سے ادبی نکات بھی بیان کردیے ہیں۔ افسوس ہے کہ فریاد مرحوم کا کلام ضائع ہوگیا۔ کچھ تو ان کے استغنا کی

وجہ سے اور کچھہ دوسرے حادثات کے سبب سے جس کا مفصل ذکر کتاب میں موجود ھے -
جو کلام خود حضرت شاد کے حافظے میں محفوظ تھا یا تلاش سے دستیاب ھوا وہ سب اس
کتاب میں درج کردیا ھے - اردو کا کلام بہت کم ھے اور اس سے حضرت فریاد کے کمال کا صحیح
اندازہ نہیں ھوسکتا، یعنی جو وقعت فاضل مصنف کے دل میں اپنے عالی پایہ استاد کے کلام
کی ھے اور جس کا اظہار انھوں نے بار بار اس کتاب میں کیا ھے وہ اس کلام سے پڑھنے والے
کے دل میں پیدا نہیں ھوتی، لیکن واقعات ضرور یہ بتاتے ھیں کہ اگر وہ کلام دستبرد زمانہ
سے محفوظ رہ جاتا تو اردو زبان کے لئے مایۂ ناز ھوتا - یہاں حضرت فریاد کی ایک غزل کے
چند شعر بطور نمونہ کے درج کئے جاتے ھیں —

کعبہ و دیر میں جلوہ ھے نمایاں ان کا　　دو گھروں کا ھے چراغ اک رخ تاباں ان کا
وعدۂ وصل نکلوں نے تو کہا ھے اکثر　　آگے ان وعدوں کو وہ جانیں اور ایماں ان کا
تیرے منزل کے مسافر کا خدا حافظ ھے　　صرف عصیاں و خطا ھے سر و ساماں ان کا

اھل حیدرآباد کو یہ سن کر حیرت ھوگی کہ حضرت فریاد، جناب سید ھمایوں مرزا
صاحب بیرسٹر ایٹ لا کے والد ماجد تھے —

مضامین فرحت

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی - اے، رجسٹرار ھائی کورٹ حیدرآباد کے
مضامین کا مجموعہ - صفحات ۱۸۸، قیمت دو روپیہ ۲ آنے -
ملنے کا پتہ (منیجر صاحب رسالۂ نمائش حیدرآباد دکن)

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کے تعارف کی ضرورت نہیں، ان کا کلام خود ان کا
ڈھنڈورا پیٹ رھا ھے - ان کی ذھانت اور ان کی ظرافت اور شوخی ان مضامین کے
ھر جملے سے ٹپکتی ھے - بعض لوگ بول چال اور لکھنے کی زبان میں اس قدر تفاوت
پیدا کردیتے ھیں کہ یہ شبہ ھونے لگتا ھے کہ کہیں یہ دوسری بولی تو نہیں - مرزا صاحب
نے بول چال کی زبان کو بڑی خوبی سے تحریر میں ادا کیا ھے اور یہی اصل فصاحت ھے -
یہ مضامین فرحت نہیں، مضامین فصاحت ھیں —

اس مجموعے میں دو مضمون بڑے معرکے کے ھیں، ایک تو "ڈاکٹر نذیر احمد کی
کہانی، کچھہ میری اور کچھہ ان کی زبانی" اور دوسرا سنہ ۱۲۶۱ھ میں دھلی کا مشاعرہ -
ان دونوں میں تاریخی شان پائی جاتی ھے اور مرزا صاحب نے انھیں اپنے خاص رنگ میں
بیان کیا ھے - ان کے علاوہ خوش مذاقی، ایک نواب صاحب کی ڈائری، کل کا گھوڑا اور ھم

اور ہمارا امتحان بہت ہی پر لطف مضامین ہیں—

مرزا صاحب ٹھیٹ دلی کے ہیں - اُن کی بات چیت اور تحریر بھی ٹھیٹ دلی کی ہے - اس کے ساتھ انھوں نے مصورانہ نظر پائی ہے جس سے ہر بات میں ایک رنگینی پیدا ہوگئی ہے—

کتاب کے آخر میں مولوی محمد عنایت اللہ خاں صاحب بی - اے ناظم سررشتۂ ترجمہ و تالیف جامعۂ عثمانیہ اور مولانا وحیدالدین سلیم صاحب پروفیسر جامعۂ عثمانیہ کی رائیں ہیں اور جو کچھ ان بزرگوں نے لکھا ہے وہ حرف بہ حرف صحیح ہے—

پیغام ادا

(یعنی صدائے درا، آواز درا اور زبور مشرق - مصنفہ حضرت گوشہ نشین، وزیرآباد پنجاب - چھوٹی تقطیع، صفحات ۲۷۹، قیمت ۱۰ آنے)

یہ مولانا سید برکت علی شاہ صاحب عرف گوشہ نشین کے کلام کا مجموعہ ہے - نام سے سر اقبال کے کلام کا دھوکہ ہوتا ہے - کتاب کے شروع میں بعض بزرگوں کی تقریظیں ہیں اور سید اکبر علی شاہ صاحب بی - اے (وزیرآباد) نے قابل مصنف کے حالات بھی لکھے ہیں - ان حالات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ایک صاحب ذوق، صاحب علم اور باوضع بزرگ ہیں اور یہ خوبیاں اُن کے کلام سے بھی ظاہر ہیں - بلاشبہ ان کو نظم پر قدرت ہے، اپنے خیالات کو بہت اچھی طرح ادا کرتے ہیں، نصیحت کرنے اور عبرت دلانے کا پیرایہ بہت اچھا ہے، دل میں جوش بھی ہے مگر یہ جو کہتے ہیں کہ "ورائے شاعری چیزے دیگر ہست" اس کی کسی قدر کمی ہے—

اس مجموعے کے تین حصے ہیں پہلے حصے کا نام صدائے درا ہے اور دوسرے کا نام آواز درا اور تیسرے کا زبور مشرق - مضامین تینوں کے ایک سے ہیں، پھر نہ معلوم تین حصے کیوں کئے گئے ہیں - مضامین زیادہ تر اخلاقی ہیں - ایک نظم نمونے کے طور پر درج ہے، اس سے اُن کے کلام کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے—

پھول اور اس کے کانٹے

صنعت صناع مطلق کی ہے تو ادنیٰ مثال کھینچ لے مانی تری تصویر، ہے امر محال

پتے پتے میں تری نازآفرینی کا ظہور غنچہ غنچہ ہے بیاض علدلیب نا صبور

آب و تاب بوستاں اور رونق برگ و ثمر
سرمہ دار حسن گلشن، زینت شاخ شجر
شہرت مشک ختن ہے باغ میں تیری شمیم
تجھ سے ہی معروف گلزار جہاں میں ہے نسیم
بلبل شیدا کا ہے تجھ پر مدار زندگی
چہرۂ اہل نظر کی تجھ سے ہے تابندگی
خوبیوں میں گو ہے مثل معدن لعل و گہر
ساتھ اپنے چاند کانٹے بھی تو رکھتا ہے مگر
خوبیاں ہوں سینکڑوں جس شخص میں گوشہ نشیں
نکتہ چینی اس کے عیبوں پر تجھے اچھی نہیں

تصویر افکار

(سید رضی الدین حسن کیفی مرحوم کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ غزلیات کا مجموعہ - مرتبۂ مولوی محمد سردار علی صاحب - چھوٹی تقطیع صفحات ۱۰۷، قیمت ۸ آنے - ملنے کا پتہ بزم ادب مسجد چوک حیدرآباد)

کیفی مرحوم کے کلام پر اس سے پہلے ان اوراق میں ذکر ہو چکا ہے - یہ مرحوم کی غزلیات کا مجموعہ ہے - مولوی محمد سردار علی صاحب کی محنت اور تلاش بہت قابل شکر ہے کہ انہوں نے یہ لایق قدر مجموعہ شایع کرکے اردو داں اصحاب پر احسان فرمایا ہے- کیفی کا کلام زبان اور مضمون، سلاست اور فصاحت، درد اور اسلوب بیان کے لحاظ سے ایک خاص رنگ رکھتا ہے اور سچ یہ ہے کہ دکن میں اُن کا جواب نہ تھا - اُن کے صحیح ذوق کا اثر اُن کے ہم عصر جوان شعرا پر بہت اچھا ہوا - اُن کی بے وقت موت کا افسوس ہمیشہ رہے گا - جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہوتی جاتی تھی اُن کے کلام میں پختگی اور صفائی زیادہ پیدا ہوتی جاتی تھی، اگر اُن کی عمر کچھ دنوں وفا کرتی تو اُن کا کمال اور چمکتا - امید ہے کہ ہمارے نوجوان شعرا کیفی مرحوم کے کلام کو غور سے مطالعہ کریں گے اور اس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے —

نخچیر محبت

(یا حسن پاربتی- مصنفہ حضرت راصف بفارسی قیمت ایک روپیہ -
عبدالرحمن محمد سلیمان نمبر ۱۴۶' هریسن روڈ' کلکتہ)

پرتھوی راج اور سلطان شہاب الدین کی جنگ کے ضمن میں پاربتی اور حسن کے عشق کا قصہ ہے- تاریخ سے اسے بہت کم تعلق ہے مگر عشق و محبت کے جلوے نے ناول میں دلچسپی پیدا کردی ہے —

درد دل

(مولوی ابوظفر یحییٰ صاحب واقف بی- اے مرحوم کے کلام کا مجموعہ -
قیمت چار آنے- عبدالرحمن محمد سلیمان نمبر ۱۴۶' هریسن روڈ' کلکتہ)

یہ ایک جوان مرگ شاعر کے درد آگیں کلام کا مجموعہ ہے - واقف مرحوم نے صرف زندگی کے بائیس منزلیں طے کی تھیں کہ اس دنیاے ناپائدار سے کوچ کرگئے- ان کے کلام سے حسرت ٹپکتی تھی اور پڑھ کر افسوس ہوتا ہے اگر یہ کچھہ مدت اور زندہ رهتے تو بڑا نام پیدا کرتے- اس مجموعے میں غزلوں کے علاوہ جدید طرز کی نظمیں بھی ہیں اور سب کی سب مرحوم کی پختگی' فصاحت اور درد دل پر شاهد ہیں —

سیلاب حوادث

(یعنی مصریوں کی غلامی سے غلام قوموں کے لئے ایک سبق -
مرتبہ جناب قمر احمد صاحب (علیگ) خلافت پریس بمبئی)

سر ولفرڈ بلنٹ ایک عجیب و غریب شخص ہوے ہیں- مصر کے عاشق تھے مصر کے لئے جو جو کارنمایاں انھوں نے کئے ہیں وہ انھوں کا کام تھا ایسے بے لاگ' منصف مزاج بنی نوع انسان کے همدرد اور حری لوگ کم ہوتے ہیں- انھوں نے ایک بڑی پر درد نظم مصر پر لکھی

تھی، جسے پڑھ کر عبرت ہوتی ہے اور سخت سے سخت دل بھی پسیج جاتا ہے۔ اسی نظم کا ترجمہ جناب قمر احمد صاحب نے "سیلاب حوادث" کے نام سے کیا ہے۔ اگرچہ وہ سوز و گداز اور وہ جوش و خروش جو اصل نظم میں ہے ترجمہ میں پورا پورا ادا نہیں ہوا، تاہم اس سے شاعر کے خیالات اور انداز کلام کی کیفیت ضرور معلوم ہوتی ہے —

حسین بیتی

(تصنیف جناب مولوی حکیم سید ناصر نذیر فراق
دہلوی درویش پریس دہلی - قیمت آٹھ آنے)

اس مثنوی میں کربلا کے حالات نظم کئے گئے ہیں - نظم معمولی ہے، کوئی خاص خوبی ایسی نہیں جو قابل ذکر ہو - شاید قابل مصنف نے حصول ثواب کے لئے یہ زحمت فرمائی ہے --

---

سندر گا

(یا دکن کی پری، مصنفۂ جناب سید ناصر نذیر صاحب
فراق دہلوی - درویش پریس دہلی - قیمت چھ آنے)

دکن کے علاقۂ دکل کے ایک گاؤں میں پرتپال ایک سنار کی لڑکی تھی جس کے حسن و جمال کا شہرہ دور دور تھا - وہ اپنے حسن کی وجہ سے ایک کنگال گھر سے بادشاہ تک پہنچی، یہ تاریخی واقعہ ہے، مصنف نے اس واقعہ کو فسانے کے رنگ میں بیان کیا ہے - زبان بہت صاف ستھری ہے —

لمعات اختر

(نتیجۂ فکر قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڑھی
اختر منزل، قاضی واڑہ، جوناگڈھ - قیمت آٹھ آنے)

یہ قاضی صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے - ان میں سے اکثر نظمیں مختلف رسالوں میں شایع ہوچکی ہیں - بعض انگریزی نظموں سے ماخوذ ہیں - قاضی صاحب کا ذوق سخن اچھا ہے اور ہر قسم کے مضامین کے ادا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں —

طفل اشک

(مترجمہ مولوی محمد محسن صاحب صدیقی، بی - اے (علیگ) حجم ۴۰۰، قیمت تین روپے آٹھ آنے، دارالکتب رهبر، افضل گنج حیدرآباد دکن)

یہ ایک انگریزی معاشرتی افسانے کا ترجمہ ہے، افسوس ہے کہ اصل کتاب کا نام کہیں درج نہیں ہے، ورنہ ترجمے کے متعلق کوئی قطعی راے قایم کی جا سکتی —

نفس قصہ دلچسپ ہے، ایک شریف خاندان کی خاتون پردیس میں بیوہ ہو جاتی ہے، کنبا ساتھ، دشمنوں کی ایذا رسانیاں، بیوگی کا سوگ، ان سب مصیبتوں کو وہ استقلال کے ساتھ برداشت کرتی ہے اور اپنی اولاد کی کچھ اس خوبی کے ساتھ تربیت کرتی ہے کہ وہ محنت مزدوری کو ذلیل نہیں سمجھتے اور اپنے قوت بازو سے ترقی کرکے اعلی مراتب حاصل کرتے ہیں، جین اس خاتون کا نام ہے اور اس کی شخصیت یقیناً دل کش ہے —

فاضل مترجم نے تربیت اطفال کے پہلو پر بہت زور دیا ہے - بیچ بیچ میں اصل قصے سے گریز کرکے انہوں نے ہندوستان کے مخصوص سیاسی حالات اور ان کے نتائج وغیرہ پر مختصر خطبے بھی لکھے ہیں، ہم اس طریقے کو پسند نہیں کرتے، قصے کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور پڑھنے والوں کے ذہنوں میں کوئی اچھا تاثر بھی نہیں پیدا ہوتا، انگریزی افسانہ نویسوں میں Marie Corellie اور George Elliot نے یہی اصول اختیار کیا تھا، لیکن زیادہ کامیاب نہ ہوسکیں - جین جن الفاظ میں اپنے بچوں کو نصیحت کرتی ہے اور خود یہ بچے دوسرے بچوں کو حقوق العباد اور حقوق اللہ کے

متعلق جس چرب زبانی کے ساتھ نصیحتیں کرتے ہیں وہ ان کی کچی عمروں کو دیکھتے ہوئے کچھ غیر فطری سا نظر آتا ہے—

ترجمے کے متعلق ہم نہ سمجھ سکے کہ فاضل مترجم نے کیا اصول اختیار کیا ہے؟ کہیں تو یہ "آزادی" برتی ہے کہ پونڈ شلنگ کے بجائے روپئے آنے لکھے ہیں اور "بپتسمہ" کی رسم کو "عقیقہ" کے نام سے یاد کیا ہے اور کہیں اتنا "لفظی" ترجمہ کیا ہے کہ "ہنی مون" کے لئے "ماہ عسل" رکھا ہے اور "to pick up a language" کا ترجمہ "زبان اٹھانا" فرمایا ہے—

کتاب بہرحال سبق آموز اور نتیجہ خیز ہے؛ اتنا ضرور ہے کہ مولوی نذیر احمد مرحوم کے معاشرتی افسانے تاثیر، سیرت نگاری اور نفس قصہ کے اعتبار سے اس سے کہیں زیادہ مفید ہیں، فاضل مترجم نے ترجمے کے لئے کچھ اچھا انتخاب نہیں کیا، اس سے بہتر کتابیں انتخاب ہو سکتی تھیں—

مثنوی میر حسن

(مطبوعہ رام نرائن لال صاحب الہ آباد - قیمت ۸ آنے)

مثنوی گلزار نسیم (ایضاً)

یہ دونوں مثنویاں الہ آباد کے مشہور کتب فروش اور صاحب مطبع لالہ رام نرائن لال صاحب نے طبع کرائی ہیں۔ چھوٹی تقطیع پر صاف ستھری چھپی ہیں۔ مثنوی میر حسن پر جناب حامد اللہ صاحب افسر بی۔اے نے ایک مقدمہ تحریر فرما کر اس کے محاسن کی داد دی ہے۔ گلزار نسیم کی تصحیح و تشریح جناب سید محمد منظور علی صاحب رضوی ایم۔اے، ایل ٹی ہیڈ ماسٹر فیض عام ہائی اسکول نے فرمائی ہے۔ شروع میں مصنف کے حالات ہیں اور حالات کے آخر میں مثنوی کے متعلق بعض اہل سخن کی رائیں درج کردی ہیں۔ دونوں مثنویوں کے آخر میں الفاظ و محاورات کے معنے بھی درج ہیں جو طلبہ کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔ جلد ہلکی اور سادہ ہے—

حکیم قاآنی

(خطابۂ جناب مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی،
شعبۂ جامعۂ معارف، حیدرآباد - دکن قیمت ۴ آنے)

جامعۂ معارف حیدرآباد کا ذکر اس سے پہلے ان اوراق میں ہو چکا ہے - یہ خطبہ قاآنی ہے جس میں اس نامور شاعر کے حالات اور اس کی شاعری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں—

تاریخ و سیر

البیرونی

(مؤلفہ جناب سید حسن برنی، بی - اے، ال ال - بی
(علیگ) حجم ۲۵۶ صفحے، قیمت .... مجلد)

چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی ہجری کے نصف اول میں ایسے بڑے بڑے حکیم اور مجتہد گزرے ہیں جو اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے - ان میں سے چند نام یہ ہیں :- ابن یونس، ابن الہثیم، البیرونی، ابن سینا، علی ابن عیسیٰ، الکرخی - لیکن ان میں دو شخص بہت بڑے پایے کے ہوئے ہیں، ایک البیرونی دوسرے ابن سینا - دونوں علم و حکمت کے بادشاہ تھے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا مشکل ہے، لیکن باوجود اس کے دونوں مختلف قسم کے شخص تھے - البیرونی کی نقادانہ نظر اور اس کے انکشافات آج بھی سائنس کی نظر اس بے بدل حکیم کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں- ایسے عالی مرتبہ شخص کے حالات کا اردو میں لکھا جانا ہر لحاظ سے قابل قدر ہے—

اس کتاب کا یہ دوسرا اڈیشن ہے جو انجمن ترقی اُردو کی جانب سے شائع ہوا ہے - پہلا اڈیشن بارہ برس ہوئے جب کہ فاضل مؤلف نے تحریر کیا تھا، اس وقت

ان کا طالب‌العلمی کا زمانہ تھا - ایک قرن کے بعد اس کے دوبارہ طبع ہونے کی نوبت آئی - قابل مولف نے طبع ثانی کے وقت بڑی تحقیق اور تلاش سے البیرونی کے حالات کے متعلق ایسا سامان فراہم کیا جو انہیں کا کام تھا - اس میں کئی باب جدید لکھے ہیں، بعض میں ترمیم کی اور پہلا باب بالکل خارج کردیا ہے اور اس کی جگہ دوسرے اور تیسرے باب جو نئے لکھے ہیں جو بیش بہا معلومات سے مملو ہیں - کتاب کے آخر میں تین ضمیمے ہیں، پہلا اور تیسرا بالکل نئے ہیں - ایک میں اصل دیباچہ قانون مسعودی مع ترجمے کے نقل کردیا گیا ہے اور تیسرے میں البیرونی کے حالات زندگی کے اسناد و ماخذ ہیں - طرز تحریر میں بھی پہلے سے زیادہ متانت اور پختگی ہے - موجودہ حالت میں یہ کتاب علمی اور تاریخی لحاظ سے ایک ایسی مکمل اور قابل مطالعہ کتاب ہے جس کا ذکر ہم اُردو زبان کی تصانیف میں فخر سے کرسکتے ہیں —

جناب سید حسن صاحب برنی جو ابتدائے عمر سے مستعد طالب علم رہے اور اب بھی باوجود وکالت کے صبر آزما اشغال کے علمی تحقیق و جستجو سے غافل نہیں بلکہ میدان علم میں برابر گام‌زن ہیں، بہت قابل مبارک‌باد ہیں اور ان کے احباب اور علم کے شائقین کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ البیرونی کی کتاب الہند کا ترجمہ جو وہ ایک مدت سے کر رہے تھے تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور عنقریب انجمن ترقی اُردو سے چھپ کر شایع ہوگا —

دیس کہانی

(مؤلفہ جناب مولوی غلام طیب صاحب بی - اے، ایل - ٹی،
قیمت   انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد - دکن)

ہمارے سامنے کئی کتابیں تاریخ ہند کی صورت میں موجود ہیں لیکن ان میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو ہماری ضروریات کی تکمیل کرے - ہندوستان کے طلبا کے لئے جس تاریخ کی ضرورت ہے وہ حقیقتاً ابھی تک لکھی ہی نہیں گئی - مولوی غلام طیب صاحب (لکچرار عثمانیہ کالج اورنگ آباد) نے اس ضرورت کو محسوس کیا ہے اور اپنی کتاب کی ترتیب میں یہ امر فراموش نہیں کیا کہ یہ کتاب ہندوستان کے نونہالوں کے لئے لکھی جا رہی ہے - ہندی اسلامی اور برطانوی زمانۂ حکومت کے واقعات تو متعدد کتابوں میں درج ہیں لیکن قومی اعتبار سے ان کی جو ترتیب اور جو اسلوب

بیان ہونا چاہئے اس کا خیال بہت کم مؤلفوں نے رکھا ہے مگر مؤلف موصوف نے اس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا - ترتیب واقعات میں انہوں نے ایک جدت سے کام لیا ہے اور ایک ہی زمانے کے واقعات جو دوسری تاریخوں میں بے جوڑ بیان کئے گئے ہیں ساتھہ ساتھہ درج کئے ہیں جس سے طالب علم کو بہت فائدہ پہنچتا ہے- مدارس تعلیم المعلمین (نارمل اسکولوں) کے طلبا کے لئے یہ کتاب نہایت ہی مفید ثابت ہوگی ان کی مشق کے واسطے جگہ جگہ سوالات دیے گئے ہیں - اس ترتیب میں مؤلف موصوف نے نہایت ہی کاوش و عرقریزی سے کام لیا ہے اور آئندہ کے لئے ایک نہایت عمدہ بنیاد قائم کردی ہے - زبان شستہ اور سلیس ہے - عبارت میں ایک خاص ربط ہے جس سے کتاب نہایت دلچسپ بن گئی ہے- ہمارے ہاں کی تاریخوں میں ایک نقص یہ پایا جاتا ہے اور اہم واقعات صرف چند سطروں میں غیر مدلل اور غیر تاریخی طریقے سے بیان کردیے جاتے ہیں لیکن مولوی غلام طیب صاحب نے یہ غلطی بہت کم کی ہے لیکن کلائو کی گورنری سے لے کر سنہ ۱۷۷۴ع تک کے واقعات کے متعلق ان سے بھی کچھ سہو ہوا ہے- لارڈ کارنوالس کے دوامی بندوبست کی اہمیت کو بھی انہوں نے ایک حد تک نظر انداز ہی کردیا ہے حالانکہ بنگال کی تاریخ میں اس بندوبست کی شان انقلابی ہے - کہیں کہیں اور بھی ان سے فروگذاشت ہوگئی ہے مثلاً ہندوستان کے پہلے تاریخی راجہ کا نام سیسنگا بیان کیا گیا ہے حالانکہ اس کا نام سسو ناگ (ششوناگ) ہے - مہاراجہ رنجیت سنگھہ کی بیوہ کا نام جنداں ہے نہ کہ جھندوں —

ایسی چند خامیاں ضرور ہیں لیکن اس سے کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوتی - جس زاویۂ نگاہ سے فاضل مؤلف نے واقعات مرتب کئے ہیں اس میں وہ کامیاب ہوے ہیں- ہم مختلف صوبوں کی نصاب کی کمیٹیوں اور تاریخ کے معلموں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کتاب سے ضرور استفادہ کریں گے —

تلخیص تاریخ بہادر شاہی

(مرتبہ جناب مولوی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی - اے'
مصدقۂ مولوی غلام یزدانی صاحب ایم- اے' ناظم آثار قدیمہ)

یگ جیون داس گجراتی کی تاریخ بہادر شاہی ایک کم یاب کتاب ہے - مرزا صاحب نے کتاب کے اس حصے کا خلاصہ جو کتاب کی جان ہے ان اوراق میں شایع کیا ہے یعنی جو

حصہ بہادر شاہ سے متعلق ہے وہ تو پورا نقل کردیا ہے اور ضمیمے میں دوسرے بادشاہوں کے متعلق جو حالات ہیں ان کا نمونہ بھی درج ہے - یہ بات ہماری سمجھہ میں نہیں آئی کہ ان نمونوں سے مقصد کیا ہے - بہادر شاہ کا حال خود کتاب کا بہت اچھا نمونہ ہے، ہاں اگر دوسرے بادشاہوں کے حالات سے ایسے اہم واقعات جن سے تاریخ پر روشنی پڑتی نقل کردیے جاتے تو کوئی بات بھی تھی - اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب کا یہ کام قابل قدر ہے اور جن اصحاب کو تاریخ سے ذوق ہے وہ اس کی داد دیں گے —

شاہ و گدا

(مؤلفہ جناب محمد حامد صاحب بی - اے،
سی - پی قومی پریس دہلی - قیمت چھہ آنے)

اس رسالے میں قابل مؤلف نے محمد رسول اللہ صلعم کے حالات پرزور اور پر جوش عبارت میں لکھے ہیں —

میخانۂ درد

(مؤلفہ حضرت خواجہ ناصر نذیر صاحب 'فراق' دہلوی - صفحات ۲۴۹-
ملنے کا پتہ حکیم سید ناصر خلیق صاحب کوچۂ چیلاں بارہ دری
خواجہ میر درد، دہلی - قیمت درج نہیں)

یہ کتاب یادگار حضرت خواجہ میر درد، خواجہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی کی تصنیف ہے، جس میں انہوں نے خواجہ میر درد، ان کے بزرگوں، ان کی اولاد اور شاگردوں کے حالات لکھے ہیں - بعض حالات اس کتاب میں ایسے ملیں گے جو دوسری کتابوں اور تذکروں میں نظر نہیں آتے یہ ان کی خاندانی چیزیں ہیں جو انہیں سینہ بہ سینہ پہنچی ہیں اور سوائے حضرت فراق کے دوسرا نہیں لکھہ سکتا - خواجہ میر درد بہت بڑے صاحب دل اور باکمال بزرگ ہوے ہیں، اردو پر تو ان کا بڑا احسان ہے - ان کا کلام اپنا جواب نہیں رکھتا - اردو شاعری میں تصوف رنگ جس حسن و خوبی کے ساتھہ انہوں نے بھرا وہ صاحب ذوق

حضرات پر عیاں ہے - ان کی زبان سلد ہے- میر تقی میر، حسن اور دوسرے بڑے بڑے شعرا ان کے کلام کے خوشہ چیں ہیں- درد اور اثر ان کے کلام میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے - جو اصحاب خواجہ صاحب کے کلام کے قدر داں ہیں وہ ان کے حالات شوق سے پڑھیں گے —

معیارالتواریخ

کتاب کا نام دیکھ کر طالب علم نہایت غور سے مطالعہ شروع کرتا ہے اور تاریخ کے مختلف فیہ نظریات کی تصدیق و تردید کے لئے مورخ کے دلائل تلاش کرتا ہے لیکن اسے بہت جلد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کتاب کے نام اور اس کے مواد میں کوئی مناسبت نہیں- تمام کتاب میں چلد ہی ایسے باب ہوں گے جن کے کچھ معنی ہوں اور فن تاریخ میں ان کو باب کہا جا سکے- کسی واقعے کی تصدیق یا تردید کے لئے کوئی استدلال نہیں کیا گیا اور نہ اسناد پیش کی گئی ہیں - ایک باب اور دوسرے باب میں کوئی ربط نہیں- ایک ہی باب کے مختلف واقعات میں کوئی تسلسل نہیں- یورپی سلطنتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں —

"روس نے بھی مسلمانوں کے ممالک تسخیر کئے ہیں یہ ملک صناع نہ تھا ...... اس کو تجارتی اقتدار حاصل نہ تھا ... یہی سبب ہوا کہ جرمنی نے اس کو مغلوب کرلیا اور مغلوبیت کے بعد اس نے بالشویکی اصول پر عمل کیا اور اس بالشویکی طریقے کے کیا امیر مختار بھی پابند تھے اگر یہ نہ تھا تو کیوں انھوں نے کوفہ میں یہ ارادہ کیا کہ رؤسا کا وقار باقی نہ رہے"- ایسی بے ربطی کتاب میں جگہ جگہ پائی جاتی ہے- ایک اصول کا بیان شروع کرتے ہیں لیکن ختم کرتے وقت ان کو یہ خیال نہیں رہتا کہ کہاں شروع کیا تھا اور اسے کیسے ختم کرنا چاہئے —

ذرا ایک بے خیالی ملاحظہ ہو، باب چہارم میں انھوں نے فن تاریخ کے متعلق چند بے جوڑ اصول قائم کئے ہیں - ساتویں اصول کو بیان کرتے وقت آپ نے غالباً اس اصول کا تجزیہ اپنے ذہن میں کیا لیکن لکھتے وقت نمبر ۱ کے بعد دوسرا نمبر بالکل بھول گئے اور وہ تجزیہ ان کے ذہن ہی میں رہا —

اسی باب میں نواں اصول کیا خوب ہے "اب اسماعیلی خلفاے مصر کی تاریخی حالت پر غور کرنا چاہئے کہ ان کے وقت میں کیا سے کیا ہوتا رہا ہے اور کیسی کیسی نیرنگیاں پیدا ہوگئی ہیں" —

باب سوم میں دفعۃً (صفحہ ۲۲) لارڈ کرزن کی تاریخ نویسی پر حملہ کیا ہے اور
بے محل کیچڑ اچھالنے کے بعد دوسرا راگ الاپنا شروع کیا ہے —

کوئی اصول بیان کرتے کرتے جہاں ہندوستان کا نام آیا تو سوراج کے متعلق بے ضابطہ
بے تعلق بے ربط بحث شروع ہوگئی، جہاں ایران کا ذکر آیا تو بے موقع ایران کی قدیم و
جدید تہذیب علوم و فنون کی تعریف شروع ہوئی اور پھر کسی غیر مناسب جگہ
ختم کردی —

مؤلف نے کتاب میں جگہ جگہ تعصب کے خلاف بہت کچھ کہا ہے لیکن جہاں
کہیں بنی امیہ کا ذکر آیا ہے ان کو خوب ہی کوسا ہے حتیٰ کہ اندلس کے خلفاے اموی
بھی مجروح کئے گئے ہیں۔ ہسپانیہ سے عربی حکومت کے استیصال کا واحد سبب حضرت
امام حسین (ع) کی پیش گوئی بتائی گئی ہے جو میدان کربلا میں بنی امیہ کے متعلق
دی گئی تھی، چہ خوب —

روحانی تاریخ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلیل لشکر کی کثیر التعداد
فوجوں پر کامیابی روحانی اثر کا نتیجہ تھی۔ اگر مؤلف موصوف جولیس سیزر کی حملہ آئے
گال اور پامپی کے خلاف جنگ فرسالس کا مطالعہ کرتے یا عینی بال کی اطالوی جنگوں پر غور
کرتے یا فاتح مشرق اسکندر اعظم کی جنگ مس [illegible] پر نظر ڈالتے تو البتہ پتہ
چل جاتا کہ یہ کامیابی قومی جوش اور جنگی اہلیت کا متفقہ نتیجہ ہوا
کرتی ہے —

غرض کتاب میں ہمیں کوئی بات مدلل مستند اور غیر قابل اعتراض نظر نہیں
آئی اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مؤلف تاریخ اسلام سے ایک حد تک واقف ہیں
انہوں نے ہندوستان کے موجودہ حالات کا مطالعہ اخباروں سے کیا ہے اور بس لیکن
اس پر بھی اگر وہ یہی واقعات سلجھاکر پیش کرتے تو ممکن تھا کہ نتیجہ کم
بے معنی ہوتا —

زبان کی غلطیاں جا بجا پائی جاتی ہیں —

(۱)

تعلیمی کتب



مسلمانوں کی تعلیم اور جامعۂ ملیہ

(از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم - اے'
پی ایچ - ڈی' جامعہ ملیہ دہلی' قیمت آٹھ آنے)

یہ مقالہ جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی کے فاضل پروفیسر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم - اے' پی ایچ - ڈی کا لکھا ہوا ہے جس میں انھوں نے جامعہ' قومی تعلیم اور مسلمانوں کی تعلیم پر جامع اور اصولی بحث کی ہے۔ اس میں پانچ باب ہیں - پہلے باب میں یہ بحث ہے کہ ہندوستان کے مسلمان تنزل کے دور میں سب سو گئے تھے مگر یورپ کی ایک زندہ قوم سے ٹکرا جانے کی وجہ سے ان میں حیات کے آثار پیدا ہوئے' لیکن یہ حیات قومی کا پہلا قدم ہے - " اب ضرورت اس کی ہے کہ اس بنیاد پر اس عمارت کی تعمیر شروع ہو جسے اصطلاح علمی میں تمدن اور ہم مسلمان وسیع معنوں میں مذہب کہتے ہیں' جو ہمارے نزدیک زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہے' جس میں علم و تعلیم' اقتصاد و معیشت' حکومت و سیاست کے دو قلموں قصر ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوتے ہیں " - ٹھیک اسلام ہی میں نہیں بلکہ ابتدا میں ہر مذہب زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا - انسان کا تجربہ اور تمدن وسیع ہوا تو ہر ہر شعبہ الگ ہونا شروع ہوا ہے او مذہب کی قید سے آزادی حاصل ہوئی اور اسی میں انسان کی خیر تھی - کیا فاضل ڈاکٹر پھر وہی حالت پیدا کرنا چاہتے ہیں - یہ مسئلہ ذرا نازک ہے اور اس میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے - غرض اس باب میں انھوں نے مدرسہ کی تعلیم کا نصب العین اور اس کے حاصل کرنے کی تدبیر بتائی ہے - دوسرے باب میں جامعہ کی تعلیم کا ذکر کیا ہے - تیسرے باب میں تحقیقات علمی' چوتھے باب میں اشاعت علوم اور پانچویں میں " قوم کے نوجوانوں کو کسب معاش کے لئے تیار کرنے " پر بحث ہے —

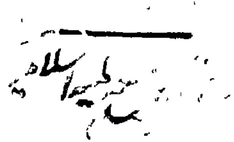
مدرسہ اور جامعہ کی تعلیم اور اس کے مختلف شعبوں پر اس جامعیت اور غائر نظری کے ساتھ بحث کی ہے کہ اس سے پہلے اُردو میں کبھی دیکھنے میں نہیں آئی- یہ رسالہ ہر یونیورسٹی کے پروفیسروں' طلبا اور ذمہ دار عہدہ داروں کے مطالعہ کے قابل ہے اور اس میں بہت سے ایسے مسائل آگئے ہیں جو غور و فکر کے لائق ہیں -

اگرچہ اس رسالے میں مسلمانوں کی تعلیم مد نظر ہے لیکن وہ ہر قوم و ملت کی تعلیم کے لئے یکساں مفید ہے —

دنیا کے بسنے والے

(مولفہ حمید بشیر حسین زیدی، بی اے، بیرسٹر ایٹ لا، ہیڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول - مطبع جامعہ ملیہ دہلی - چھوٹی تقطیع صفحات ۷۲، قیمت چھ آنے)

اس کتاب میں دنیا کی بعض عجیب قوموں کے حالات درج ہیں جو بہت دلچسپ ہیں اور جن کی معلومات عام طور پر لوگوں کو نہیں - مثلاً اسکیمو، ریڈ انڈین (سرخ ہندی) وسط ایشیا کے کرغی، سوس (سوئزرلینڈ والے)، بدو عرب، افریقہ کے بونے، صحرائے حبشی، جاپان کے لوگ - کتاب میں بہت سی تصویریں بھی ہیں، زبان سادہ اور اچھی ہے - طالب علموں اور عام لوگوں کے پڑھنے کی بہت اچھی کتاب ہے - چھپی بھی بہت صاف ہے —



مضامین حکمیہ

(مولفہ جناب مولوی محمد عزیز حسن صاحب مددگار صدر محاسب سرکار عالی - چھوٹی تقطیع، صفحات ۴۷)

اس رسالے میں حکومت، انسان، خلق، صورت انسان، اسباب مساوات و اتحاد و امن و اماں، علم و عمل جیسے ضروری اور مفید مضامین پر صاف اور اچھی زبان میں بحث کی گئی ہے - یہ کتاب زیادہ تر طالب علموں کے لئے لکھی گئی ہے - چنانچہ ارباب حکومت نے مدارس کی بعض جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کی رائے دی ہے اور اعلیٰ حضرت حضور نظام خلداللہ ملکہ نے صاحبزادۂ بلند اقبال نواب اعظم جاہ بہادر کے نام نامی سے معنون کرنے کی بھی اجازت عطا فرمائی ہے —

نباتات اور نباتی خوراک

(از موهن لال سیٹھی، ایم - ایس - سی، لکچرار علم نباتات گورنمنٹ کالج لاهور - دارالاشاعت پنجاب لاهور، چھوٹی تقطیع، حجم ۳۰۴ قیمت درج نہیں)

اس کتاب کے ابتدائی باب میں زندگی کے خواص پر بحث کی ہے - اس کے بعد پودوں کے اعضا، اندرونی بناوٹ، پھول، پھل، بیج، پودے کی غذا، زمین کا تجربہ، کھاد، نباتاتی جراثیم، پنجاب کے چند درخت اور جھاڑیاں، پودوں کی بیماریوں، هماری نباتی خوراک اور وٹامنز (یعنے حیاتیات) کا حال لکھا ہے اور یہ سب بیان آسان زبان میں اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم اور معمولی لکھے پڑھے شخص بھی سمجھہ سکیں - کتاب میں بہت سی کام کی اور دلچسپ معلومات هیں - جا بجا نقشے اور تصویریں بھی دی گئی هیں - کتاب بہت اچھی چھپی ہے - اس قسم کی کتابوں سے عام پڑھنے والوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے اور اُن کی معلومات میں اضافہ هوتا ہے، طلبہ کے لئے خاص طور پر مفید ہے —

حفظالعلوم یعنی اُردو انسائکلوپیڈیا

مولوی حفظالرحمن صاحب کی همت اور اولوالعزمی کی داد دینی چاهئے کہ وہ دس بارہ سال سے اُردو انسائکلو پیڈیا تیار کرنے کے درپے هیں - اس کام کے سرانجام دینے کے لئے انہوں نے لاهور میں ایک مجلس قائم کی ہے جس میں وهاں کے چالیس سربرآوردہ صاحب علم و فضل شریک هیں - اس رسالے میں جو انہوں نے بطور اعلان کے شایع کیا ہے اور جس میں اکثر اخباروں اور علما کی رائیں درج هیں، اُن تمام مضامین کی فہرست دی ہے جو اس انسائکلو پیڈیا کے لئے لکھے جائیں گے اور یہ بجائے خود معلومات کا خزانہ ہے - مولوی حفظالرحمن صاحب کو اس کام میں بڑا انہماک ہے اور شب و روز اسی میں مصروف رهتے هیں اور سفر حضر میں جہاں کوئی ان کے ڈھب کا آدمی مل جاتا ہے تو اس طرح اس کے سر هوتے هیں کہ پیچھا چھڑانا مشکل هو جاتا ہے - یہی حال اُن کی تلاش و جستجو کا ہے - همیں انہوں نے صرف اس حصے کے چند اجزا دکھائے تھے جو الفاظ یعنے لغات کے متعلق ہے - اس سے معلوم هوتا ہے کہ وہ اُردو کی مکمل لغت بھی اس میں شریک کرنا چاهتے هیں، افسوس ہے کہ هم دوسرے مضامین

نهیں دیکھہ سکے کہ صحیح راے قایم کرسکیں' لیکن جب مولانا حسرت موهانی' سر عبدالقادر' مولانا سلیمان ندوی' مولانا محمد علی جیسے فاضل حضرات اس کے مدح سرا هیں تو اس کی خوبی میں کیا شبہہ هو سکتا هے - همارے خیال میں لغت سے پہلے انہیں وہ چیزیں تیار کرانی چاهئیں جن کی ضرورت زیادہ شدید هے - لغت کا حصہ هماری راے میں نظر ثانی کا محتاج هے - مگر جو صاحب زیادہ حالات دریافت کرنا چاهیں وہ مولوی صاحب موصوف سے اس پتے سے خط و کتابت کریں —

وائت هوس' انارکلی لاهور

هدایةالمنطق مع رسالۂ زبدةالمیزان

(مولفۂ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب صدر مدرس'
فرنگی محل' مطبوعہ مطبع اشاعةالعلوم فرنگی محل' لکھنؤ)

اس میں شک نہیں کہ علوم و فنون کے تراجم کی طرف علماے فن کی توجہ اردو کے لئے فال نیک هے - مگر ترجمہ کوئی بہت مفید نہیں هوتا - ضرورت هے کہ زبان کی وسعت کے مطابق اسے اپنا لیا جاے - اصطلاحات جہاں تک میسر آسکیں اپنی زبان کی هوں - مثالیں حتی المقدور روز مرہ میں سامنے کی هوں' اردو کی خصوصیات کو نمایاں کیا جاے اور هر ترجمہ اردو کے لئے کچھہ نہ کچھہ سرمایہ لے کر آئے —

یہ کتاب قدیم منطق کی ایک ترجمہ نما تالیف هے - نظم و ترتیب بہت بہتر هے - اس وقت تک اس علم پر جتنے رسالے تالیف و ترجمہ کی حیثیت سے سامنے آئے ان میں اپنی طرز کا یہ ایک رسالہ هے - مولف نے کوشش کی هے کہ عربی خواں طلبہ کے سامنے منطق کے ضروری مسائل ترجمہ کی صورت میں آجائیں اور طلبہ عربی کی استعانت سے بے نیاز هوجائیں —

عربی مدارس میں اگر اسے صغری و کبری کی جگہ ابتدائی نصاب میں داخل کرلیا جاے تو طلبہ اس سے کافی فائدہ اٹھاسکتے هیں —

اس کے ساتھہ ٹائٹل کے تین صفحوں پر منطق کا ایک عربی رسالہ بھی هے جو حقیقةً اسم با مسمیٰ هے (یعنی منطق کا مکھن) رسالہ کیا هے دریا کو کوزے میں بند کیا گیا هے —

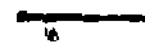
لکھائی چھپائی کوئی بری نہیں - کاغذ پر البتہ کفایت شعاری کا نمایاں اثر هے قیمت درج نہیں' طبع اشاعةالعلوم فرنگی محل لکھنؤ میں چھپی هے —

متفرق



نفسیات ترغیب

(مولفۂ مولوی سید وہاج الدین احمد کنتوری، بی-اے، بی-ٹی،
لکچرار عثمانیہ کالج اورنگ آباد (دکن) - مطبع
معارف اعظم گڈہ، صفحات ۲۱۱، قیمت درج نہیں)



اس سے قبل فلسفۂ جذبات اور فلسفۂ اجتماع انجمن ترقی اردو کے طرف سے شایع ہوچکی ہیں، ان کا تعلق بھی نفسیات ہی کی شاخوں سے تھا، نفسیات ترغیب بھی اسی نوعیت کی کتاب ہے - تعجب ہے کہ خود نفسیات پر کوئی کتاب اردو میں تالیف نہیں ہوئی جسے پڑھ کر اردو داں اصحاب اس علم کی حقیقت سے واقف ہوسکیں - شاید اس علم سے مانوس کرنے کا یہ طریقہ زیادہ سہل ہے - مولوی عبدالماجد صاحب کی تالیفات کی طرح اس کتاب کا بھی اصل ماخذ انگریزی کتابیں ہیں - مولف نے خود اپنے دیباچے میں صاف لکھہ دیا ہے کہ ”اس کتاب کی اصل اساس مسٹر میکڈرس کی کتاب ہے، لیکن ضرورت کے لحاظ سے حذف و اضافہ سے برابر کام لیا گیا ہے - ابواب کی ترتیب میں اصل انگریزی کتاب کی ترتیب کو مدنظر رکھا گیا ہے ' اس کتاب کے علاوہ بعض اور انگریزی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے - لیکن ان خیالات کو سید وہاج الدین صاحب نے جس خوبی اور بے تکلفی سے اردو میں ادا کیا ہے وہ بہت قابل داد ہے- کتاب بہت دلچسپ ہے اور ترغیب کی ابلہ فریبیاں اور سحرکاریاں ایسی دلکش ہیں کہ ان کے مطالعہ کے لئے کسی ترغیب کی ضرورت نہیں —



کتاب الہدی، حصۂ اول

(مرتبہ جناب مولانا سیٹھہ یعقوب حسن صاحب - بڑی تقطیع، صفحات ۲۵۶)



کچھہ دنوں پہلے ایک وقت ایسا آیا تھا کہ حب وطن کے متوالوں نے اپنے ملک کی خاطر طرح طرح کی قربانیاں کیں اور مصیبتیں اور آفتیں جھیلیں - ان میں سے بہتہ سے جیل خانے بھیج دیے گئے- اسی مبارک گروہ میں ہمارے دوست سیٹھہ یعقوب حسن

بھی تھے - اس حیثیت سے جو لوگ قید خانوں میں گئے ہوے ھیں ان میں سے بعض نے بڑے بڑے کام کئے ھیں- ھندی طبائع زیادہ تر مذھب کی طرف مائل ھیں اور چونکہ اس وطنی جنگ میں مذھب اور سیاست مصلحتاً سمویا گیا تھا، اس لئے اور بھی خیال اسی طرف رجوع ھوا - ان ایام قید میں یعقوب حسن صاحب نے وہ کام کیا جو شاید آزادی کے زمانے میں اُن سے کبھی سر انجام نہ پاتا اور اس لئے یہ کہنا ھرگز بےجا نہ ھوگا کہ یہ قید اُن کے لئے آزادی سے زیادہ مبارک ثابت ھوئی - انھوں نے اس زمانے میں قرآن کا نظر غائر سے مطالعہ شروع کیا —

یہ وھی کتاب ھے جس کا مقدمہ اس سے پہلے کشاف الہدیٰ کے نام سے شایع ھو چکا ھے - اس کتاب میں یہ التزام رکھا ھے کہ قرآن مجید میں جو جو مضامین مختلف مقامات میں بار بار بادنیٰ تغیر کسی خاص مصلحت اور حکمت کے لحاظ سے بیان ھوے ھیں ان میں سے ھر ایک مضمون کی جملہ آیتوں کو چن کر ایک جگہ جمع کردیا ھے اور اُن کے مقابل اُردو ترجمہ بھی لکھہ دیا ھے اور ھر آیت اور فائدے کے سرے پر مختصر عنوان بھی قائم کردیا ھے اور تفسیر کے طور پر ھر مضمون کے متعلق اپنی راے یا تحقیق بھی بیان کردی ھے - اس طرح یہ کتاب کتاب امداد بھی ھے اور تعلیم کا کام بھی دیتی ھے اور واعظ، مفسر، محقق، طالب علم، عامی، عالم، موافق مخالف سب کے لئے یکساں مفید ھے - اس میں مولف کو سخت کاوش اور محنت کرنی پڑی ھے مگر اس تمام محنت اور مشقت کا نتیجہ پڑھنے والوں کے حق میں بے حد سود مند ھوگا اور مولف کی جانفشانی اور خلوص کی داد ھمیشہ ملتی رھے گی —

یہ کتاب کا پہلا حصہ ھے جس میں گیارہ باب ھیں - اور ان ابواب میں اللہ کی ذات و صفات، آسمان و زمین اور ساری کائنات، آدم، انسان، حیوانات، فرشتے، حور و غلمان، شیطان اور جن اور دوسری متعلقہ بحثیں، مثلاً دوزخ و جنت، موت اور حیات بعدالموت، معاد اور حشر نشر وغیرہ بھی آگئی ھیں —

مختصر یہ کہ اس کتاب پر مضامین قرآنی کی بہترین مفصل اور مرتب فہرست کا اطلاق مع شئی زائد کیا جا سکتا ھے اور چونکہ اس کے ساتھہ ھی ساتھہ اُردو کا مستند ترجمہ اور مفید تحشیہ بھی ھے اسے ایک خاص نوعیت کی عمدہ تفسیر بھی کہا جا سکتا ھے —

کہیں کہیں قابل مولف نے تفسیر میں جدید تحقیق سے بھی کام لیا ھے - اگرچہ سائنس اور مذھب کا بیر ابتدا سے چلا آرھا ھے اور رھے گا، لیکن مولف نے بہت اعتدال سے کام لیا ھے اور قرآن کے الفاظ سے حتی الامکان تجاوز نہیں کیا اور دور ازکار تاویلوں سے اجتناب کیا ھے —

اُردو کے جدید رسالے

تعلیم و تربیت

یہ سہ ماہی رسالہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (علی گڈھ) کی مجلس ماہرین تعلیم کی جانب سے شایع ہوا ہے اور اس کے اڈیٹر ڈاکٹر سید مظفر حسین صاحب پی ایچ - ڈی' ڈی فل؛ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم - اے' پی ایچ - ڈی اور خواجہ غلام السیدین صاحب ل - اے' ایم - ای - ڈی ہیں - تینوں اپنے فن میں یگانہ اور تعلیم کے دلدادہ ہیں - اس کام کے لئے ان سے بہتر تین شخص نہیں مل سکتے تھے - اور یہی وجہ ہے کہ رسالہ بھی مضامین' طرز بیان اور انتخاب مباحث کے لحاظ سے بے نظیر ہے - یہ پہلا رسالہ ہے اور اس پر سے آئندہ کے متعلق پورا اندازہ کرنا درست نہیں' لیکن پہلا نمبر بتاتا ہے کہ آگے چل کر زیادہ ترقی کرے گا - یہ رسالہ ہر کالج اور یونیورسٹی میں پہنچنا چاہئے اور پروفیسروں اور معلموں کے مطالعے میں رہنا چاہئے - تعلیم پر اور بھی کئی رسالے اُردو میں شایع ہوتے ہیں مگر وہ اس کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے آفتاب کے سامنے چراغ - بڑی تقطیع کے ۱۲۰ صفحات ہیں' لکھائی گلجان ہے' چھپائی کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ میں چھپا ہے سالانہ قیمت پانچ روپیہ ہے - ہمیں امید ہے کہ اس مفید اور اعلیٰ درجے کے رسالے کی پوری قدر کی جائے گی —

جمیل

انصار بک ڈپو مظفرنگر یو - پی سے شایع ہونا شروع ہوا ہے "جمیل" کا جمال اس طرح بے نقاب کیا گیا ہے کہ سر ورق پر سنہری افشاں چھڑک دی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ بک ڈپو کی خاطر سے اس کا اجرا ہوا ہے - چنانچہ آخری صفحات میں بک ڈپو کی طولانی فہرست موجود ہے - مضامین میں دقت نظر کی ضرورت ہے لائق اڈیٹروں کو کوشش کرنی چاہئے - ۴۰ صفحے کی ضخامت ہے اور دو روپیہ ۴ آنے سالانہ چندہ

صحیفۂ وارث

خانقاہ دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی سے شایع ہوتا ہے - سر ورق پر مزار کا قلمی خاکہ ہے ' ایک مشہور بزرگ کی یادگار میں جاری ہوا ہے ' مذھبی مضامین بھی ہوتے ہیں اور اخلاقی و تاریخی بھی ' غزلوں کی چاشنی بھی ہوتی ہے جو "حال و قال" کے لئے گرمی محفل کا کام دیتی ہیں - تین روپیہ ۲ آنہ سالانہ چندہ ہے اور ۴۸ صفحہ کا حجم ہے ---

---

کوآپریشن

پنجاب رسائل و اخبارات کی پیدائش گاہ ہے - کوآپریشن کا " جنم بھوم " بھی بھی سر زمین ہے ' " انجمن ہائے اتحاد باھمی " کا ماہوار رسالہ ہے - فن زراعت سے متعلق مفید مضامین ہوتے ہیں - کوآپریشن کے بجائے اگر اس کا نام " امداد باھمی " ہوتا تو اس کے مقاصد زیادہ الم نشرح ہوجاتے کیونکہ " امداد باھمی " کے نام میں کوآپریشن سے زیادہ جاذبیت ہے - ماسٹر محمد بخش صاحب مسلم ایم - اے اس کے ایڈیٹر ہیں - خدا کرے کہ ہندوستانی قومیں کوآپریشن کے حقیقی مفہوم کو سمجھ سکیں - ۴۸ صفحہ کی ضخامت ہے اور دو روپیہ سالانہ چندہ ہے ---

---

چمن

امرت سر سے نکلتا ہے چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحہ ہوتے ہیں - مارچ کا رسالہ ہولی نمبر کے نام سے شایع ہوا ہے مختلف قسم کے گل بوتے ہیں اور اس میں تو ہولی کی رنگ رلیاں بھی ہیں - ہندو مسلمان دونوں اس کے ایڈیٹر ہیں اور دونوں کی متفقہ کوشش سے اسی " چمن " کو سر سبز و شاداب کیا گیا ہے - سالانہ چندہ ایک روپیہ ۴ آنہ ہے ---

ایشور بھگتی

منٹگمری کا ماہوار رسالہ ہے - چھوٹی تقطیع ہے تین روپیہ سالانہ چندہ ہے اور

۸۰ صفحے کی ضخامت - گو اُردو کا رسالہ ہے مگر مضامین میں ہندی الفاظ و محاورات کی بے تکی بھرمار کی گئی ہے اور زبردستی ٹھونسے گئے ہیں جن کو ہندی سے نابلد دماغ سمجھنے سے معذور رہیں گے اور رسالے کا فائدہ محدود ہو جائے گا —

مسیحائے زماں

یہ تجارہ علاقۂ ریاست الور (راجپوتانہ) کا ایک طبی رسالہ ہے - حکیم قاضی سید محمد کرم حسین صاحب اس کے اڈیٹر ہیں - خوشی کی بات ہے کہ جو سر زمین اس سے خالی تھی اُس سے ''مسیحائے زماں'' پیدا تو ہوا - سگرٹ نوشی اور اُس کے مہلک نتائج پر مضمون اچھا ہے - لطائف و ظرائف بھی عام دلچسپی کے لئے موجود ہیں - مرکب دواؤں کی ایک تجارتی فہرست بھی کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے - دو روپیہ سالانہ چندہ ہے —

رسالوں کے خاص نمبر

زمانہ کا جوبلی نمبر

کانپور کے مشہور رسالے ''زمانہ'' نے اپنی زندگی کی پچیس منزلیں طے کرلی ہیں - اُردو کے ادبی رسالوں میں اس وقت غالباً کوئی رسالہ ایسا نہیں جو مسلسل پچیس سال سے اس استقلال اور اصول کے ساتھ برابر جاری ہو - اس میں شک نہیں کہ مولانا شرر مرحوم کا دلگداز عمر میں اس سے کہیں بڑا ہے' لیکن وہ کئی بار بند ہو ہو کر پھر زندہ ہوا ہے - ''زمانہ'' کے فاضل اور مستعد اڈیٹر نے باوجود بعض ناگوار حالات اور مشکلات کے اُردو کی بڑی خدمت کی ہے اور اب تک اُسی استقلال اور جوانمردی سے اس فرض کو انجام دے رہے ہیں —

جوبلی نمبر کی تیاری میں بڑا اہتمام کیا گیا ہے - اس میں ۵۴ مضامین اور ۵۹ تصویریں ہیں - مضمون نویسوں میں ہندوستان کے بہت سے مشہور نثاروں کے نام

نظر آتے ہیں - سب سے پہلا مضمون جناب مولوی محمد عبدالرزاق صاحب مصنف البرامکہ وغیرہ کا علم الکتابت یا ابجد کی تاریخ پر ہے - اس میں صرف عربی کتابت اور اس کی شاخوں سے بحث کی گئی ہے؛ مضمون محققانہ اور عالمانہ ہے - "اتحاد مذہب" پر جناب لالہ روشن لال صاحب بیرسٹر ایٹ لا کا مضمون بہت خوب ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ تمام مذاہب کے اصول ایک ہی ہیں اور اس لئے سب ہندی بھائیوں کو باوجود مختلف عقائد کے ایک ہو جانا چاہئے - منشی پریم چند صاحب کا فسانہ پر درد ہے اور اس کا نفسیاتی پہلو اس سے بھی زیادہ داد کے قابل ہے - نظم کا حصہ نثر سے کچھہ کم نہیں؛ اُردو کے باکمال شعرا نے "زمانہ" کی قدردانی میں خوب خوب نظمیں لکھی ہیں - پورا رسالہ نظم و نثر کا بہت عمدہ مجموعہ ہے - "یاد رفتگاں" کے عنوان سے جو مضمون فاضل اڈیٹر نے رسالے کے آخر میں تحریر فرمایا ہے بہت دردناک ہے؛ اس میں انہوں نے اپنے متوفی محسنوں کا ذکر بڑے خلوص اور محبت سے کیا ہے —

ہم منشی دیا نرائن نگم صاحب کو اس قابل فخر کارنامے پر دل سے مبارک باد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ رسالہ اُن کی نگرانی اور اڈیٹری میں اور زیادہ ترقی کرے گا —

نیرنگ خیال، سالنامہ اور عید نمبر

نیرنگ خیال لاہور نے جو حسن اور لطافت پیدا کی ہے وہ اُردو کے کسی رسالے کو نصیب نہیں - سالنامہ شایع ہوا ہی تھا کہ اس کے بعد عید نمبر نکلا - تصویروں کے انتخاب اور اُن کی صاف ستھری چھپائی قابل داد ہے - مضمون بھی ہر رنگ کے جمع کئے ہیں - دل بہلانے کے لئے مطالعے کی ضرورت ہو تو نیرنگ خیال کے سالانہ اور عید نمبر سے بڑھ کر آپ کو کوئی دوسری چیز نہیں ملے گی - عید نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہے جو کچھہ بھی نہیں —

مرقع کا فسانہ نمبر

اس میں علاوہ نظموں اور چند تحریروں کے عکس کے فسانے ہی فسانے ہیں اور اچھے برے سب ہی قسم کے ہیں - منشی پریم چند اور سدرشن صاحب نے بھی اس

نمبر کے لئے فسانے لکھے ہیں - جن اصحاب کو چھوٹے فسانوں کی تلاش رہتی ہے ان کی تفریح کے لئے مرقع کا یہ نمبر بہت خوب ہے —

سرسوتی کا سالانہ نمبر

سرسوتی ھندی کا بہت پرانا رسالہ ہے ، یہ اس کا اُنتیسواں سال ہے ، اس سال اس نے اپنا سالانہ نمبر نکالا ہے - یوں تو ھندی کے بہت سے پرچے نکلتے ھوں مگر ھندی کے ماھانہ رسالوں موں اس قسم کا سالانہ نمبر اس نے شایع کیا ہے - حجم ۳۰۴ صفحات کا ہے اور اس موں کئی خوب صورت تصویریں اور مختلف قسم کے مضامین ہیں —

ھندی میں آج کل صوفیانہ قسم کی نظمیں کچھہ اس ڈھنگ سے لکھی جا رہی ہیں کہ وہ ایک پہیلی سی بن جاتی ہیں - اس سالانہ نمبر میں بھی بعض ایسی نظمیں پائی جاتی ہیں —

کہانیوں میں منشی پریم چند صاحب اور سدرشن صاحب کے قصے بھی درج ہیں یہ دونوں صاحب اُردو ھندی دونوں زبانوں میں مختصر فسانے خوب لکھتے ہیں - بعض مضمون اور قصے دوسری زبانوں سے بھی ترجمہ کئے گئے ہیں —

یہ نمبر دیکھنے میں خوبصورت ، پڑھنے میں دل کش اور کئی وجوہ سے مفید ہے - ہم ایسے عمدہ سالانہ پر سرسوتی کو مبارک باد دیتے ہیں - کیا اچھا ہوتا اگر سرسوتی کے ۲۹ سالہ زندگی پر بھی کچھہ لکھا جاتا —

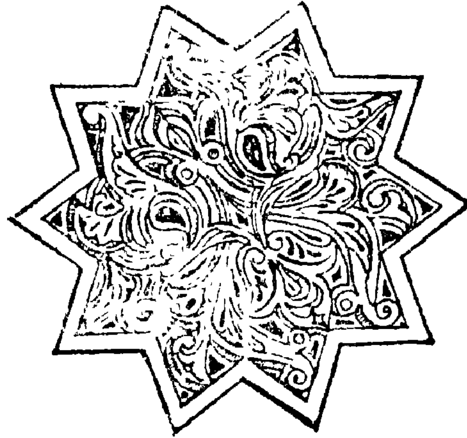
مسلم ریویو

یہ انگریزی کا سہ ماھی رسالہ کلکتہ سے شایع ہوتا ہے - اس کے اعزازی ایڈیٹر مسٹر اے - ایچ ھارے - ایم - اے ، مسٹر ایس خدا بخش ایم - اے ، بی سی - ایل بیرسٹر ایٹ لا ، مسٹر اے - ایف - ایم عبدالعلی ، ایف - آر - ایس - ال ، ایم - اے اور مجلس ادارت کے اعزازی سکرٹری مسٹر ایم - محفوظالحق صاحب ایم - اے ہیں —

اس موں علمی ادبی اور تاریخی مضامین بہت تحقیق سے لکھے جاتے ھوں اور زیادہ تر ایسے مضامین ہوتے ہیں جن کا تعلق مشرقی علوم و تمدن سے ہوتا ہے -

گزشتہ نمبر میں علاوہ دوسرے علمی مضامین کے قدیم خطاطی کے بہت ہی اچھے نمونے دئے ہیں - شروع میں لاہور کے مشہور مصور عبدالرحمن صاحب چغتائی کی ایک تصویر ہے - ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کا ایک مضمون غالب پر ہے جس میں غالب کے حالات اور شاعری پر چند خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو وہ اس سے قبل بھی بعض اخبارات اور رسائل میں ظاہر کر چکے ہیں - ڈاکٹر ایس - ان داس گپتا نے ایک مضمون اسلامی اور سنسکرت ادب پر لکھا ہے جس میں انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عربی ، فارسی اور سنسکرت ادب میں باوجود اختلاف کے بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے —

رسالہ بہت سلیقے سے مرتب کیا جاتا ہے اور علمی لحاظ سے بہت قابل قدر ہے - سالانہ چندہ ساڑھے پانچ روپے ہے ---



اعلان

جامعہ ملیہ کا " شعبۂ تصنیف و تالیف " جدید انتظام کے بعد " اُردو اکادمی " کہلاتا ہے - " اکادمی " کا مقصد یہ ہے کہ اُردو زبان میں مختلف علوم و فنون پر مستند کتابیں لکھوا کر شائع کرے - اب تک یوروپ کی مختلف زبانوں سے بہترین کتابوں کے چند تراجم اور متعدد اوربےبدل تصانیف شائع ہوچکی ہیں ' آیندہ کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ کم سے کم چھہ نئی کتابیں ہر سال لکھی جائیں - " اکادمی " نے اپنے قدردانوں کی آسانی اور اپنے فائدے کو مد نظر رکھتے ہوے یہ طے کیا ہے کہ جو حضرات ۲۴ روپیہ سال اکادمی کو عطا فرمائیں وہ اس کے رکن قرار دیے جائیں اور ان کی خدمت میں رسالۂ " جامعہ " اور " اکادمی " کی سال بھر کی جملہ مطبوعات نذر کے طورپر پیش کی جائیں

زر چندہ کی وصولی کا یہ طریقہ ہے کہ ہر سہ ماہی کے شروع میں ۶ روپیہ کا وی پی بھیجا جاے گا اور اُس کے وصول ہونے پر ہر رکن کے نام رسالہ " جامعہ " ماہوار بھیجا جاے گا اور " اکادمی " کی جو کتاب تیار ہوگی وہ فوراً روانہ کی جائیگی ' اگر کسی سہ ماہی میں وی پی وصول نہ کیا گیا اور واپسی کے بعد پندرہ دن کے اندر زرچندہ منی آڈر سے نہ پہنچا تو مجبوراً رسالہ جامعہ اور کتابوں کی روانگی بند کردی جائیگی —

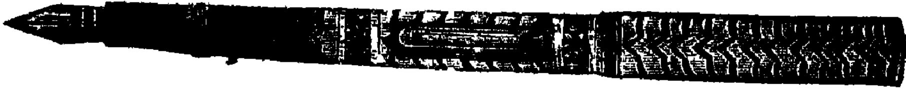
اس کا خیال رکھا جاے گا کہ رسالہ جامعہ اور سال بھر کی مطبوعات کی مجموعی قیمت ۲۴ سے کم نہ ہو اس کے علاوہ پندرہ روزہ رسالہ " پیام تعلیم " جس کی سالانہ قیمت ۱ روپیہ ۸ آنے ہے تحفۃً ہر رکن کی خدمت میں حاضر ہوگا - جو صاحب ان شرائط پر " اکادمی " کا ممبر بننا منظور فرمائیں وہ اپنا نام معہ پورے پتہ کے مندرجۂ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں

ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے - پی ' ایچ ڈی -
ناظم اُردو اکادمی - جامعہ ملیہ - قرول باغ - دہلی

المعـــــــــــلن

احمد الیاس مجیبی

سرسید فاؤنٹین پن



بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنوا کر منگوائے گئے ہیں - قلم کی نب اصلی ۱۴ کیریٹ گولڈ کی ہے جو سالہا سال تک خراب نہیں ہوتی—

دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) اسپشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ کیریٹ گولڈ کی جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے، سلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت - ایک دفعہ خریدئے برسوں کو فراغت - قیمت چھ روپیہ - قسم اول، یہ قلم دو طرح کے ہیں ایک وہ جن میں خود بخود روشنائی بذریعے ابور بھر جاتی ہے (سلف فلنگ) - دوسرے وہ جن میں روشنائی بذریعے انک فلر بھری جاتی ہے جو قلم کے ساتھ مفت دیا جاتا ہے- قیمت ۴ روپیہ (ہر قلم کے ساتھ پاکٹ کلپ مفت) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے-ملنے کا پتا:- نظام الدین حسین اینڈ سن - بدایوں—

واشرمین انک اکسٹریکٹ

(یعنی روشنائی کا جوہر)

یہ روشنائی بالکل نئی چیز ہے، بلیو، بلیوبلیک - سرخ رنگ اسٹاک میں موجود ہیں - فاؤنٹین پن میں بھی استعمال کی جا سکتی ہے - نمونے کا پیکٹ ایک آنے کا ٹکٹ بھیج کر مفت منگائیے—

ملنے کا پتا:-

نظام الدین حسین اینڈ سن- بدایوں

انجمن کے مطبوعات

ہماری شاعری

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب' ایم- اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے رسالۂ اُردو میں اُردو شاعری پر ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو عام طور پر بہت پسند کیا گیا تھا اب رضوی صاحب نے اس میں بہت کچھ اضافہ کرکے کتابی صورت میں کردیا ہے - اور انجمن ترقی اردو نے اُسے نہایت عمدہ طور پر پوری کتاب دو رنگوں میں (لیتھو میں) طبع کرائی ہے - اور پورے کپڑے کی خوشنما جلد ہے- حجم دو سو صفحے قیمت دو روپیہ —

کلیات ولی

ولی دکنی کے نام سے کون اُردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اُردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں- اور یہی گویا ہماری قدیم شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اور اس کا کلام اس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے —

یہ کلیات جناب احسن صاحب مارہروی نے نہایت محنت' کاوش اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں - اکثر غلط اور نا مکمل ہیں- یہ کلیات ۱۷-۱۸ قدیم' قلمی' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگاتار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

اس قادرالکلام اُستاد کا کلام اور کلیات تقریباً تمام اصناف سخن پر حاوی ہے' اور تقریباً چار سو صفحوں پر پھیلا ہوا ہے- شروع میں مرتب صاحب کا ایک بسیط اور قابل قدر مقدمہ ہے جس میں موصوف نے صاحب دیوان کے حالات و سوانح نہایت تحقیق اور کمال محنت و جانفشانی سے فراہم کرکے جمع کئے ہیں اور کلام پر تبصرہ فرمایا ہے- اور یہ بھی بتایا ہے کہ اردو کی دنیاے شاعری میں ولی کا کیا مرتبہ ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم' متروک' اجنبی' ہندی دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آئے ہیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے' دیوان کی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں -

ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دے کر بتادیا ہے۔ یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے۔ اور کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے، قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دانان اردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے۔ حجم تقریباً آٹھ سو صفحات۔ قیمت مجلد ۵ روپے غیر مجلد ۴ روپے —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی، بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا، اُردو کی خوش نصیبی سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی، اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر، طبع کی گئی ہے، جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے۔ یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی، تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آجاتا ہے حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں، جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں۔ مثنوی اُردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدردانان اُردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے۔ حجم دو سو صفحے سے زاید، قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ —

انتخاب کلام میر

ملک‌الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں، یہ اُنہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے۔ جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے، یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہو چکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے —

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اُردو پریس نے اپنے مشہور، نفیس، ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے۔ کاغذ چکنا، نہایت عمدہ، حجم دو سو صفحات سے زیادہ، جلد نفیس اور مضبوط۔ شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے، قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں -

قواعد اردو

یہ کتاب جناب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ' اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ زبان اُردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر ' سہل ' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوی ہے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی - جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جنابِ مؤلف و مرتب کی بیحد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دو بارہ چھاپی گئی ہے ' شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لا جواب بسیط مقدمہ بجاے خود قابل دید ہے انجمن نے اپنے پریس میں ' عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے ' کاغذ بہت عمدہ جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑ ھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ نا گزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۳ روپیہ —

سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقے سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھہ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپیہ ۸ آنے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تذکرۂ شعراے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اُردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب‌الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ غیرمجلد ایک روپیہ ۲ آنہ —

تاریخ تمدن

سرتامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد دو روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ - روپیہ مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃ‌الآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا اُردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

جدید انکشافات ہوئے ہیں ؛ ان سب کو جمع کردیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

فلسفۂ تعلیم

ہر برٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کار نامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھہ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اُردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - ۳۰۰ صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند کئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی - اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۲ آنہ - حصۂ دوم مجلد ۴ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم ۔ اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اشتراکیت کا باب قابل دید ہے حجم ۸۸۵ صفحے قیمت مجلد ۵ روپیہ آٹھ آنے —

تاریخ یونان

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ ۔ اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے۔ ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں' اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے۔ علمی اصطلاحات سے معرا ۔ طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں۔ قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا' پانی' غذا' لباس' مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے ۔ اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا ۔ حجم ایک ہزار صفحے۔ قیمت مجلد چار روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے ۔ اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں ۔ نیز میر صاحب کی والیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں۔ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں ۔

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف هندوستان کا مشہور نفسی ہے۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لطافت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے۔ متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھہ آنہ۔ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعے کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف "یہ بالکل نیا موضوع ہے۔ میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قایم کئے گئے ہیں۔ مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی، مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے۔ سابقوں اور لاحقوں۔ اردو مصادر اور ان کے مشتقات۔ غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں۔ اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں۔ لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں۔ اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں۔ اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا۔ اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے۔ تعداد صفحات ۳۰۵۔ قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے۔ اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے۔ جو اس شان کی لکھی گئی ہے۔ یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا۔ صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ۔ غیر مجلد ۸ آنہ —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس میں بعض قدیم اقوام، سلطنت کلدانی، آشوری، بابل۔ بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت۔ عقائد۔ اور صنعت و حرفت وغیرہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے اُن قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی ' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے ' کہاں سے آتی ہے ' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی ' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرما لیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ - قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ ' جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں :-
Astronomy, Botany, Economics. History, (Constitutional, Greece

---

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

England etc, Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaelogy, Biology .

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفوں ' مترجموں اور معلموں کے لئے نا گزیر ہے —

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھہ روپے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ہے۔ انجمن سے بارہ آنہ میں مل سکتی ہے

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم - اس کتاب سے کون واقف نہیں! ہر جگہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اُردو میں آگئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ہے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ، مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

بانگ درا (مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور قیمت غیر مجلد ۴ روپیہ —

یادگار غالب

یعنی مرزا اسداللہ غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر ، اُردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں —

جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ -

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ - مولفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

وکرم اُروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں هندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط هیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی ' زهرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھہ لکھے تھے - یہ جواهر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار هیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ' بی - اے معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے ان خطوط کے جذبات - اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ محمد امین صاحب مارهروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ' هر صاحب ذوق جانتا ہے ' اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو هاتھوں هاتھہ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اهتمام و نفاست سے طبع هوا ہے - ٹائپ ' کاغذ ' چھپائی ' جلد ' سائز ' هر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں هیں —

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دھلی نے خاص اهتمام سے چھپوایا ہے - سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' اُن کے مضامین خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھہ آنہ —

چمن

یہ نہایت چھوٹاسا حسین و جمیل مجموعہ اساتذہ اردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے - کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھہ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کر نے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ —

اُردوے قدیم

مجلس دارالمورخین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد آخرتک شعراء اور مصنفین اُردو کے صحیح حالات تحریر ہیں ' جسے مشہور مورخ مولوی شمس اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی ' فارسی اُردو ' انگریزی ' فرانسیسی ' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب و تالیف کیا ہے - قابل دید ہے -قیمت قسم اول دوروپیہ' قسم دوم ایک روپیہ آٹھہ آنہ -

معراج العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز (رح) کی تصنیف ہے ' جنھوں نے سنہ ۸۲۵ ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھہ چھپی ہے - قیمت ۹ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

مسکوکات قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو " ہون " کہا جاتا تھا ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلبائے تاریخ دکن کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس اللہ صاحب ' قیمت ۲ آنہ —

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے ' اس میں فارسی کے مشہور و غیر فانی شاعر ظہیر فاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر قابلانہ تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت ۲ آنہ —

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالت کا ہو بہو خاکہ کھینچا ہے - وہاں کی بد نظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھلایا ہے ' مرتضیٰ ' مشفق ' کاظمی - تین فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور برلن پایہ تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

انتخاب زریں

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدر آباد دکن نے اُردو شعرائے ماضی و حال کے کلام کا اِنتخاب فرمایا ہے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام اُن کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ہے - عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایوں نے شایع کیا ہے اور جلد بھی بہت خوبصورت ہے قیمت فی جلد ڈھائی روپیہ —

قاموس المشاہیر (جلد اول و دوم)

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے - یعنے دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کردئے گئے ہیں - ہندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھہ روپیہ ' جلد دوم چھہ روپیہ —

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ایک روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

مجموعۂ قصائد مومن

ہندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دہلوی کے اُردو قصائد - مرتبۂ ضیاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت ۱۲ آنہ —

گوتم بدھ

ہندوستان کے مشہور رہنما مہاتما بدھ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا خلاصہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ —

مسالک النظر فی نبوت سید البشر

مصنفہ سعید بن حسن الاسکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمن صاحب ایم - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ —

حکایۂ لیلیٰ مجنوں

ایک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ —

مقتل فریب مغربی معمل خانے

مؤلفہ مولوی سید طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چارنہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کارروائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں - غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفیٰ کمال پاشا کی کتاب "المسئلة الشرقیہ" کا اُردو ترجمہ - اس

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بےنقاب کردیے گئے ھیں - قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ھارون‌الرشید کی سیاسی چالوں، تخت خلافت کے لئے جد و جہد - تاریخی، علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ھے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے —

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین‌اسلام ازم کے موجد جمال‌الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوتی بستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال الدین افغانی

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی - اے ایڈیٹر زمیندار)

یہ اس بزرگ ھستی کے حالات زندگی ھیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا، قیمت ۵ آنے —

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کےبعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں، علما و طلبا، شان تعلیم و تعلم کا نہ رھنا، اور ان خرابیوں کا علاج - مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی قیمت ڈیڑہ روپیہ —

فقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی-اس میں‌پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنھوں نے با وجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا - ان کی فیاضی، ھمدردی، قناعت، توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے درج ھیں - قیمت ڈیڑہ روپیہ —

پھل اور میوہ جات

ھر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں —

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے - قیمت ۸ آنے —

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام، تابعین، مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار، جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات کتاب میں جمع کردیے گئے ہیں۔ قیمت ۴ آنہ —

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

کتاب	قیمت
سیرۃ النبی حصۂ اول	۴ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ
سیرۃ النبی حصۂ سوم	٦ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی	۲ روپیہ
علم الکلام	۲ روپیہ
الکلام	۲ روپیہ
کلیات شبلی	ڈیڑھ روپیہ
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ
انقلاب الامم	۲ روپیہ
برکلے	ڈیڑھ روپیہ
مکالمات برکلے	ڈیڑھ روپیہ
مثنوی بحرالمحبت	۱۲ آنہ
تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ
روح الاجتماع	۲ روپیہ
ابن رشد	۴ روپیہ
گل رعنا	۵ روپیہ
سیرالانصار	۳ روپیہ ۸ آنہ
شعرالہند مجلد	۵ روپیہ
شعرالہند غیر مجلد	۴ روپیہ

(مطبع کاویانی برلن)

کتاب	قیمت
تیاتر (فارسی)	۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی)	۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی)	۱ روپیہ
رہنمائے پسران (فارسی)	۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی)	۱ روپیہ
ہزار و یک سخن (فارسی)	۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دہلی)

کتاب	قیمت
الخلافت الکبریٰ	۵ روپیہ
الصراط المستقیم	۲ روپیہ
بصائر	٦ آنہ
سیرۃ الرسول	ڈیڑھ روپیہ
خلافت راشدہ	۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ	ڈیڑھ روپیہ
خلافت عباسیہ	۲ روپیہ

نوٹ کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب کلام مہر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوہر ۸ آنہ
مجموعۂ کلام جوہر ۶ آنہ
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازہارالعرب (عربی) ۸ آنہ
انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۱۴ آنہ
خطبۂ شیخ الہند ۲ آنہ
خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۴ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاہیر جلد اول ۶ روپیہ
قاموس المشاہیر جلد دوم ۶ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑھ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ڈیڑھ روپیہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زریں مجلد ۲ روپیہ

مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم دوم ۸ روپیہ
قسم دوم ۴ روپیہ
قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
مینائے سخن ۱ روپیہ
حزن اختر ۸ آنہ
درس عمل ۴ آنہ
خواتین انگورا ۱ روپیہ
بیگمات بنگال ۶ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنہ
مشرقی ترکستان ۶ آنہ
سیاحت زمین ۱ روپیہ
سیاحت ہوا ۱ روپیہ

(الناظر پریس - لکھنؤ)

فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب ۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد ۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد ۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری ۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول المسخ ۶ آنہ
مسلمانان اندلس ۱ روپیہ
اسرار رنگون ۱ روپیہ
ہوم رول ۵ آنہ
خوان دعوت ۱ روپیہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں۔

کتاب	قیمت
مصنوعی شوهر	۲ آنه
وکیم عروسی	۱ روپیه ۸ آنه
مسلمانوں کی تہذیب	۶ آنه
الاحسان	۸ آنه
ارض نہوین	۴ آنه
تذکرۂ حزین	۴ آنه
حیات نظامی	۴ آنه
خطاب	۴ آنه
میلاد نبوی	۴ آنه
تصویر درد	۴ آنه
شمع و شاعر	۲ آنه
فریاد اُمت	۳ آنه
(دارالاشاعت پنجاب لاهور)	
صبح زندگی	۱ روپیه ۸ آنه
شام زندگی	۱ روپیه ۴ آنه
شب زندگی هر دو حصه	۲ روپیه ۴ آنه
مذاق السائره	۱ روپیه
سنجوگ	۱۰ آنه
جواهر قدامت	۱ روپیه ۸ آنه
تحفۂ سائنس	۲ روپیه ۸ آنه
مشاهیر هند	۲ روپیه ۸ آنه
تیلی چھتری	۱ روپیه ۴ آنه
نہام کی گرفتاری	۱ روپیه
اختر النساء بیگم	۱ روپیه ۸ آنه
روشنک بیگم	۲ روپیه
رانی کرونارت	۱ آنه
رسوم دهلی	۴ آنه ۹ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیه ۸ آنه

کتاب	قیمت
ایام غدر	۱ روپیه ۴ آنه
نقش فرنگ	۱ روپیه ۴ آنه
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیه
پریم بتیسی حصۂ اول	۱ روپیه ۸ آنه
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیه
نعمت خانه	۱ روپیه ۴ آنه
چلدن هار	۲ آنه
اتسول سوتی	۱ آنه ۹ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنه
گوهر مقصود	۶ آنه
لولی	۲ روپیه
سواء السبیل	۱ روپیه
سخندان پارس	۱۰ آنه
قوانین دولت	۴ آنه
بهدا	۱۲ آنه
چترا	۱۲ آنه
امتیار پچیسی	۸ آنه
دلچسپ کہانیاں	۱۲ آنه
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنه
(تصانیف نورالهی و محمد عمر صاحبان)	
موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیه
ناٹک ساگر (یعنی دنیا کے ڈراما کی تاریخ) مجلد	۳ روپیه
نون توپیاں	۸ آنه
ظفر کی موت	۴ آنه
قزاق	۸ آنه
بگڑے دل	۸ آنه

—— : * : ——

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں هیں ۔

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدردان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ ان کے اسماے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شایع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجاے گی - ہمیں امید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے —

ان معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کر کے روانہ ہوں گی —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد (دکن)